خلافت راشدہ　　یا اللہ مدد　　حق چار یارؓ

مسئلہ خلافت و امامت پر ایک لاجواب کتاب

مطرقۃ الکرامۃ علیٰ مرءاۃ الامامۃ

تصنیف لطیف

شیخ المشائخ رئیس المحدثین سراج المناظرین زبدۃ الفقہاء

حضرت مولانا ابو ابراہیم خلیل احمد محدث سہارنپوری ثم المدنی رحمۃ اللہ علیہ

۱۳۴۶ھ

مصنف بذل المجہود شرح سنن ابی داؤد (عربی)



ناشر

سنی دار الاشاعۃ لاہور

و

مکتبہ عثمانیہ مدرسہ حنفیہ اشرف العلوم، ہرنولی ضلع میانوالی

خلافت راشدہ　　یا اللہ مدد　　حق چار یار رض

مسئلہ خلافت و امامت پر ایک لاجواب کتاب

مطرقۃ الکرامۃ
علیٰ
مرآۃ الامامۃ

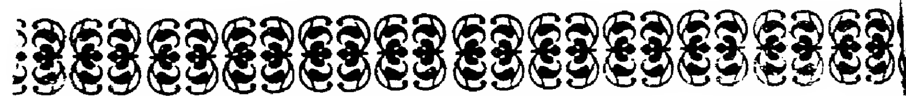
تصنیف لطیف

شیخ المشائخ، رئیس المحدثین، سراج المناظرین، زبدۃ الفقہاء

حضرت مولانا ابو ابراہیم خلیل احمد محدث سہارنپوری ثم المدنی رحمۃ اللہ علیہ

م ۱۳۴۶ھ

مصنف بذل المجہود شرح سنن ابی داؤد (عربی)



ناشر

سنی دار الاشاعت لاہور

و

مکتبہ عثمانیہ مدرسہ حنفیہ اشرف العلوم، برنولی ضلع میانوالی

صلح امام حسن کے لئے امام ازحق حوت بحاویہ ص ۲۲

نام کتاب	مطرقۃ الکرامہ علی مرآۃ الامامہ
مصنف	حضرت مولانا خلیل احمد صاحب محدث سہارنپوری ثم المدنی
ناشر	مولانا محمد یعقوب صاحب مہتمم مدرسہ حنفیہ اشرف العلوم ہرنولی (میانوالی)
تحریک واہتمام	شیر محمد علوی ناظم سنی دار الاشاعت مسجد نواب دین کرم آباد وحدت روڈ لاہور
تعداد	ایک ہزار (۱۰۰۰)
سن اشاعت	۱۴۰۰ھ بمطابق ۱۹۸۰ء
صفحات	تین سو بارہ (۳۱۲)
پریس	
سائز	۲۳×۳۶ / ۱۶
قیمت	/۰۰ (روپے)

ملنے کے پتے

مکتبہ رشیدیہ نیو جنرل مارکیٹ چھپڑ بازار۔ چکوال۔ ضلع جہلم
نعمانی کتب خانہ حق سٹریٹ اردو بازار۔ لاہور
مکتبہ رحمانیہ اردو بازار۔ لاہور
مکتبہ عثمانیہ مدرسہ حنفیہ اشرف العلوم ہرنولی ضلع میانوالی
دفتر تحریک خدام اہل سنت والجماعت پاکستان مدنی جامع مسجد چکوال ضلع جہلم
کتب خانہ شان اسلام۔ راحت مارکیٹ اردو بازار لاہور
مکتبہ رشیدیہ جامعہ رشیدیہ غلہ منڈی ساہیوال

انڈیا میں ملنے کے پتے
کتب خانہ نعیمیہ دیوبند ضلع سہارنپور (یو۔پی)
مکتبہ اشاعت اسلام۔ دار العلوم شاہ بہلول۔ سہارنپور

فہرست مضامین

مطرقۃ الکرامۃ علیٰ مرآۃ الامامۃ

فقیہِ اعظم استاذ العلماء حضرت مولانا مفتی جمیل احمد صاحب تھانوی دامت برکاتہم مفتی جامعہ اشرفیہ لاہور کا ارشادِ گرامی



مطرقۃ الکرامۃ اپنے شیخ و مربی و استاذ کی کتاب کے متعلق کچھ کہنا چاند سورج کو آئینہ دکھانا ہے بلکہ اپنے کو اس قابل کہلوانے کے مرادف ہے کہ میں کما حقہٗ اس کے مندرجات و انوار سے سیر چشم ہوں، یا یوں کہئے کہ ؎

ما دحِ خورشید مدّاحِ خود است
کہ دو چشمم روشن و نامرمد است

علم کی گہرائیوں اور حق کی غوطہ زنی کو ہر صاحب بصر و بصیرت دیکھ لے گا، عرض کیا کیا جائے۔ جیسے بذل المجہود میں ابوداؤد شریف کے خاص اشارات کے حل میں سب کی عقلیں دنگ ہو چکی ہیں براہین قاطعہ میں بدعات کے قلع قمع میں سب کا سر تسلیم خم ہو چکا ہے۔ ہدایات الرشید اور مطرقۃ الکرامہ بھی اسی درجہ کی ہیں، ذرا غور و انصاف درکار ہے۔

جمیل احمد تھانوی

۱۲ صفر ۱۴۰۰ھ



بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

"کچھ کتاب اور صاحبِ کتاب کے بارہ میں"

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَحْدَہٗ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنْ لَّا نَبِیَّ بَعْدَہٗ

امابعد، زیرِ نظر کتاب مسمّٰی بہ **مطرقۃ الکرامہ علی مرآۃ الامامہ** ملقب بہ **قیامہ علی اہل الامامہ** کے بارہ میں کچھ لکھنا غیر ضروری بلکہ بے ادبی ہے۔ کیونکہ اس مبارک کتاب کے مصنّف استاذ العلماء شیخ المشائخ رئیس المحدثین سراج المناظرین الحاج حضرت مولانا ابو ابراہیم خلیل احمد صاحب محدث سہارنپوری ثم المدنیؒ صاحب بذل المجہود عربی شرح سنن ابی داؤد ہیں اور ان کا نام نامی اس کے مستند ہونے کی پوری ضمانت ہے تاہم کچھ حالات لکھے جاتے ہیں۔

ولادت:۔ سہارنپور (یو۔پی) سے سولہ میل بجانب جنوب انبہٹہ نامی ایک بستی ہے جو حضرتؒ کا آبائی قصبہ ہے مگر آپ کی ولادت قصبہ نانوتہ ضلع سہارنپور جو آپ کا ننہیالی قصبہ ہے میں ہوئی اواخر صفر ۱۲۶۹ھ مطابق اوائل دسمبر ۱۸۵۲ء۔ آپ کی والدہ محترمہ مبارک النساء حضرت مولانا محمد یعقوب صاحبؒ صدر مدرس مدرسہ عالیہ دیوبند کی حقیقی بہن اور استاذ الکل حضرت مولانا مملوک علی صاحب قدس سرہٗ کی صاحبزادی تھیں۔ آپ کے والد گرامی کا نام مبارک شاہ مجید علی بن شاہ احمد علی بن شاہ قطب علی رحمہم اللہ ہے۔

تعلیم:۔ آپ نے ابتدائی کتب اپنے گھر انبہٹہ اور نانوتہ میں مختلف استادوں سے پڑھیں اور اعلیٰ کتابیں آپ نے دارالعلوم دیوبند اور مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور میں

بالترتیب حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب نانوتویؒ صدر مدرس دیوبند اور حضرت مولانا محمد مظہر صاحب نانوتویؒ سے سہارنپور میں پڑھیں اس طرح پر ۱۲۸۸ھ میں جبکہ آپ کی عمر مبارک ۱۹ سال کی تھی آپ نے درس نظامیہ ختم کر لیا اور پانچ سال میں مدرسہ مظاہر علوم سے سند فراغ حاصل کی۔ عربی ادب کی بعض کتابیں آپ نے حضرت مولینا فیض الحسن صاحب سہارنپوریؒ (جو اعلیٰ حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکیؒ کے فیض یافتہ تھے) سے پڑھیں۔ اور علم حدیث شریف میں آپ کو تقریباً چھ وقت کے بڑے مشائخ محدثین سے اجازت حاصل ہے (خصوصاً حرمین شریفین کے مشائخ سے)

بیعت اور خلافت:۔ آپ قطب الارشاد شمس العارفین حضرت مولانا رشید احمد صاحب محدث گنگوہی قدس سرہٗ سے بیعت ہوئے اور خلافت و اجازت اعلیٰحضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی نور اللہ مرقدہٗ نے عنایت فرمائی اور اسی اجازت نامہ پر حضرت قطب الارشاد گنگوہیؒ نے دستخط فرمائے اور اجازت مرحمت فرمائی (تذکرۃ الخلیل ص۷۵ طبع لاہور)

تصانیف:۔ آپکی زندگی مبارک کا اکثر حصہ درس وتدریس میں گزرا ہے (بریلی دیوبند، بہاولپور، اور سہارنپور میں آپنے تدریسی خدمات سرانجام دیں پھر اس میں بھی زیادہ مدت مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور کی ہے)، مگر اس کے ساتھ ساتھ آپنے تصنیفی خدمات بھی سرانجام دی ہیں جن میں فن حدیث میں بذل المجہود عربی شرح سنن ابی داؤد حضرت کی معرکۃ الآرا کتاب ہے جو پانچ ضخیم جلدوں میں کئی بار طبع ہو چکی ہے اور یہ آپ کی آخری تالیف ہے۔ اس سے قبل آپ نے ہدایات الرشید الی افحام العنید مسئلہ خلافت و امامت پر مفصل کتاب تحریر فرمائی ہے جو میر فرزند حسین شیعی کے رسالہ کے جواب میں ۱۳۰۶ھ میں ۸۸۸ صفحات پر شائع ہوئی اور آج تک

کسی شیعہ عالم و مجتہد کو جواب کی ہمت نہیں ہوسکی اور نہ ہوگی۔ انشاء اللہ۔ مگر اب یہ کتاب نایاب ہے خدا کرے کوئی ادارہ اس کو طبع کرا دے۔

تنشیط الاذان ۔ یہ اب نایاب ہوچکی ہے۔ **المہند علی المفند**۔ یہ رسالہ اصل عربی میں ہے لیکن اب یہ رسالہ متن مع اردو ترجمہ اور عرض حال از مرشدی[1] حضرت مولانا قاضی مظہر حسین صاحب مدظلہم خلیفہ مجاز شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی قدس سرہٗ عقائد علماء دیوبند کے نام سے جامعہ حنفیہ تعلیم الاسلام جہلم سے طبع

[1] مرشدی حضرت مولانا قاضی مظہر حسین صاحب مدظلہم، حضرت مولانا کرم الدین صاحب دبیر مرحوم مصنف "آفتاب ہدایت" کے صاحبزادے مدرسہ اظہار الاسلام چکوال ضلع جہلم کے بانی اور دار العلوم دیوبند کے فاضل، شیخ العرب والعجم حضرت مولانا السید حسین احمد صاحب مدنی قدس سرہٗ کے مایہ ناز خلیفہ ہیں اور اوصاف میں بالکل اپنے شیخ حضرت مدنیؒ کا نمونہ ہیں۔ آپ کئی ایک کتابوں کے مصنف ہیں جن کے نام یہ ہیں (۱) بشارت الدارین بالصبر علی شہادۃ الحسینؓ، رد رفض (۲) ہم ماتم کیوں نہیں کرتے؟ (۳) سنی مذہب حق ہے شیعوں کے دس سوالات کا جواب (۴) علمی محاسبہ رد مودودیت جس میں مسئلہ عصمت انبیاء علیہم السلام اور صحابہ کرامؓ کا معیار حق ہونا بیان فرمایا ہے (۵) مودودی مذہب (۶) کھلی چٹھی بنام ابوالاعلیٰ مودودی (۷) الحادی فتنہ۔ (۸) یادگار حسینؓ (۹) حضرت مولانا احمد علیؒ لاہوری فتنوں کے تعاقب میں وغیرہ وغیرہ

آپ ایک عظیم الشان اور ملک گیر جماعت کے بانی اور مرکزی امیر ہیں جس کا نام تحریک خدام اہل سنت والجماعت پاکستان ہے۔ جو ماشاء اللہ عرصہ سے ملک میں سنی مسلمانوں کی نمائندگی کر رہی ہے اور ہر سال ایک سنی کیلنڈر ہزاروں کی تعداد میں اسی جماعت کی طرف سے سنی مسلمانوں کی خدمت میں پیش کیا جاتا ہے۔

حضرت قاضی صاحب مدظلہم کے متوسلین کی تعداد بحمد اللہ ہزاروں سے متجاوز ہے آپ ایک واسطہ سے حضرت مولانا خلیل احمد صاحب رحمہ اللہ کے شاگرد بھی ہیں اللہ تعالیٰ حضرت قاضی صاحب کا سایہ تا دیر سلامت رکھے۔ آمین۔ احقر المتوسلین علوی غفرلہ

ہوچکا ہے۔ جس پر تمام اکابر علماء دیوبندؒ کے دستخط ثبت ہیں اور مسلک حقہ علماء دیوبند کے لئے علماء و مشائخ حرمین شریفین سے ایک زبردست دستاویز ہے۔

اتمام النعم: یہ بھی نایاب ہے۔ **براہین قاطعہ** بجواب انوار ساطعہ (اہل بدعت کے رد میں)۔

مطرقۃ الکرامہ یہ کتاب حضرت نے زمانہ قیام بریلی میں تالیف فرمائی اور سبب تالیف حضرت مولانا عاشق الٰہی[1] صاحب میرٹھیؒ نے تذکرۃ الخلیل میں یہ تحریر فرمایا ہے

"حافظ امیر اللہ صاحب بریلوی ایک صاحب تھے جنہوں نے عربی کی ابتدائی کتابیں پڑھی تھیں۔ ایک شیعہ سے اختلافی مسائل میں ان کی کچھ گفتگو ہوگئی اور وہ پریشان ہوکر بریلی کے نامی علماء کے پاس آئے کہ ان سوالات کا جواب دیا جائے ....

..... اختلاف عقائد کے سبب ان کو حضرتؒ (مولانا خلیل احمد صاحب رحمہ اللہ) کے ساتھ مناسبت نہ تھی مگر مجبوراً بادل ناخواستہ وہ (مدرسہ) مصباح العلوم میں آئے اور حضرتؒ سے مسائل مسئولہ کا تذکرہ کیا۔ حضرتؒ نے فوراً جواب لکھ دیئے اور یہ فرما کر کہ اس بحث ہی کا انشاء اللہ خاتمہ کردوں گا۔ مطرقۃ الکرامہ کی تالیف شروع کر دی جس کا حصہ اول[2] طبع ہوکر شائع اور

[1] یہ کتاب ایک ہی مرتبہ طبع ہوئی اور اس کے ناشر بھی حضرت مولانا عاشق الٰہی صاحب میرٹھیؒ ہیں، بعد میں طبع نہیں ہوئی اب اللہ تعالیٰ نے ہمیں توفیق عطا فرمائی کہ اس کی طباعت کا انتظام کر رہے ہیں۔ بشیر محمد علوی غفرلہ

[2] دوسرے حصہ کی طباعت کی نوبت نہیں آئی اگر قلمی نسخہ کسی صاحب کے پاس موجود ہو عاریتہً ہمیں عنایت فرما دیں تاکہ اس کو بھی شائع کیا جاسکے۔ ۱۲ خادم اہل سنت بشیر محمد علوی غفرلہ

اب نایاب ہوچکا۔ (اور یہی اب ہدیہ ناظرین کیا جارہا ہے علوی)
حضرتؒ اس تمنا وانتظار میں کہ کاش علماء شیعہ اس کا جواب
دیں چالیس برس گزار کر عالم قدس کو سدھار لئے مگر اس کا برائے
نام بھی اب تک جواب نہیں ہوا (اور نہ ہوگا انشاء اللہ علوی)
حافظ امیر اللہ صاحب جوابات دیکھ کر حیران رہ گئے اور جب
تک زندہ رہے اس کا اعتراف کرتے رہے کہ حضرتؒ اپنے وقت
کے علامہ ہیں" الخ تذکرۃ الخلیل ص۱۶۱ طبع لاہور ۱۳۹۰ھ

مگر حضرتؒ نے خود جو سبب تالیف بیان فرمایا ہے وہ عنوان میں ذرا مختلف
ہے باقی اصل میں دونوں قریب ہیں اور ایک چیز کے کئی سبب ہوسکتے ہیں۔
حضرت کا سبب تالیف آپ خطبہ کے بعد اصل کتاب میں ملاحظہ فرمائیںگے

اس ایڈیشن کی خصوصیات معنوی خصوصیات تو اہل علم حضرات پر مطالعہ کے بعد واضح ہوں گی
لیکن ظاہری خصوصیات جن کا التزام کیا گیا ہے وہ یہ ہیں (۱) سابقہ ایڈیشن میں بعض عربی
عبارات کا ترجمہ جو حضرت مولانا عاشق الٰہی صاحبؒ نے فرمایا تھا اور اس کو حاشیہ پر
جگہ دی تھی ہم نے قارئین کی آسانی کے لئے اس کو متن میں شامل کردیا ہے اور ترجمہ
کے ساتھ یہ وضاحت کردی ہے کہ
"ترجمہ از حضرت مولانا عاشق الٰہی صاحب میرٹھی" یا "مولانا میرٹھی" وغیرہ
تاکہ اصل کتاب سے التباس نہ لازم آئے۔

(۲) سابقہ ایڈیشن میں فہرست تو تھی مگر عنوانات نہیں تھے بلکہ پوری کتاب
تقریباً مسلسل تھی ہم نے عنوانات قائم کردیئے اور تقریباً وہی عنوانات کتاب
میں دیئے ہیں جو مولانا میرٹھی رحمہ اللہ نے فہرست میں دیئے تھے اور وہ عنوانات
جو حضرت مصنف قدس سرہ نے قائم فرمائے تھے ان کو بھی ساتھ ساتھ

کر دیا ہے اور جہاں ضرورت محسوس ہوئی وہاں اپنی طرف سے مناسب
عنوان دے دیا ہے تاکہ قارئین کو مطالعہ میں آسانی ہوجائے۔

(۳) **تیسری خصوصیت** جو سب سے اہم اور اہل علم حضرات کے لئے خصوصاً
قدر ہے وہ یہ کہ حضرت مصنفؒ نے شیعہ کتب کی جو عبارات بطور استدلال
کے درج فرمائی تھیں ان کا ماخذ نہیں تھا تو ان کا ماخذ اصل کتابوں سے تلاش کرکے حاشیہ پر
دیدیا گیا تاکہ اگر کوئی صاحب اصل کتاب دیکھنا چاہے تو دیکھ سکے۔ مگر
چند کتابیں احقر کو میسر نہیں ہوسکیں لہٰذا ان کے صفحہ وغیرہ درج نہیں
کرسکا۔ مثلاً شرح نہج البلاغۃ لابن میثم بحرانی وغیرہ۔
جہاں حضرت رحمہ اللہ نے صرف عبارت نقل فرمائی تھی وہاں کتاب کا نام
اور صفحہ وجلد کا نمبر مع سن طباعت اور جہاں حضرتؒ نے نام دیا مگر صفحہ وغیرہ نہیں
تھا تو اس جگہ صفحہ وغیرہ درج کردیا گیا۔

وفات حسرت آیات: حق تعالیٰ نے آپ کی مہاجرانہ وفات لکھی تھی اسی لئے آپ نے مدرسہ
سے ڈیڑھ سال کی رخصت لی (ڈیڑھ سال کی رخصت از ۱۶ شوال ۱۳۴۴ھ
تا ۱۵ ربیع الثانی ۱۳۴۶ھ) اور دفعۃً دار المحبوب صلی اللہ علیہ وسلم کا عزم فرمایا اور پھر ہندوستان کے
مختلف قصبات میں اپنے اعزہ سے ملنے کی خاطر آپ نے سفر اختیار فرمایا اور اس کے بعد آپ
بذریعہ جہاز ۲۱ ذیقعدہ کو جدہ پہنچے اور پھر ۲۵ کو مکہ مکرمہ پہنچ کر آپ نے پہلے مناسک حج ادا فرمائے اور
۱۲ محرم ۱۳۴۵ھ کو مدینہ طیبہ حرم نبوی پر آگئے۔ سوا سال تقریباً آپ نے حرم نبوی میں گزارا۔
بالآخر آپ کی دلی مراد برآئی اور ۱۵ ربیع الثانی ۱۳۴۶ھ مدینہ منورہ میں انتقال فرمایا اور جنت البقیع
میں اہل بیت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے مزارات کے متصل آپ سپرد خاک کیا گیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔
ع پہنچی وہیں پہ خاک جہاں کا خمیر تھا۔ استاذ مکرم حضرت مولانا مفتی جمیل احمد صاحب تھانوی مدظلہم
نے آپ کی تاریخ وفات یہ نکالی۔ "غفر اللہ"
۱۳۴۶ھ

حضرت قدس سرہٗ کی علمی زندگی کی
ایک جھلک

ویسے تو ہزاروں نہیں بلکہ لاکھوں علماء و فضلاء جنہوں نے حضرتؒ سے بلا واسطہ و بالواسطہ علمی فیض پایا دنیا میں اپنی اپنی جگہ خدمت دین میں مصروف ہیں مگر جن چند حضرات کے اسمائے گرامی ہم درج کر رہے ہیں وہ اپنی اپنی جگہ مستقل ایک ادارہ کی حیثیت رکھتے ہیں۔ مثلاً

۱۔ عارف باللہ حضرت مولانا الشاہ عبدالرحیم صاحب رائے پوری رحمہ اللہ تعالیٰ
۲۔ امام العصر حضرت مولانا سید محمد انور شاہ صاحب محدث کشمیری قدس سرہٗ سابق محدث دارالعلوم دیوبند
۳۔ شیخ العرب والعجم شیخ الاسلام حضرت مولانا السید حسین احمد صاحب مدنی قدس سرہٗ
۴۔ محدث شہیر بدر الاسلام حضرت مولانا بدر عالم صاحب میرٹھی رحمہ اللہ مصنف ترجمان السنۃ وغیرہ
۵۔ حضرت مولانا اشفاق الرحمٰن صاحب کاندھلوی نور اللہ مرقدہٗ شارح ترمذی وغیرہ کتب حدیث۔
۶۔ استاذ العلماء محدث کبیر حضرت مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلوی رحمہ اللہ صاحب معارف القرآن والتعلیق الصبیح وغیرہ
۷۔ بقیۃ السلف شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب مہاجر مدنی مدظلہم صاحب اوجز المسالک شرح موطا امام مالکؒ۔
۸۔ وارث علوم قاسمی حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب مدظلہم مہتمم دارالعلوم دیوبند
۹۔ شیخ المحدثین حضرت مولانا ظفر احمد صاحب عثمانی تھانوی قدس سرہٗ
۱۰۔ فقیہ اعظم استاذ العلماء حضرت مولانا مفتی جمیل احمد صاحب تھانوی مدظلہم مفتی جامعہ اشرفیہ لاہور

۱۱۔ شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالرحمٰن صاحب کاملپوری رحمہ اللہ سابق صدر مدرس مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور۔
۱۲۔ مفتی اعظم حضرت مولینا قاری سعید احمد صاحبؒ سابق مفتی مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور و مصنف معلم الحجاج وغیرہ



حضرتؒ کے خلفاء حضرات

۱۔ حضرت مولینا حافظ فیض الحسن صاحب گنگوہیؒ۔
۲۔ حضرت مولانا محمد یحییٰ صاحبؒ والد گرامی شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب
۳۔ حضرت مولانا محمد عبداللہ صاحبؒ گنگوہی
۴۔ حضرت حاجی محمد حسین صاحب حبشیؒ ان کو مکہ مکرمہ میں حضرت نے سلسلۂ عالیہ نقشبندیہ میں اجازت فرمائی تھی۔
۵۔ رئیس المبلغین حضرت مولینا الشاہ محمد الیاس صاحب رحمہ اللہ (بانی جماعت تبلیغ)
۶۔ حضرت مولانا عاشق الٰہی صاحب میرٹھی رحمۃ اللہ علیہ مترجم قرآن پاک و مصنف تذکرۃ الرشید و تذکرۃ الخلیل وغیرہ
۷۔ حضرت مولانا محمد زکریا صاحب شیخ الحدیث مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور۔
۸۔ حضرت حافظ قمر الدین صاحبؒ امام جامع مسجد سہارنپور
۹۔ حضرت مولانا ظفر احمد صاحب عثمانی تھانوی رحمہ اللہ سابق مفتی خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون۔
۱۰۔ حضرت مولانا رشید احمد صاحبؒ مدرس انجمن ہدایت الرشید قصبہ گردوٹ ریاست ملکر۔
۱۱۔ حضرت حافظ فخر الدین صاحبؒ ریلوے ملازم غازی آباد



باقی حضرتؒ کے تفصیلی حالات "تذکرۃ الخلیل" میں درج ہیں جو صاحب دیکھنا چاہے اس کا مطالعہ کرے ؎

احب الصالحین ولست منھم
لعل اللہ یرزقنی صلاحا

اللّٰھم تقبل منا انک انت السمیع العلیم وتب علینا انک انت التواب الرحیم بجاہ النبی الکریم وخلفائہ الراشدین المھدیین وصلی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقہ محمد خاتم المعصومین وعلی الہ واصحابہ اجمعینؓ

احقر العباد خادم اہلسنت
شبیر محمد علوی غفرلہ
خادم مدرسہ خدام اہل سنت تعلیم القرآن مسجد نواب دین کرم آباد وحدت روڈ لاہور
۱۲ صفر المظفر ۱۴۰۰ھ بوقت سوا گیارہ بجے دوپہر

نوٹ

مسودہ بالا حقیر نے اپنے استاذ محترم حضرت مولانا مفتی جمیل احمد صاحب تھانوی مدظلہم کو پڑھ کر سنایا تو حضرت مدظلہم نے اس کی تائید فرمائی۔ اور اس کے علاوہ بھی حضرت استاد محترم نے اپنے بیش بہا قیمتی اور مفید مشورہ جات سے نوازا۔ اور حقیر کے عرض کرنے پر بطور تبرک چند سطریں تحریر فرمائیں جو شامل کتاب کر دی ہیں۔ اللہ تعالیٰ حضرت مفتی صاحب مدظلہم کو صحت و عافیت سے رکھے اور ان کا سایہ تادیر سلامت رہے۔ آمین۔ شبیر محمد علوی غفرلہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تقدیم الکتاب

از قلم حقیقت رقم
بقیۃ السلف حجۃ الخلف وکیل صحابہؓ ترجمان اہل سنت
حضرت مولانا قاضی مظہر حسین صاحب مدظلہم
(امیر تحریک خدام اہل سنت والجماعت پاکستان)

الحمد للہ رب العلمین والصلوٰۃ والسلام علی رسولہ سیدنا محمد خاتم النبیین وعلی خلفاءہ الراشدین المھدیین و علی الہ واصحابہ اجمعین

کتاب "مطرقۃ الکرامۃ" مخدوم العلماء والصلحاء شیخ المحدثین حضرت مولانا خلیل احمد صاحب انبیٹھوی محدث سہارنپوری قدس سرہٗ کی تصنیف لطیف ہے جو نایاب تھی تحریک خدام اہل سنت کے ایک نوجوان عالم قاری شبیر محمد صاحب علوی فاضل جامعہ اشرفیہ لاہور اور مولانا محمد یعقوب صاحب ہرنولی ضلع میانوالی کو اللہ تعالیٰ نے اس کا جدید ایڈیشن شائع کرنے کی توفیق عطا فرمائی ہے۔ جزاہم اللہ خیر الجزاء۔ کتاب مطرقۃ الکرامۃ میں حضرت محدث سہارنپوریؒ نے مسئلہ امامت وخلافت پر محققانہ بحث کر کے شیعہ عقیدہ امامت کا ابطال فرمایا ہے۔ یہ کتاب ہر طبقہ کے سنی مسلمانوں کے لئے ہدایت بخش ہے۔

ہدایات الرشید | مسئلہ خلافت اور سنی شیعہ نزاعی مسائل میں حضرت سہارنپوریؒ کی ایک دوسری کتاب "ہدایات الرشید" ہے جو بڑی ضخیم ہے۔ اور آپ نے تعصب [illegible]

حضرت مولینا رشید احمد صاحب گنگوہی قدس سرہٗ کے حکم کے تحت لکھی ہے۔ اور اس کتاب کے نام میں اس کا اظہار پایا جاتا ہے۔ ایک شیعہ غالی مصنف مولوی سجاد حسین صاحب مؤلف رسالہ سجادیہ وغیرہ متوطن بہھڑہ سادات ضلع مظفر نگر نے اپنی کتاب "تقریر دلپذیر" میں جابجا اس کتاب کا ذکر کیا ہے۔ چنانچہ لکھا ہے کہ "اب ایک اور عالم کی حالت بیان کرتا ہوں جن کا شمار متاخرین میں ہے۔ وہ جناب مولوی خلیل احمد صاحب مؤلف "ہدایات الرشید" ہیں۔ ان کی کتاب بہ ایماء و ہدایت مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی لکھی گئی ہے۔ اسی واسطے مؤلف موصوف نے اس کا نام "ہدایات الرشید" رکھا ہے۔ اس کتاب پر بڑے بڑے علماء مثل ولی اللہ مثل سجادہ نشین چاچڑاں ملک پنجاب وغیرہ کی تقریظیں چڑھی ہوئی ہیں۔ اور جمیع علمائے ہندوستان نے اس کو بڑی نگاہ وقعت سے دیکھا ہے۔ بلکہ اس کی تالیف پر یہاں تک فخر کیا ہے کہ نمونہ عجائب قدرت خداوندی بیان فرمایا ہے۔ دیکھو اشتہار مولوی ابوالقاسم صاحب الہ آبادی اور اس کا تکملہ جس کو ولایت حسین صاحب ساکن ضلع گیا نے لکھا ہے۔" الخ (تقریر دلپذیر ص۴۵) مولوی سجاد حسین صاحب مذکور کی کتاب تقریر دلپذیر کے ٹائٹل پر لکھا ہے:- "یہ کتاب خاص مذہب اہل شیعہ کی ہے حضرات اہل سنت اس کو نہ دیکھیں اور نہ خریدیں" اور کتاب کے ٹائٹل پر ہی یہ عبارت لکھی ہے:- جس میں یہ ثابت کیا گیا ہے کہ اسلام میں صرف دو فرقے ہیں۔ ایک شیعہ اور دوسرا خارجی۔ سنی کوئی نہیں۔

ہدیۃ الشیعۃ | اس غالی مصنف نے بحث فدک کے تحت حجۃ الاسلام حضرت مولینا محمد قاسم صاحب نانوتویؒ اور آپ کی کتاب ہدیۃ الشیعۃ کا بھی متعدد بار ذکر کیا ہے۔ چنانچہ لکھتے ہیں:- "ایک عالم جبیل المرتبت جن کا نام نامی مولوی محمد قاسم نانوتوی بانی مدرسہ دیوبند ہے۔" الخ (ص۳۰) اور ص۳۱ پر لکھتے ہیں:- "وہ ایسا عالم کامل ہے جس کو تمام ہندوستان کے اہل سنت علم مناظرہ میں ثانی عبدالعزیز اور علوم باطنی میں ولی وغوث سمجھتے ہیں اور مؤلف "ہدایات الرشید" ان کو رحمۃ اللہ علیہ کے پاک لفظوں سے یاد کرتے ہیں بلکہ ان کی شاگردی

اور کفش برداری کو اپنا فخر جانتے ہیں۔ ناظرین کو کہاں تک انتظار دکھاؤں۔ نام بھی لئے دیتا ہوں۔ جناب مولوی محمد قاسم نانوتوی بانی مدرسہ دیوبند۔ حضرت ممدوح نے "ہدیۃ الشیعہ" میں جس کا جواب اہل حق نے "تحفۃ الاشعریہ" لکھا ہے الخ

ازالۃ الخفاء حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی | غالی مصنف مولوی سجاد حسین ازالۃ الخفاء عن خلافۃ الخلفاء اور کتاب قرۃ العینین فی تفضیل الشیخین کی بعض عبارات کے تحت لکھتے ہیں:-

"میری دانست میں کوئی احمق سے احمق شخص بھی ولی اللہ صاحب کے خارجی ہونے میں تامل نہ کرے گا۔" (ص۱۵۶) غالی مصنف اپنی اس کتاب میں امام حدیث و تفسیر حضرت قاضی ثناء اللہ صاحب محدث پانی پتی کی کتاب "سیف مسلول" علامہ حیدر علی صاحب کی کتاب "منتہی الکلام" اور "ازالۃ الغین" اور حضرت مولانا احتشام الدین صاحب مراد آبادی کی کتاب نصیحۃ الشیعہ اور نواب سید مہدی علی صاحبؒ کی کتاب "آیات بینات" کی عبارات کو بھی زیر بحث لائے ہیں۔

حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی | مولوی سجاد حسین صاحب نے اپنی اس کتاب میں خصوصیت سے حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی قدس سرہٗ کی مشہور عالم تصنیف تحفۂ اثنا عشریہ کا تذکرہ کیا ہے۔ چنانچہ ہندوستان میں شیعیت کے ظہور کے متعلق یہ لکھا ہے کہ:- "سلاطین لودھیہ چغتائیہ ومغلیہ وغیرہ کے سنی المذہب ہونے سے گروہ شیعہ میں تقیہ بایں شدت پھیلا ہوا تھا کہ علانیہ نماز نہ پڑھ سکتے تھے۔ اہل بیت رسول کو بلفظ علیہ السلام یاد کرنے سے قابل قتل تجویز کئے جاتے تھے۔ بہ ثبوت اس امر کے کہ عہد حکومت سنیہ میں شیعہ پر جبر و ظلم ہوتا تھا۔ عالمگیر کے زمانہ کی ایک حکایت سنا کر بعدہ اصل معاملہ کی طرف عنان اشہب کلام کو پھراؤں گا۔ رقعات عالمگیری میں لکھا ہے کہ ایک سخت دیندار مسلمان نے دربار علم میں شاہ موصوف کے سامنے خنجر آبدار پیش کیا۔ شاہ نے ہاتھ میں لے کر دیکھا اور اس کی آب و تاب پسند فرما کر تعریف کی۔ پیش کنندہ نے کہا کہ حضور سوائے ان اوصاف ظاہری کے ایک وصف باطنی بھی رکھتا ہے۔ پوچھا کہ وہ کیا۔ دست ادب باندھ کر عرض کیا کہ حضور اس میں خاصیت یہ ہے کہ سفلی

عادل نے فرمایا کہ رافضی کش خنجر ہمارے سلاح خانہ میں رہنا ضروری ہے۔ پس خیال کرنے کا موقعہ ہے کہ جب سلاطین سُنّی شیعہ کش میگزین جمع رکھتے تھے تو کب ممکن ہو سکتا تھا کہ یہ گروہ بمقابلہ اہل سنت مباحثہ مذہبی میں مُنہ کھولتا یا قلم اُٹھاتا۔ چونکہ سوائے خدا کے کسی کو بقا نہیں۔ انجام کار سلطنت اسلام کو ضعف ہُوا۔ شاہ عالم نابینا نے انگریز بہادر سے پنشن لی اور ملک ہندوستان پر ہوائے آزادی نے جُھوم جھوم کر غنچہ پژمردہ کو کھلایا۔ دبے اور مٹے ہُوئے مذہب شیعہ کا قالب بیجان نسیم آزادی کے پہنچنے سے کچھ کلبلایا۔ تقیہ سے جو سادات مومنین معاویہ شاہی بنے ہُوئے تھے دم پنجتن کہنے لگے اس وقت علمائے سُنی کی عقل چکر میں آئی کہ یہ کیا ہُوا۔ انگریزی عدالت کا ایک ہی جھونکا تحق شیعہ وہ اثر کر گیا جو کہ باد بہاراں خزاں رسیدہ باغ میں کر جاتی ہے۔ علماء میں مشورہ ہُوا کہ کوئی ایسی تدبیر نکالنی چاہیئے جس سے لوگوں کا میلان بہ تشیّع رک جائے۔ اس وقت کے علماء میں شاہ عبدالعزیز صاحب سرآمد وگل سر سبد گنے جاتے تھے۔ انہوں نے اس کا بیڑا اٹھایا۔ کہ میں لوگوں کی طبائع کو مذہب شیعہ سے نفرت دلانے میں کوشش کر کے غالباً روک دونگا۔ چنانچہ انہوں نے اس مقصد کے پُورا کرنے کی غرض سے دوہرے پٹکے کو کمر پر پیٹ کے بیلچہ قلم سے شیعہ کا تخم اکھاڑنا چاہا۔ اور ایک کتاب مسمّی بہ تحفہ اثنا عشری لکھ کر ہندوستان میں ایسا نفاق پھیلایا کہ جس کا دفعیہ بظاہر محال معلوم ہوتا ہے الخ ص۹

خلفائے ثلثہ اور غالی مصنّف | یہی غالی مصنف جو حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی کو ہندوستان میں نفاق پھیلانے والا قرار دے رہا ہے۔ اور حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کو خارجی قرار دیتا ہے اور سُنی مذہب کا وجود ہی نہیں مانتا، اور اہل السنّت والجماعت کے کلام پر اعتراض کرتا ہے (ص۲۲) حضرات خلفائے ثلثہ کے متعلق عام شیعوں کا عقیدہ بہ بیان کرتا ہے کہ انہی دنائت، سفاہت، رذالت، حماقت دکھا کر بحق اہل بیت ان کا ظالم وجابر ہونا بتاتے ہیں۔ پس خلفائے ثلثہ کی توہین وتنقیص مرتبہ کرنا۔ اور ان کو مخرب دین و بدراہ کنندہ اہل اسلام سمجھنا شیعہ کا عین مذہب ہے خواہ وہ مناظر ہو یا غیر مناظر، عالم ہو یا جاہل

شیعہ درباب منافقت خلفاء ایک عقیدہ رکھتے ہیں۔ الخ (تقریر دلپذیر ص۳) یہاں تفصیل کی گنجائش نہیں عہد جہانگیری میں نورجہاں کی وجہ سے ایران سے شیعوں کی یلغار شیعوں کے شہید ثالث قاضی نور اللہ شوستری کی کتب احقاق الحق ومجالس المؤمنین وغیرہ نے علمائے حق کو سُنی مذہب اور عقیدہ خلافت راشدہ کے تحفظ کی طرف متوجہ کر دیا تھا۔ اس لئے حضرت مجدد الف ثانی سے لے کر اکابر علمائے دیوبند تک علمائے حق نے حضور رحمۃ للعالمین خاتم النبیین حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزانہ ارشاد ما انا علیہ واصحابی کی تبلیغ واشاعت اور حضرات صحابہ کرام اور خلفائے راشدین رضوان اللہ علیہم اجمعین کے دفاع میں بڑی بڑی اہم اور تحقیقی کتابیں تصنیف فرمائی ہیں۔

علمائے حق کا خاص موضوع | امام اہل سنت حضرت مولانا عبدالشکور صاحب لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ کی وفات کے بعد حضرت مولانا محمد منظور صاحب نعمانی مدیر ماہنامہ الفرقان لکھنو نے اپنے جو تاثرات لکھے ہیں۔ اس میں بعنوان "خاص موضوع" لکھا ہے کہ اگرچہ حسب ضرورت مولانا نے مناظرے عیسائیوں سے بھی کئے۔ آریہ سماجیوں اور رضاخانیوں سے بھی اور ان کے علاوہ دوسرے فرقہ ہائے ضالہ سے بھی۔ لیکن مولانا کا خاص موضوع "شیعی حملوں سے صحابہ کرام اور مسلک اہل سنت کی حفاظت اور ان کا دفاع اور مذہب تشیع کی ضلالتوں کو واضح کر کے حجت قائم کرنا تھا اور یہ وہ موضوع ہے جو ہندوستان کے خاص تاریخی حالات کی وجہ سے اس ملک کے اکابر علماء ومصلحین کی علمی اور دینی کوششوں کا صدیوں سے خاص موضوع رہا ہے اب سے تقریباً ساڑھے تین سو سال پہلے گیارہویں صدی ہجری میں تاریخ اسلام کے عظیم ترین مجدد امام ربانی شیخ احمد فاروقی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ اور اس کے بعد بارھویں صدی میں حضرت شاہ ولی اللہ اور ان کے معاصر بیہقی وقت قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے بعد استاذ الہند شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی اور ان کے تلامذہ اور ان کے بعد حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی اور حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ۔

الغرض اپنے اپنے زمانہ میں ان سب ہی حضرات کی دینی اور اصلاحی کوششوں کا خاص موضوع اور ہدف (ان خاص تاریخی اسباب کی وجہ سے جن کی تفصیل کا یہ موقع نہیں) یہی مسئلہ رہا ہے۔ جس شخص نے اس موضوع کے متعلق ان اکابر کی کتابیں دیکھی ہیں اور حضرت مولانا عبدالشکور صاحب نے اس سلسلے میں جو کام کیا ہے اس کو اعتراف کرنا پڑے گا کہ مولانا نے اس موضوع کو اپنے پیشرو اکابر سے کئی گنا زیادہ نکھارا اور ایک سعادت مند پیروکار کی طرح ان کے کام کی تکمیل کرکے ان کی روحوں کو شاد اور مطمئن کیا۔ الخ (الفرقان وفیات نمبر اپریل، مئی، جون ۱۹۷۷ء)

حضرت مولانا نعمانی کا یہ مضمون تحریک خدام اہل سنت چکوال کی طرف سے رسالہ کی شکل میں شائع ہو چکا ہے جو عوام و خواص اہل سنت کے لئے مفید ہے۔

سنی شیعہ مذہب کا اختلاف اصولی ہے

کئی تعلیم یافتہ اہل السنت والجماعت مسلمان بھی اپنی ناواقفیت کی بنا پر سنی شیعہ اختلاف کو مثل حنفی شافعی وغیرہ اختلافات کے صرف فروعی اختلاف قرار دیتے ہیں۔ اور خصوصاً جماعت اسلامی کے بانی ابو الاعلیٰ مودودی اور ان کی جماعت نے سنی شیعہ مذہب کو مخلوط کرنے میں بڑی جد وجہد کی ہے۔ چنانچہ مودودی صاحب کی کتاب "خلافت و ملوکیت" اسی مقصد کے تحت لکھی گئی ہے کہ اہل سنت کے دلوں میں جو شرعی عظمت خلیفہ راشد حضرت عثمان ذوالنورین اور صلح امام حسنؓ کے بعد امام برحق حضرت امیر معاویہ فاتح مصر حضرت عمرو بن العاص وغیرہ اکابر صحابہ کی ہے وہ باقی نہ رہے اور اس طریق سے شیعہ ان کے قریب آجائیں۔

شیعہ عقیدہ امامت اور مودودی

سنی شیعہ اختلاف کو بجائے اصول کے فروعی قرار دے کر سنی شیعہ اتحاد اسلامی کی دعوت دینا۔ یہ مودودی صاحب کی وہ واضح پالیسی ہے جو انہوں نے عملاً سیاسی دخل اندازی کے بعد پاکستان میں حصول اقتدار حکومت کی خاطر اختیار کی ہے۔ ورنہ شروع شروع میں انہوں نے شیعہ عقیدہ امامت کو ایک شیطانی دھوکہ قرار دیا تھا۔ چنانچہ فرمایا۔ "امام معصوم کا عقیدہ جس نے شیعوں میں رواج پایا ہے اور

جس پر درحقیقت مسلک تشیع کی بنیاد قائم ہے۔ اپنی اصل کے اعتبار سے نہ صرف یہ کہ بے اصل ہے بلکہ شیطان کا ایک بہت بڑا دھوکہ ہے جس سے اس نے مسلمانوں کے ایک بڑے گروہ کے لئے دین اور اس کے مطالبات اور اس کی مہمات کو عملاً معطل کر دیا ہے اس نے امامت کے لئے معصومیت کی ایسی شرط لگائی جس کا متحقق ہونا اور دواماً اور مستقلاً متحقق ہوتے رہنا غیر ممکن تھا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ قرون ماضیہ میں بھی جبکہ شیعوں کے عقیدہ کے مطابق ائمہ معصومین ظاہر ہوتے رہے۔ یہ امام کی وفات کے بعد کئی کئی فرقے بنتے رہے اور بعد میں جب آخری امام معصوم غائب ہوئے تو کئی صدیوں سے عملاً دین کے تمام مہمات بلکہ وہ سارے کام جو دین کی اصلی روح ہیں آج تک معطل چلے آ رہے ہیں۔ کیونکہ یہ سب کام امام معصوم پر منحصر ہیں اور امام معصوم غائب[1] ہے اگر اس پر شیعہ حضرات متنبہ نہیں ہوتے اور شیطانی دھوکہ میں مبتلا رہنا چاہتے ہیں۔ تو ہمارے لئے اس کے سوا کیا چارہ ہے کہ صبر کریں اور ان کے حق میں دعائے خیر کرتے رہیں۔" (ترجمان القرآن ماہ مارچ تا جون ۱۹۴۵ء ص ۲۷۸) مندرجہ بالا حوالہ بندہ نے کھلی چٹھی بنام مودودی ص ۲۰ میں بھی پیش کر دیا ہے۔

عقیدہ امامت اور خمینی

ایران کے موجودہ انقلابی سربراہ خمینی صاحب شیعوں کے نزدیک اس وقت نائب امام غائب اور فقیہ اعظم ہیں۔ شیعہ امامیہ (اثنا عشریہ) کی طرح ان کا بھی یہی عقیدہ ہے کہ بارہ امام معصوم ہیں اور بذریعہ وحی ان کو خدا کی طرف سے نامزد کیا گیا ہے۔ چنانچہ پہلے امام حضرت علی المرتضیٰ کے متعلق لکھتے ہیں۔ "خدا تعالیٰ نے جبرئیل کے ذریعہ آنحضرت پر لازم و واجب قرار دیا کہ یہیں بیابان میں امر خلافت کا تعین کریں۔ رسول اکرم نے قانون کے حکم سے وہ قانون کی اتباع میں حضرت امیر (یعنی علی المرتضیٰ) کو خلافت

[1] شیعہ عقیدہ کے مطابق امام مہدی ۲۵۶ھ میں پیدا ہوئے اور پانچ سال کی عمر میں غائب ہو گئے ہیں۔ قرب قیامت میں ان کا ظہور ہوگا۔ منہ مدظلہ

کے لئے معین فرمایا۔ نہ اس لئے کہ وہ آپ کے داماد تھے یا انہوں نے خدمات انجام دی تھیں بلکہ آپ حکم و قانون کے مامور تھے۔ بنابریں اسلام ہر مرحلہ پر ایک حکومت کا خواہاں ہے جو تابع قانون ہے الخ (حکومت اسلامی یا ولایت فقیہ ص۴۴ ناشر کتب خانہ شاہ نجف اندرون موچی دروازہ لاہور)

حضرت علیؓ کیوں کامیاب نہیں ہوئے علامہ خمینی لکھتے ہیں:۔ اور جس دن حضور اکرم کی رحلت ہوئی تو لوگوں نے نہ چاہا کہ آئین اسلام جاری ہو اور صحیح اسلام ظہور پذیر ہو۔ اس وضع حقیقی کو بدل ڈالا گیا" (ص۳۰) حضرت علیؓ اپنے دور خلافت میں بھی احکام شریعت کا نفاذ نہیں کر سکے حتیٰ کہ دارالخلافہ کوفہ سے حسب عقیدہ شیعہ قاضی شریح جیسے ظالم اور شقی قاضی کو بھی منصب قضا سے معزول نہ کر سکے۔ چنانچہ خمینی فرماتے ہیں کہ:۔ حضرت امیر نے شریح سے خطاب کیا تم ایسے منصب پر بیٹھے ہو کہ جس پر سوائے نبی، وصی نبی یا شقی کے کوئی نہیں بیٹھتا اور شریح چونکہ نبی اور وصی نبی نہیں تھا لہٰذا شقی ہوگا جو مسند قضاوت پر بیٹھا تھا۔ شریح وہ شخص ہے جو پچاس ساٹھ سال کوفہ میں منصب قضا پر رہا ہے اور ان علماء میں سے ہے جنہوں نے معاویہ کی بارگاہ میں قرب حاصل کرنے کے لئے باتیں کی ہیں اور فتوے صادر کئے ہیں۔ اور حکومت اسلامی کے خلاف کام کیا ہے۔ حضرت امیر اپنی حکومت کے دوران بھی اُسے معزول نہ کر سکے۔ لوگوں نے ایسا نہ کرنے دیا اور اس عنوان سے کہ شیخین (یعنی حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ) نے اُسے نصب کیا) اور آپ اُن کے خلاف عمل نہ کیجئے۔ اسے آنحضرت کی حکومت عدل پر لاد دیا گیا" (ایضاً ص۱۱۹) ماشاء اللہ پھر اس حکومت کو حکومت عدل کیونکر تسلیم کیا جائے گا۔ اس نظریہ امامت کی بنا پر تو اس قادر مطلق پر الزام آتا ہے العیاذ باللہ کہ اس نے حضرت علیؓ کو خلافت الٰہیہ کے قیام کے لئے امام نامزد کر کے پھر ان کی نصرت کیوں نہیں فرمائی"

عقیدہ تقیہ اور خمینی جو نہیں جانتے وہ حیران ہوں گے کہ خمینی جیسا انقلابی لیڈر بھی

عقیدہ تقیہ کا قائل ہے اور اپنے معصوم آئمہ کو بھی تقیہ کا مرتکب قرار دیتا ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں:۔ "بہر حال نشر علوم اسلام و احکام عادل فقہاء کا کام ہے تاکہ واقعی احکام کو غلط احکام سے اور ائمہ علیہم السلام کی تقیہ والی روایات کو دوسری روایات سے تمیز دیں۔ چونکہ ہمارے آئمہ علیہم السلام اکثر و بیشتر مواقع میں ایسے حالات سے دوچار تھے کہ وہ حکم واقعی بیان نہیں کر پاتے تھے اور وہ ظالم و جابر حاکموں کے شکنجے میں جکڑے ہوئے تھے۔ اور انتہائی تقیہ اور خوف کی زندگی بسر فرما رہے تھے اور ان کا خوف مذہب کے لئے تھا نہ کہ اپنی ذات کے لئے کیونکہ بعض مواقع پر اگر تقیہ نہ کیا جاتا تو خلفائے جور مذہب کی بیخ کنی کرتے" ص۴۳ لیکن اس پر سوال یہ ہے کہ اب قریباً چودہ سو سال کے تقیہ والی روایات اور غیر تقیہ والی روایات میں تمیز کس طرح دی جائے گی۔ جبکہ شیعہ مذہب کی مستند کتب کی ہر روایت اور ہر حکم امام میں تقیہ کا احتمال ہے۔ چنانچہ شیعہ مذہب کی اصح الکتب الکافی (اصول و فروع) کے مؤلف شیخ محمد بن یعقوب کلینی متوفی ۳۲۹ھ کے تقیہ کا یہ حال ہے کہ انہوں نے از روئے تقیہ بجائے ایک چار صاحبزادیاں لکھی ہیں یعنی زینبؓ۔ رقیہؓ۔ ام کلثومؓ اور فاطمہؓ اس روایت کا ترجمہ کرتے ہوئے بریکٹ میں شیعہ ادیب اعظم سید ظفر حسن صاحب امروہی بھی لکھتے ہیں کہ:۔ یہ روایت بھی ضعیف ہے۔ یہ تینوں لڑکیاں حضرت کی پروردہ تھیں۔ ہالہ خواہر خدیجہؓ کے بطن سے تھیں۔ یہ روایت بھی تقیتاً لکھی گئی ہے" (الشافی ترجمہ اصول کافی جلد اوّل ص۵۴۴) اور پاکستان کے ایک شیعہ علامہ نجم الحسن کراروی پشاوری مصنف کتب "چودہ ستارے" جو اسلامی تاریخ کے مرتب بھی ہیں) اپنے ایک ٹریکٹ "تاریخ ولادت رسول کی تحقیق" میں اپنی تحقیق یہ پیش کرتے ہیں کہ ولادت نبوی کی تاریخ ۱۷ ربیع الاوّل ہے۔ لیکن اصول کافی میں چونکہ شیخ یعقوب کلینی نے ۱۲ ربیع الاوّل لکھی ہے اس لئے علامہ کراروی اس کی توجیہ یوں فرماتے ہیں کہ:۔ علامہ کلینی کا مسلمات شیعہ کے خلاف کسی چیز کے قائل ہونے کا تصور بھی صحیح نہیں۔ وہ ۱۷ ہی کے قائل تھے یہ کیونکر ممکن

ہو سکتا ہے کہ وہ فحول علما۔ جیسے شیخ مفید شیخ صدوق وغیرہ سے ہٹ کر کوئی راہ اختیار کرتے۔ لیکن وہ اپنے عہد کے ایسے دور میں تھے جس میں وہ لکھ نہیں سکتے تھے۔ انہیں وہی لکھنا تھا جو اس وقت کی حکومت کا مذہب و مسلک تھا ورنہ زندگی سے ہاتھ دھو بیٹھتے الخ تو جب اصح الکتب الکافی کے جامع و مرتب علامہ کلینی کا یہ حال ہے کہ وہ از روئے تقیہ اپنے عقیدے کے خلاف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی چار صاحبزادیاں اور ولادت نبوی کی تاریخ ۱۲ ربیع الاوّل لکھتا ہے تو ایسے تقیہ باز شیخ کی بقیہ ہزارہا روایات پر کیونکر اعتماد کیا جا سکتا ہے۔ جو انہوں نے اصول و فروع کافی میں درج کی ہیں (ب) علامہ کرار وی بھی عجیب مورخ ہیں کہ جن کو یہ بھی معلوم نہیں کہ من لا یحضرہ الفقیہ کے مصنف ابن بابویہ المعروف بہ شیخ صدوق علامہ کلینی کے بعد پیدا ہوئے ہیں (کرار وی صاحب کی تحقیق پر میں نے جو کچھ لکھا ہے وہ میری کتاب کھلی چٹھی بنام مودودی ص۲۲ پہ ملاحظہ فرمالیں)۔

شیعہ عقیدہ اور متعہ | مذہب شیعہ میں متعہ ایک ایسا نکاح ہے جو مرد اور عورت کی رضامندی اور لین دین سے ایک مقررہ وقت کے لئے ہوتا ہے اور اس میں گواہوں کی ضرورت نہیں ہے لیکن متعہ کا ثواب جو نصیب ہوتا ہے وہ بے نظیر ہے۔ چنانچہ تفسیر منہج الصادقین جلد دوم ص۴۹۳ مطبوعہ طہران (ایران) میں ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔ من تمتع مرۃ کان درجتہ کدرجۃ الحسین علیہ السلام، ومن تمتع مرتین فدرجتہ کدرجۃ الحسن علیہ السلام ومن تمتع ثلث مرات کان درجتہ کدرجۃ علی علیہ السلام ومن تمتع اربع مراتٍ فدرجتہ کدرجتی" یعنی جس شخص نے ایک بار متعہ کیا اس کو حضرت حسین کی طرح درجہ ملے گا اور جو دو مرتبہ متعہ کرے گا اس کو حضرت حسن کا، جو تین مرتبہ کرے گا اس کو حضرت علی کا۔ اور جو چار مرتبہ متعہ کرے گا اس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا سا درجہ ملے گا" یہی حدیث متعہ شیعہ مجتہد علامہ حائری لاہوری کے والد سید ابوالقاسم لاہوری کی کتاب برہان المتعہ میں

منقول ہے۔

عقیدہ متعہ اور خمینی | سربراہ ایران علامہ خمینی بھی متعہ کے قائل ہیں چنانچہ ان کے مجموعہ فتاوی کی کتاب توضیح المسائل میں لکھا ہے کہ:۔ "باپ دادا محرم ہونے کے لئے ایک یا دو گھنٹے کے واسطے اپنے نابالغ لڑکے کا متعہ کسی عورت سے کر سکتے ہیں۔ اور نیز اپنی نابالغ لڑکی کا متعہ محرم بنانے کے واسطے کسی مرد سے کر سکتے ہیں" ص۴۹۳

نظریہ ماتم اور خمینی | شیعہ فقیہ اعظم علامہ خمینی کا خطبہ محرم ۱۴۰۰ھ صدائے جمہوری اسلامی ایران نے نشر کیا تھا جس کا ترجمہ پاکستان میں ہفت روزہ شیعہ لاہور یکم تا ۷ جنوری ۱۹۸۰ء میں شائع ہوا ہے جس کی فوٹو اسٹیٹ کاپی تحریک خدام اہل سنت چکوال کی طرف سے شائع بھی ہو چکی ہے۔ اس خطبہ کے بعض اقتباسات درج ذیل ہیں:۔

(۱) ہمیں یہ سوچنا چاہیئے کہ باوجود اس کہ ہم تھوڑے تھے اور ہم ہمیشہ ظلم کی چکی میں پستے رہے۔ ہم ایک قوم کی حیثیت سے زندہ ہیں۔ اس کا راز کیا ہے۔ اس زمانے میں جبکہ شیعہ بہت ہی اقلیت میں تھے۔ اب الحمد للہ ہماری تعداد کافی بڑھ گئی ہے مگر دوسروں کے مقابلے میں ہماری تعداد زیادہ نہیں ہے۔ ہماری بقا کا سب سے اہم راز سید الشہدا کی قربانی ہے۔ سید الشہدا نے ہمارے اس مذہب کا بیمہ کیا اور اس کی حفاظت فرمائی"۔

(۲) حضرت امام محمد باقر علیہ السلام نے اپنی وفات سے پہلے چند لوگوں کو اجرت دے کر دس سال منیٰ میں گریہ کرنے کی وصیت فرمائی۔ یہی مجالس گریہ ہے کہ جس نے ہماری مملکت کی حفاظت کی ہے۔ علماء کا وظیفہ ہے کہ وہ مصائب امام حسین علیہ السلام بیان کریں۔ اور اور عوام کا وظیفہ ہے کہ وہ اپنے باعظمت ہاتھوں سے سینہ زنی (یعنی ماتم) کریں۔ یہ ہاتھ جن سے سینہ زنی ہوتی ہے بڑے باعظمت ہیں"۔

(۳) عاشورہ کے دن جو ہمارے جلوس نکلتے ہیں ان کے بارے میں یہ خیال نہ کریں کہ اس کو ہم لانگ مارچ سے تعبیر کرتے ہیں۔ یہ جلوس مارچ ہیں جو سیاسی تقاضوں کے مطابق

ہیں۔ یہ شعائر سابقہ روایات کی طرح بلکہ اس طرح سے بہتر طریقے پر منائیں۔ وہی سینہ زنی، وہی نوحے، وہی گریہ ہوں اور یہی ہماری کامیابی کا راز ہے۔ ملک کے طول و عرض میں مجالس ہونی چاہئیں۔ سب مل کر مجلس میں بیٹھیں اور سب ملکر گریہ کریں۔"

(۴) سید الشہداء کی مصیبت کے بارے میں جو ہم آہنگی ہم میں پائی جاتی ہے۔ یہ دنیا میں سب سے بڑی سیاسی طاقت ہے اور دنیا میں نہایت ہی اہم ترین نفسیاتی قوت ہے اس سے تمام مومنین کے قلوب باہم مربوط ہو جاتے ہیں۔ ہمیں نعمت کی قدر کرنا چاہیئے اور ہمارے نوجوانوں کو اس نکتہ کی طرف متوجہ رہنا چاہیئے۔"

پاکستان کے شیعہ پاکستان کے شیعہ علماء و مجتہدین خلفائے راشدین۔ صحابہ کرام اور ازواج مطہرات کے خلاف تحریری اور تقریری طور پر نہایت جارحانہ اقدامات کر رہے ہیں۔ ایک شیعہ مجتہد مولوی محمد حسین ڈھکو نے اپنی کتاب "تجلیات صداقت بجواب آفتاب ہدایت" میں خلفائے ثلثہ اور امہات المؤمنین کے خلاف جو زہر اگلا ہے اس سے بعض اقتباسات بطور نمونہ درج ذیل ہیں:-

(۱) دراصل بات یہ ہے کہ ہمارے و برادران اسلامی میں اس سلسلہ میں جو کچھ نزاع ہے وہ صرف اصحاب ثلاثہ کے بارے میں ہے۔ اہل سنت ان کو بعد از نبی تمام اصحاب و امت سے افضل جانتے ہیں اور ہم ان کو دولت ایمان و ایقان اور اخلاص سے تہی دامن جانتے ہیں۔" (ص۲۰۱)

(۲) جناب امیر (یعنی حضرت علیؓ) خلافت ثلثہ کو غاصبانہ و جابرانہ اور خلفائے ثلثہ کو گنہگار کذاب۔ غدار۔ خیانت کار۔ ظالم و غاصب اور اپنے آپ کو سب سے زیادہ خلافت نبویہ کا حقدار سمجھتے تھے۔" (ایضاً ص۲۰۶)

(۳) باقی رہا مؤلف کا یہ کہنا کہ عائشہ مومنوں کی ماں ہیں۔ ہم نے ان کی ماں ہونے کا انکار کب کیا ہے۔ مگر اس سے ان کا مومنہ ہونا تو ثابت نہیں ہوتا۔ ماں ہونا اور مومنہ ہونا اور ہے (ص۴۰۸)

(۴) "عداوت عائشہ با علی" کے عنوان کے تحت لکھا ہے کہ:- بعد ازیں اس جنگ کو عائشہ کی خطائے اجتہادی قرار دے کر اس کے وزر و وبال کو کم نہیں کیا جا سکتا۔ بلکہ ماننا پڑے گا کہ یہ جنگ عائشہ کے ذاتی بغض و عناد اور حسد و ایذا کا نتیجہ تھی اور عائشہ کی عداوت با علی کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں الخ (ص۴۱۴)

مجتہد ڈھکو اور تحریف قرآن مولوی محمد حسین ڈھکو گو بڑے زور شور سے دعوی کرتے ہیں کہ ہم اس موجودہ قرآن کو مانتے ہیں۔ پڑھتے پڑھاتے ہیں وغیرہ لیکن اندرونی عقیدے کا اظہار بھی انہوں نے کر دیا ہے۔ چنانچہ اپنی مایۂ ناز کتاب "اثبات الامامۃ" ص۳۱۲ پر بعنوان "ایک مشہور اعتراض" لکھتے ہیں:-

(۱) کہا جاتا ہے کہ اگر مسئلہ امامت اس قدر اہم تھا کہ جتنا شیعہ حضرات خیال کرتے ہیں تو خداوند عالم نے ائمہ کے اسمائے گرامی صراحتاً قرآن میں کیوں نہ ذکر کر دئے تاکہ مسلمانوں کا اس مسئلہ میں اختلاف ختم ہو جاتا اور سب مسلمان ایک مسلک میں منسلک ہو جاتے"۔ اس اعتراض کے ڈھکو صاحب نے دو جواب دیتے ہیں۔ ایک الزامی اور دوسرا تحقیقی۔ ہم یہاں ان کا صرف تحقیقی جواب نقل کرنے پر اکتفا کرتے ہیں جو حسب ذیل ہے:- حل اور تحقیقی جواب یہ ہے کہ فریقین کی بعض روایات کے مطابق ائمہ اطہار علیہم السلام کے اسمائے گرامی قرآن مجید میں موجود تھے مگر جمع قرآن کے وقت انہیں نظر انداز کر دیا گیا۔ چنانچہ ہماری تفسیر صافی ص۹ مقدمہ ششم طبع ایران بحوالہ تفسیر عیاشی حضرت امام جعفر صادق سے مروی ہے فرمایا۔ لَوْ قُرِئَ القرآن کما انزل لا لفیتمونا فیه مسمّین اگر قرآن کو اس طرح پڑھا جاتا جس طرح وہ نازل ہوا تھا تو تم اس میں ہمیں نام بنام موجود پاتے۔"

مجتہد صاحب نے یہاں فریقین کا لفظ وزن بیت کے طور پر لکھا ہے۔ ورنہ اہل السنت والجماعت کی کوئی ایسی مستند روایت نہیں ہے جس سے یہ ثابت ہو کہ بارہ اماموں کے نام قرآن مجید میں نازل ہوئے تھے لیکن بعد میں نکال دیئے گئے۔ (ب) مجتہد صاحب نے اس سے متصل قبل کی روایت یہاں ترک کر دی ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ اس قرآن میں کچھ آیات اپنی طرف سے بڑھا بھی دی ہیں:- وفی تفسیر العیاشی عن ابی جعفر علیہ السلام قال لولا انہ زید فی کتاب اللہ و

نقص ما خفی حقنا علی ذی حجی " (تفسیر الصافی طبع طہران ۱۳۹۳ھ حصہ اول مقدمہ ششم ص۲۵)

ترجمہ :- اور تفسیر عیاشی میں ہے کہ امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا کہ اگر کتاب اللہ میں زیادتی اور کمی نہ کی جاتی تو کسی اہل عقل پر ہمارا حق مخفی نہ رہتا)

(۲) مجتہد صاحب موصوف یہ بھی اقرار کرتے ہیں کہ :- ہاں یہ درست ہے کہ ہمارے بعض علمائے کرام تحریف (یعنی قرآن میں تبدیلی) کے قائل ہیں۔ لیکن یہ امر محتاج بیان نہیں کہ کسی اختلافی مسئلہ میں کسی مذہب کے بعض علماء کا نظریہ خصوصاً جبکہ وہ اکابر علمائے مذہب کے نظریہ سے متصادم ہو اسے پورے مذہب کا نظریہ قرار نہیں دیا جا سکتا۔ جو علمائے کرام اس نظریہ کے قائل ہیں وہ بھی اپنے اس نظریہ کی صحت پر دلائل رکھتے ہیں۔ اس سلسلے میں ان کی پہلی اور محکم دلیل وہ روایات ہیں جو اس مسئلہ کے متعلق کتب فریقین میں موجود ہیں الخ (احسن الفوائد فی شرح العقائد طبع ثانی ص۲۹۱)

فرمائیے جب خود مجتہد صاحب موصوف نے یہ اقرار کر لیا ہے کہ بارہ اماموں کے نام قرآن مجید میں نازل ہوئے تھے۔ تو یہ عقیدہ ان کا مذہب شیعہ کے مطابق ہے یا مخالف۔ پھر یہ ارشادات نہ صرف بعض علماء کے ہیں بلکہ امام جعفر صادق اور امام محمد باقر کے ہیں۔ (ب) اور پھر ڈھکو صاحب تحریف قرآن کے دلائل کو محکم بھی قرار دیتے ہیں۔ اس پر ہمارا سوال ہے کہ آپ ان محکم دلائل کا انکار کیونکر کر سکتے ہیں۔ اور یہاں یہ بھی ملحوظ رہے کہ جو شیعہ علماء تحریف قرآن کے منکر ہیں ان کی یہ بات از روئے تقیہ ہے۔ کیونکہ وہ ان شیعہ علماء کو کافر نہیں قرار دیتے جو قرآن مجید میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کمی و بیشی کے قائل ہیں۔ ان کی یہ پالیسی لاہوری مرزائیوں جیسی ہے کہ وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ مرزا غلام احمد صاحب نے نبوت کا دعویٰ نہیں کیا۔ لیکن اس کے باوجود وہ قادیانی مرزائیوں کو کافر نہیں قرار دیتے جو صراحتاً مرزا غلام احمد قادیانی دجال کو نبی قرار دیتے ہیں۔

مجتہد ڈھکو کے صریح جھوٹ بغض صحابہ خلفائے راشدین اور ازواج مطہرات کا یہ نتیجہ ہے کہ مولوی محمد حسین صاحب مجتہد موصوف اپنی تصانیف میں صریح جھوٹ لکھتے ہیں۔ لیکن پھر

بھی نہیں شرماتے غالباً وہ اس کو تقیہ قرار دے کر ائمہ معصومین کی ارواح کو خوش کرتے ہیں۔ بطور نمونہ ان کے تین جھوٹ حسب ذیل ہیں :-

آفتاب ہدایت میرے والد صاحب رئیس المناظرین ابو الفضل حضرت مولانا محمد کرم الدین صاحب دبیرؒ متوطن بھیں تحصیل چکوال کی مایہ ناز رفض توڑ مقبول عام کتاب ہے جس کا جواب پچاس سال کے بعد مجتہد صاحب موصوف نے بنام "تجلیات صداقت" لکھا ہے۔

(۱) آفتاب ہدایت میں فضائل صدیقی کے تحت ایک شیعہ مفسر علامہ طبرسی کی تفسیر مجمع البیان سورہ واللیل آیت وسیجنبہا الاتقی الذی کے حوالہ سے یہ روایت نقل کی ہے۔ عن ابن زبیرؓ قال ان الایة نزلت فی ابی بکر لانه اشتری المالیك الذین اسلموا مثل بلالٍ وعامر بن فهیرة وغیرهما واعتقهم۔

ترجمہ :- ابن زبیر سے روایت ہے کہ یہ آیت شان ابوبکرؓ میں نازل ہوئی ہے۔ اس نے ان غلاموں کو جو اسلام لاتے اپنے مال سے خرید لیا جیسا کہ بلالؓ اور عامرؓ بن فہیرہ وغیرہ اور ان کو آزاد کیا۔" اس کے جواب میں مجتہد صاحب لکھتے ہیں :- یہ عبارت جو مجمع البیان کی طرف منسوب کی گئی ہے یہ دروغ بے فروغ ہے۔ اس کا تفسیر مذکور میں کہیں نام و نشان بھی نہیں ملتا۔ یہ آیت وسیجنبہا الاتقی سورۃ واللیل کی آیت ہے اور اس کی تفسیر مجمع البیان جلد ۲ ص ۶۰۴/۶۰۵ طبع ایران قدیم میں مذکور ہے۔ مگر وہاں نہ یہ عبارت ہے نہ ابوبکر کا نام ہے" (تجلیات صداقت ص۱۴۵)

الجواب :- ڈھکو صاحب کی آنکھوں پر پردہ پڑ گیا ہے یا وہ تقیہ کا ثواب لوٹنا چاہتے ہیں۔ ورنہ "آفتاب ہدایت" کی منقولہ عبارت تفسیر مجمع البیان طبع بیروت جلد ششم پارہ ۳۰ ص۱۵۹ پر لفظ بلفظ موجود ہے

(۲) آفتاب ہدایت میں حضرت عمر فاروقؓ کے فضائل کے بیان میں شیعہ رئیس المحدثین علامہ باقر مجلسی کی کتاب "حیات القلوب" جلد ۲ ص۲۰۳ سے وہ روایت نقل کی گئی ہے جس میں

غزوۂ خندق کے موقعہ پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پتھر توڑنے اور پھر اس میں سے ایک روشنی نکلنے پر حضورؐ کے اس ارشاد کا ذکر ہے کہ پہلی روشنی میں مَیں نے یمن کے محلات دیکھ لئے الخ۔

(۳) آفتاب ہدایت میں حیات القلوب جلد ۲ ص ۲۴۸ کے حوالہ سے وہ روایت بھی درج کی گئی ہے جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد مذکور ہے کہ اے سُراقہ اُس روز تمہاری کیا حالت ہوگی جب بادشاہ عجم کے کنگن تمہارے ہاتھوں میں ہوں گے۔ پھر جب حضرت عمرؓ کے زمانہ میں مدائن فتح ہوا تو آپ نے سراقہ کو طلب کیا اور شاہ عجم کے کنگن اس کے ہاتھ میں پہنا دیئے۔ لیکن شیعہ مجتہد صاحب مذکورہ دونوں روایتوں کا واضح انکار کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ :- اس روایت کا بنا بر تسلیم ، کیونکہ ہمارے پاس نولکشور لکھنؤ کا مطبوعہ نسخہ موجود ہے اس میں سابقہ روایت کی طرح اس روایت کا بھی محولہ بالا صفحات بلکہ اس سے کئی صفحات قبل و بعد بھی کہیں نام و نشان نہیں ہے۔ (تجلیات صداقت ص ۱۸۱)

الجواب :- آفتاب ہدایت میں ایک پرانے ایڈیشن مطبوعہ نولکشور کا حوالہ دیا گیا ہے۔ یہ ہمارے پاس موجود ہے اور انہی صفحات پر یہ دونوں روایات موجود ہیں جن کا حوالہ دیا گیا ہے۔ بلکہ حیات القلوب جلد دوم طبع جدید طہران کے ص ۲۹ اور ص ۲۵ پر بھی بالترتیب یہ روایات بلفظہ بلفظ موجود ہیں۔ علاوہ ازیں حیات القلوب جلد دوم مترجم اردو ناشر امامیہ کتب خانہ [illegible] ص ۲۳۲ اور ص ۲۳۳ پر بھی یہ دونوں روایتیں بالترتیب موجود ہیں۔ [illegible] میرے لکھنے پر کیا ہے [illegible]

علی اور قرآن حقیقی | شیعہ [illegible] حضرت علی المرتضیٰ کو امام معصوم، خلیفہ بلافصل [illegible] سے بھی افضل قرار دینے والے جب اپنی بنیاد کی طرف [illegible] ہیں تو [illegible] تصویر پیش کرتے ہیں کہ

(۱) جب حضرت [illegible] اور اصل [illegible] نے قبول نہ کیا تو آپ نے

غصّہ میں فرمایا۔ واللہ ماترونہ بعد یومکم ھٰذا ابداً۔ انما کان علیّ ان اخبرکم حین جمعتہ لتقرءوہ۔ حضرت نے فرمایا بخدا اس کے بعد اب تم کبھی اس کو نہ دیکھو گے۔ میرا فرض ہے کہ مَیں تم کو اس سے آگاہ کر دوں تاکہ تم اُس کو پڑھو۔ (شافی ترجمہ اصول کافی جلد دوم کتاب فضل القرآن ص ۶۳) ایضاً جلاء العیون مترجم اردو جلد اوّل طبع لکھنؤ ص ۱۵۰ و جلاء العیون جلد اول مترجم طبع انصاف پریس لاہور ص ۲۰۲)

(۲) لاہور میں شیعوں کی ایک مرکزی دینی درسگاہ جامع المنتظر کے نام سے قائم ہے۔ اس کے رسالہ پندرہ روزہ المنتظرؔ پر لکھا ہے کہ :- اس میں کوئی شبہ نہیں کہ موجودہ قرآن تنزیلی ترتیب پر مرتب نہیں ہوا ہے اور یہ امر بھی متفق علیہ ہے کہ علی ابن ابی طالب نے اسے بصورت تنزیلی مرتب کیا تھا۔ لیکن برسراقتدار افراد نے اسے قبول نہ کیا اور آپ نے اس خطرہ سے بچتے ہوئے کہ مسلمانوں میں دو قرآن ہو جائیں اپنے جمع کردہ قرآن کی اشاعت نہ فرمائی الخ۔ ہمارا سوال یہ ہے کہ اگر اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا مرتب کردہ قرآن جو امت کے پاس صدیوں سے موجود ہے صحیح اور اصلی ہے تو پھر چون وچرا کی کیا گنجائش ہے اور اگر بالفرض یہ صحیح اور اصلی نہیں تو پھر مجرم کون ہے ؟ جس نے اصل قرآن کو قیامت تک کے لئے غائب کر دیا اور ساری اُمت کو اصلی قرآن سے محروم کر دیا۔ اس کو کیا خداوند عالم نے خلافت بلافصل اس لئے عطا فرمائی تھی ؟ عبرت عبرت عبرت۔

حضرت علی کے گلے میں رسّی | پس وہ اشقیائے امت گلوئے مبارک جناب امیر میں ریسمان (یعنی رسی) ڈال کر مسجد میں لے گئے۔ مغیرہ بن شعبہ نے بحکم عمر دروازہ شکم مخدومہ جناب فاطمہ پر گرایا اور ان کے فرزند محسن کو ان کے شکم میں شہید کیا۔ (جلاء العیون مترجم جلد اوّل ص ۱۵۲ طبع لکھنؤ۔ ایضاً طبع انصاف پریس۔ لاہور) (ب) احتجاج طبرسی جلد اوّل طبع ایران ص ۱۰۹ پر ہے۔ وانقو فی عنقہ حبلاً اسود (اور انہوں نے حضرت علیؓ کی گردن میں ایک کالی رسی ڈالی) ایضاً حق الیقین فارسی ص ۲۰۳ ; (ج) خود شیعہ مجتہد ڈھکو لکھ کر ان روایات

کو تسلیم کیا ہے۔ ملاحظہ ہو۔ تجلیات صداقت "ص۱۴۴ و ص۲۴۶)

علیؓ فاطمہؓ کی نظر میں

شیعوں کے نزدیک بارہ اماموں کے علاوہ حضرت فاطمہ بھی معصوم ہیں اور حضرت خدیجہؓ بھی۔ اسی لئے چہاردہ معصومین کی اصطلاح استعمال کرتے ہیں۔ شیعہ مذہب میں حضرت علیؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد تمام مخلوق سے افضل ہیں اور حضرت فاطمہ تمام زنانِ عالم پر فضیلت رکھتی ہیں لیکن ان دونوں معصوموں کا دوسرا رُخ بھی دیکھ لیجئے :۔ شیعہ رئیس المحدثین علامہ باقر مجلسی لکھتے ہیں :۔

پس حضرت فاطمہ بجانب خانہ برگردید و حضرت امیر انتظار محاورت او می کشید چوں بمنزل شریف قرار گرفت از روئے مصلحت خطابیات شجاعانہ درشت با سید اوصیا نمود کہ مانند جنین در رحم پردہ نشین شدہ و مثل خائناں در خانہ گریختہ بعد ازاں کہ شجاعان دہر را بخاک ہلاک افگندی مغلوب ایں نامرداں گردیدہ (حق الیقین ص۲۰۳ طبع ایران)۔

ترجمہ :۔ پس جب حضرت فاطمہ اپنے گھر تشریف لائیں تو حضرت امیر آپ کا انتظار فرما رہے تھے۔ حضرت فاطمہ گھر میں تشریف فرما ہوئیں تو انہوں نے از روئے مصلحت بہادرانہ طور پر سید اوصیاء حضرت علیؓ سے بہت سخت باتیں کیں اور فرمایا کہ تو اس بچے کی طرح پردہ نشین ہو گیا ہے جو ماں کے رحم (پیٹ) میں چھپا ہوا ہوتا ہے۔ اور خائنوں کی طرح بھاگ کر گھر میں بیٹھ گیا ہے۔ اور بعد اس کے کہ تو نے زمانہ کے بہادروں کو موت و ہلاکت کی خاک میں ملایا ہے۔ ان نامردوں کے مقابلہ میں مغلوب ہو گیا ہے "۔

اس سے ثابت ہوا کہ حسب اعتقاد شیعہ حضرت فاطمۃ الزہراء حضرت علی المرتضیٰ کی شجاعت عصمت اور افضلیت کی قائل نہ تھیں۔ ورنہ وہ ایسے الفاظ نہ استعمال کرتیں۔ اور تعجب ہے کہ حضرت فاطمہ خود بھی معصومہ ہیں احکام شریعت سے واقف ہیں لیکن بطور شوہر کے بھی حضرت علیؓ کا احترام نہیں کرتیں ؟

رسول اللہ حضرت مہدی کی بیعت کریں گے

اسی کتاب حق الیقین ص۳۴۷ پر امام باقر کا یہ ارشاد منقول ہے کہ :۔ چوں قائم آل محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بیروں آید خدا او را یاری کند بملائکہ و اوّل کسیکہ با او بیعت کند محمد باشد و بعد ازاں علیؓ الخ

ترجمہ :۔ جب قائم آل محمد یعنی حضرت مہدی ظاہر ہوں گے۔ خدا ملائکہ کے ذریعے ان کی مدد کرے گا۔ اور سب سے پہلا شخص جو ان سے بیعت کرے گا وہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہوں گے اور پھر حضرت علی ان کی بیعت کریں گے "۔ انشاء اللہ اس روایت نے تو ہر کمی پوری کر دی۔ حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت علی سید اوصیاء کے بھی امام غائب (مہدی) پیر بن گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

خادم اہلسنت نے شیعہ کی مستند کتابوں سے اور تحریرات سے تقیہ، متعہ، ماتم، حضرت علی المرتضیٰ کی کمزوری اور بزدلی وغیرہ کے متعلق روایات پیش کی ہیں۔ ان کے پیش نظر تو شیعہ علماء و مجتہدین کو اپنے عقیدہ پر نظر ثانی کرنی چاہیئے۔ کیا اس قسم کے عقائد و واقعات کو تسلیم کرنے کے بعد بھی کوئی شیعہ خلفائے ثلثہ، صحابہ کرام اور ازواج مطہرات رضوان اللہ علیہم اجمعین کے خلاف زبان کھولنے کی جسارت کر سکتا ہے۔ شعر

تجھے غیروں کی کیا پڑی ہے پہلے اپنی نبیڑ تو

کیا کوئی عقل و ہوش رکھنے والا انسان مذکورہ عقائد و حکایات شیعہ کی دعوت دے سکتا ہے یا کوئی بحیثیت دین اسلام ان باتوں کو قبول کر سکتا ہے ؟ لیکن شیعہ علماء و مجتہدین نے جہاں تمام امت مسلمہ کے خلاف عقیدہ امامت کا اختراع کیا جو در اصل عقیدۂ ختم نبوت کے منافی ہے۔ وہاں بعض شیعہ علماء نے تو تصریح کر دی ہے کہ بارہ امام رسول تھے۔

بارہ امام رسول تھے

ایک شیعہ مصنف سید بادشاہ حسین جعفری نے اپنی کتاب "سورہ شیعہ" میں لکھا ہے کہ :۔ اب رسول خدا حضرت محمد پر واجب ہو گیا تھا کہ وہ علی کی رسالت و امامت اور ولایت کا اعلان کرتے۔ چنانچہ انہوں نے کیا اور کئی مواقع پر کیا۔ خصوصاً غدیر خم پر تو ایسا

اعلان کیا کہ جسے بھلانے والے بھلا نہ سکتے تھے۔" (ص۱ ز ۲) بہرکیف حضرت علی رسول بھی ہیں امام بھی ہیں اور حضرت محمدؐ کے وزیر بھی ہیں اور صرف یہی نہیں بلکہ بارہ کے بارہ رسول تھے۔" ایضاً "سولہ مسئلے" ص۱۱ ناشر ادارہ علوم الاسلام اصغری منزل ساندہ کلاں لاہور) عام شیعہ علما و مجتہدین اگرچہ حضرت علیؓ پر نبی اور رسول کا اطلاق نہیں کرتے لیکن کلمہ اسلام و ایمان اور اذان میں حضرت علیؓ کے نام کے اعلان سے معلوم ہوتا ہے کہ دال میں کچھ کالا کالا ضرور ہے۔ ورنہ کسی امت کے کلمہ میں کسی غیر نبی و رسول کا اقرار شامل نہیں کیا گیا۔

شیعہ کلمہ و اذان

بھٹو دور حکومت میں شیعہ علماء (مولوی محمد بشیر صاحب آف ٹیکسلا اور مولوی مرتضیٰ حسین صاحب لکھنوی) نے اسلامیات لازمی جماعت نہم دہم کے لئے "رہنمائے اساتذہ" میں جو کلمہ لکھا تھا وہ حسب ذیل ہے۔

لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ علی ولی اللہ وصی رسول اللہ وخلیفتہ بلا فصل

اس کلمہ کی تعریف ان الفاظ میں لکھی گئی ہے کہ "کلمہ اسلام کے اقرار اور ایمان کے حصہ کا نام ہے۔ کلمہ پڑھنے سے کافر مسلمان ہو جاتا ہے۔ کلمہ میں توحید و رسالت ماننے کا اقرار اور امامت کے عقیدے کا اظہار ہے۔" (ص۳۵) مندرجہ کلمہ اسلام چونکہ ساری امت کے خلاف تھا اور اس تشریح کی بنا پر سوائے قلیل شیعہ کے ساری امت غیر مومن اور غیر مسلم قرار پاتی تھی۔ اس لئے ملک میں اشتعال پیدا ہوا۔ تحریک خدام اہلسنت پاکستان کی طرف سے بہ اہتمام خادم کا ٹریکٹ بنام "پاکستان میں کلمہ اسلام کی تبدیلی کی ایک خطرناک سازش" ملک کے گوشہ گوشہ میں اشاعت پذیر ہوا۔ ہائی کورٹ میں اس کے خلاف رٹ دائر کی گئی جس میں شیعہ فریق ثانی نے کلمہ طیبہ کو ان الفاظ کے ساتھ تسلیم کر لیا۔ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ سے کافر مسلمان ہوتا ہے جس کا مختصر یہ ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو معبود نہیں مانتے اور حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ کے آخری رسول ہیں۔ ان کے بعد کوئی نبی و رسول نہیں آئے گا۔ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کے بعد علیؓ ولی اللہ وصی رسول اللہ وخلیفتہ بلا فصل

سے شیعہ توحید و رسالت کے علاوہ امامت کا اقرار اور شیعیت کا اظہار کرتے ہیں۔ (رہنمائے اساتذہ جدید ایڈیشن ص۳۶) لیکن اس کے باوجود شیعہ علماء کا موقف یہ ہے کہ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ پڑھنے والوں کو وہ مسلمان تو کہہ دیتے ہیں لیکن مومن تسلیم نہیں کرتے۔ مومن ہونے کے لئے وہ کلمہ میں علی ولی اللہ وصی رسول اللہ وخلیفتہ بلا فصل کا اقرار ضروری قرار دیتے ہیں۔ مرنے کے بعد صرف لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ پڑھنے والے کے لئے ان کے نزدیک نجات نہیں ہوگی۔

لیکن جب ہم شیعہ علماء سے مطالبہ کرتے ہیں کہ اگر قرآن سے وہ ان اضافی کلمات کو ثابت نہیں کر سکتے۔ تو پھر اپنی کسی مستند حدیث سے ثبوت پیش کریں۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ۲۳ سالہ رسالت کی تبلیغ کے دور میں کسی کافر سے اسلام قبول کرتے وقت ان الفاظ کا اقرار کرایا ہو تو وہ اس کا ثبوت نہیں پیش کر سکتے۔ بلکہ ان کی کتب احادیث و تفاسیر میں صرف کلمہ اسلام لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کا ہی ثبوت ملتا جو اس بات کی واضح دلیل ہے کہ توحید و رسالت پر مشتمل یہی کلمہ اسلام کا ہے اور یہی کلمہ ایمان کا ہے۔ اس کلمہ کو جو شخص دل سے قبول کرے وہ مسلم بھی ہوتا ہے اور مومن بھی۔ چونکہ شیعہ مذہب کی مستند کتاب حیات القلوب مؤلفہ رئیس المحدثین علامہ باقر مجلسی جلد دوم ص۳ پر حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:۔

"پس وحی نمود کہ اے محمد برو سوئے مردم و امر کن ایشاں را کہ بگویند لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ۔" ترجمہ:۔ پھر وحی کی کہ اے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لوگوں کے پاس جاؤ اور کہو لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کا اقرار کریں۔"

(حیات القلوب مترجم جلد دوم ص۴۳ ناشر امامیہ کتب خانہ۔ لاہور)

یہ تو اس کلمہ کی ابتدا تھی۔ اس کلمہ کی انتہا کا حال بھی بارشادات ائمہ حسب ذیل ہے:۔ قرآن مجید پارہ ۳۔ سورۃ آل عمران آیت وَلَهٗٓ اَسْلَمَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ

وَالْاَرْضِ کی تفسیر میں مشہور شیعہ مفسر مولوی مقبول احمد دہلوی حواشی قرآن میں لکھتے ہیں :- "تفسیر عیاشی میں جناب امام محمد باقر علیہ السلام سے منقول ہے کہ یہ آیت قائم آل محمد (یعنی امام مہدی) کے بارے میں نازل ہوئی ہے اور ایک روایت میں یہ ہے کہ آنحضرت نے اس آیت کو تلاوت فرماکے یہ ارشاد فرمایا کہ جب قائم آل محمد کا ظہور ہوگا تو زمین کا کوئی حصہ ایسا باقی نہ رہے گا جس میں شہادت لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کی منادی نہ پکار دی جائے" (ترجمہ مقبول مطبوعہ مطبع یوسفی دہلی۔ بار سوم نومبر ۱۹۲۹ء) اس قرآن مترجم معہ حواشی کی تصدیق میں ۹ عدد مجتہدین شیعہ کی تقریظیں درج ہیں جن میں علامہ علی حائری لاہوری بھی ہیں۔

ہمارا سوال | جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی یہی کلمہ اسلام پڑھایا اور آخر میں بارہویں امام حضرت مہدی بھی یہی کلمہ اسلام زمین کے گوشے گوشے میں پہنچائیں گے تو پھر ان درمیانی صدیوں میں خلیفۃ بلا فصل والا کلمہ کہاں سے نازل ہوگیا۔ عبرت، عبرت، عبرت۔ کلمہ اسلام کی کچھ تفصیل میرے پمفلٹ "پاکستان میں کلمہ اسلام کی تبدیلی کی ایک خطرناک سازش" اور میری کتاب "سُنّی مذہب حق ہے" میں موجود ہے یہاں تفصیل کی گنجائش نہیں۔

ایک شیعہ مصنّف | شیعہ مصنّفین میں سے ایک شیعہ مصنّف مولوی عبدالکریم صاحب مشتاق (کراچی) بھی ہیں جو باضابطہ عالم تو نہیں ہیں۔ لیکن آئے دن کوئی نہ کوئی رسالہ شائع کرتے رہتے ہیں۔ ان کی جہالت یا ہٹ دھرمی کا یہ حال ہے کہ میری کتاب "سُنی مذہب حق ہے" کے جواب میں کلمہ اسلام و ایمان کی بحث کے یوں زہرافشانی فرما۔۔۔ "لیکن آپ کے کلمہ اسلام میں یہ بات نہیں ہے۔ اس کے پڑھنے پر تو اللہ بھی اعتبار نہیں کرتا۔ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کہو کہتے رہو۔ مگر ایمان پر شبہہ کا امکان رہے گا۔" (شیعہ مذہب حق ہے بجواب سنی مذہب حق ہے ص ۳۲)

فرمائیے اس قسم کے خود رو مصنفین کے استدلالات کا کون جواب دے جبکہ ان کا حضور خاتم النبیین رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کے تلقین فرمودہ کلمۂ اسلام پر بھی ایمان نہیں ہے اور نہ ہی اپنی مستند روایت کے تحت حضرت مہدی موعود کے کلمۂ اسلام پر اعتماد ہے حالانکہ ۹ مجتہدین شیعہ نے اس ترجمہ اور اس کے حواشی کی تائید کی ہے۔ تو پھر مولوی عبدالکریم مشتاق کا خدا بھی کوئی اور ہوگا جو حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حسبِ اعتقاد شیعہ بارہویں اور آخری امام معصوم حضرت مہدی کے کلمہ پر اعتبار نہیں کرتا۔ اس کتاب میں مشتاق صاحب کے عجیب و غریب لطائف و کثائف پائے جاتے ہیں جن کا منبع یا اُن کی جہالت ہے یا ضد و ہٹ دھرمی۔

شیعہ اذان | اسی طرح شیعانِ پاکستان اذان میں جن کلمات کا اضافہ کرتے ہیں یعنی علی ولی اللہ وصی رسول اللہ وخلیفتہ بلافصل قرآن کی کتب احادیث و تفسیر میں بھی اس کا کوئی ثبوت نہیں ملتا۔ اور شیعہ مذہب کی کتب اربعہ یعنی کافی (اصول و فروع) تہذیب الاحکام، الاستبصار اور من لایحضرہ الفقیہ میں سے من لایحضرہ الفقیہ مؤلفہ ابن بابویہ قمی المعروف بہ شیخ صدوق نے امام جعفر صادق سے مروی جو اذان لکھی ہے وہ سوائے حیّ علیٰ خیر العمل کے وہی ہے جو عام عالم اسلام حتیٰ کہ حرمین شریفین میں حضور خاتم النبیین حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے چلی آرہی ہے۔ امام جعفر صادق کی روایت میں فجر کی اذان میں الصلوٰۃ خیر من النوم کے الفاظ بھی مذکور ہیں۔ اور شیخ صدوق نے اس کے تحت تصریح کی ہے کہ اذان میں اشہد ان علیاً ولی اللہ کے الفاظ شیعوں کے مفوضہ فرقے نے داخل کئے ہیں جن پر ائمہ اہل بیت نے بھی لعنت کی ہے۔ اور شیخ صدوق نے بھی ان پر لعنہم اللہ کے الفاظ سے بددعا کی ہے[1]۔ تو جب شیعہ مذہب کی مروجہ اذان خود ان کی مستند کتب سے ثابت نہیں اور ان کا مروجہ کلمۂ اسلام و ایمان بھی جو اصل اصولِ دین ہے خود ساختہ اور بے بنیاد ہے تو شیعہ مذہب کی حقانیت کی بنیاد

[1] ملاحظہ ہو من لایحضرہ الفقیہ ص۸۲ جلد ۱ باب الاذان والاقامۃ تحقیق کلاں مطبوعہ طہران ایران ۱۳۷۶ھ۔ علوی غفرلہ

کیا باقی رہ جاتی ہے۔ فاعتبروا یا اولی الابصار۔

پاکستان میں خارجیت

اہل سنت والجماعت کی عمومی غفلت کی وجہ سے جہاں شیعیت اور مودودیت کو فروغ حاصل ہو رہا ہے وہاں ناصبیت اور خارجیت کے فروغ کی راہیں بھی ہموار ہو رہی ہیں اور ستم ظریفی یہ ہے کہ خارجیت اپنے نئے روپ میں اہل سنت والجماعت کے نام سے ترقی پذیر ہو رہی ہے۔ اس فتنہ کی ابتدا تو بظاہر محمود احمد عباسی کی کتاب "خلافت معاویہؓ و یزید" سے ہوئی ہے۔ لیکن اب یہ سنی مدارس دینیہ کے ذریعہ برگ و بر لا رہی ہے۔ یہاں مختصراً دو کتابوں پر تبصرہ مقصود ہے، جو حال ہی میں شائع ہوئی ہیں۔

کتاب حیات سیدنا یزید

اس کتاب کے مصنف مولوی محمد عظیم الدین صدیقی فاضل جامعۃ العلوم الاسلامیہ بنوری ٹاؤن کراچی ہیں۔ مصنف موصوف نے اپنی کتاب میں عباسی صاحب مؤلف "خلافت معاویہ و یزید" کو ان القاب سے مزین کیا ہے "شیخ الاسلام امام اہل سنت علامہ محمود احمد عباسی رحمۃ اللہ علیہ"

حالانکہ محمود احمد عباسی کو امام اہل سنت قرار دینا اہل سنت والجماعت کی توہین ہے کیونکہ اہل سنت والجماعت کا حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے چوتھے خلیفہ راشد ہونے پر اجماع ہے۔ لیکن عباسی صاحب حضرت علیؓ کو خلیفہ راشد نہیں [illegible] کرتے جیسا کہ ان کی کتابوں "خلافت معاویہ و یزید" اور "تحقیق مزید" سے ظاہر ہے۔ بلکہ وہ [illegible] رحماء بینھم کا مصداق تسلیم کرنے کے حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ کی باہمی مخالفت کے [illegible] ہیں:- حضرت علیؓ کی حضرت عثمانؓ سے مخالفت اس قدر نمایاں تھی کہ ان کے [illegible] اقارب ان کا مدینہ میں رہنا اس نازک وقت میں مناسب نہ سمجھتے تھے۔ مگر اس سے یہ نتیجہ اخذ [illegible] کہ وہ قتل کی سازش میں شریک تھے کوئی ثبوت نہیں ہے" (تحقیق مزید ص۸۴) اور ماشاء اللہ محمود احمد عباسی صاحب اتنے بڑے فاضل محقق ہیں کہ انہوں نے حضرت ابوسفیانؓ کو بھی مہاجرین صحابہ میں شامل کر دیا ہے۔ چنانچہ لکھتے ہیں:- حضرت ابوسفیانؓ فتح مکہ سے پہلے اسلام لائے۔

مہاجرین کے زمرہ میں شامل ہوتے۔ الخ (تحقیق مزید ص۱۴۳) عباسی صاحب ایسے امام اہل سنت ہیں کہ وہ مہاجرین کی تعریف بھی نہیں جانتے گویا کہ وہ مہاجر کا لغوی معنی نہیں جانتے۔ کیا حضرت ابوسفیانؓ اسلام لانے کے بعد اپنے وطن مکہ کو چھوڑ کر مدینہ منورہ میں قیام پذیر ہو گئے تھے؟ اس کا جواب مولوی عظیم الدین صاحب ہی دے سکیں گے۔

ولی عہدی

یزید کی ولی عہدی کی بحث میں بعنوان "باپ کے بعد بیٹا" مولوی عظیم الدین لکھتے ہیں:- بعض لوگ سیدنا یزید کی ولی عہدی کو بنیاد بنا کر سیدنا معاویہؓ پر اعتراض کرتے ہیں کہ انہوں نے اپنے بیٹے کو ولی عہد بنا کر ایک ناجائز فعل کا ارتکاب ہی نہیں کیا بلکہ اسلامی خلافت کو موروثی بادشاہت میں بدل ڈالا۔" پھر اس اعتراض کا جواب دیتے ہوئے ایک عجیب و غریب قرآنی استدلال پیش کرتے ہیں:- بلکہ قرآن مجید سے تو باپ کے بعد بیٹے کی جانشینی کا جواز معلوم ہوتا ہے چنانچہ حضرت داؤد کے بعد اُن کے بیٹے حضرت سلیمان علیہ السلام کی حکومت کو کسی قسم کی تنقید کے بغیر سراہا گیا ہے۔ اگر باپ کے بعد بیٹے کا جانشین ہونا ناجائز اور اللہ کے نزدیک ناپسندیدہ ہوتا تو پھر کیسے ممکن تھا کہ حضرت سلیمان اپنے والد ماجد کے جانشین ہوں۔ اس لئے ماننا ہوگا کہ والد کے بعد جانشین کے نتیجہ میں حاصل ہونے والی حکمرانی و خلافت کو قرآن مجید میں بلا نکیر نقل فرما کر اللہ تعالیٰ نے سند جواز ہی عنایت نہیں فرمائی، بلکہ سورۃ النور میں "کما استخلف الذین من قبلھم" ارشاد فرماتے ہوئے اسی طریق انتخاب کو مسلمانوں کے لئے پسند بھی فرمایا۔" (ص۲۰۳)

الجواب:- مصنف "حیات یزید" کا یہ قرآنی استدلال دجل و فریب ہے۔ جہالت و غباوت اور قرآن کی تحریف معنوی کا شاہکار ہے

۱۔ موروثی خلافت و امامت تو شیعہ نظریہ ہے جس کی تائید یہاں پیش کی جا رہی ہے۔ کیا عظیم مصنف یہ بھی نہیں جانتے کہ انبیائے کرام کا سلسلہ نبوت بذریعہ وحی اللہ تعالیٰ کی طرف سے جاری تھا۔ جس کا طریق بھی ختم نبوت کے بعد ختم ہو گیا۔

۲۔ حضرت داؤد کا جانشین تو بحیثیت نبی اللہ تعالیٰ نے نامزد فرمایا تھا۔ کیا یزید کو بھی خداوند عالم نے نامزد کیا ہے۔ یہ نامزدگی تو حضرت امیر معاویہؓ کی طرف سے ہے۔

۳۔ قرآن سے غیر نبی کے انتخاب برائے خلافت و حکومت کی صورت ثابت ہے۔ باوجود حضرت شموئیل پیغمبر علیہ السلام کے ہوتے ہوئے حق تعالیٰ نے حضرت طالوت کو منتخب فرمایا تھا۔ کیا حضرت طالوت حضرت شموئیل یا کسی پیغمبر کے بیٹے تھے۔ کیا یہ غیر نبی کا انتخاب آپ کے لئے پسندیدہ نہیں ہے؟

۴۔ آیت استخلاف (سورۃ النور رکوع ۷) میں اگر کما استخلف الذین من قبلھم سے مراد بالفرض یہی لی جائے کہ باپ کے بعد بیٹے کو جانشین بنایا جائیگا تو کیا یہ حکم صرف آپ کے امیر یزید کے لئے ہے یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پہلے خلفائے راشدین حضرت ابوبکر صدیقؓ۔ حضرت عمر فاروقؓ۔ حضرت عثمان ذوالنورینؓ اور حضرت علی المرتضیٰؓ کے لئے بھی ہے؟ اگر ان کے لئے بھی ہے تو ان خلفاء میں سے تو کوئی بھی اپنے باپ کا جانشین نہیں ہوا۔ تو آپ کے طریق استدلال سے تو یہ لازم آئیگا کہ خلفائے ثلثہ کا انتخاب بھی قرآن کے پسندیدہ انتخاب کے خلاف تھا العیاذ باللہ تو کیا آپ اپنے امیر یزید کو قرآن کا پسندیدہ خلیفہ راشد منوا کر یہی نتائج امت کے سامنے پیش کرنا چاہتے ہیں بغض علیؓ و حسینؓ نے کیا آپ کی عقل مسخ نہیں کر دی ہے عبرت عبرت عبرت۔

(۲) آپ لکھتے ہیں کہ "بہرحال سیدنا علیؓ کی نامزدگی اور روایت کے مطابق، ان کے انتقال کے بعد اہل کوفہ نے سیدنا حسنؓ کے ہاتھ پر بیعت کرلی۔" (ص۱۱۵) لیکن آپ کے امام اہل سنت علامہ محمود احمد عباسی تو اس کے خلاف لکھتے ہیں۔ "حضرت علیؓ زخم کاری لگنے کے بعد ایک دن ایک رات زندہ رہے۔ اپنے صاحبزادے کو امامت نماز کا حکم دیا۔ لوگوں نے پوچھا ہم ان سے بیعت کرلیں؟ فرمایا "نہ میں حکم دیتا ہوں نہ منع کرتا ہوں" (تحقیق مزید ص۱۱۹) فرمائیے۔ "نہ میں حکم دیتا ہوں" سے کیا کوئی اہل عقل و انصاف نامزدگی مراد لے سکتا ہے۔ علاوہ ازیں موروثی خلافت کے نظریہ کے تو خود آپ کے شیخ الاسلام عباسی بھی خلاف ہیں اسی لئے حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ پر تنقید کرتے ہوئے لکھتے ہیں: "حضرت حسینؓ نے موروثی و خاندانی حق خلافت کے نظریہ کو ترک نہ کیا۔ الخ (تحقیق مزید ص۱۱۹)

کردار یزید پلید | فضائل یزید بیان کرتے ہوئے مورخ عباسی بعنوان "منصف مزاجی" تحریر فرماتے ہیں: منصف مزاجی کی یہ کیفیت تھی کہ ذاتی معاملات میں بھی امیر یزید دامن انصاف کو ہاتھ سے نہ جانے دیتے ابن کثیر نے سلامہ نام ایک کنیز کا واقعہ بیان کیا ہے جو مدینہ منورہ کی رہنے والی حسن و جمال میں یکتا اور ہمہ صفت

موصوف تھی۔ قرآن شریف اچھی طرح قرات سے سناتی۔ شاعرہ اور مغنیہ دینی گانے والی تھی حضرت حسان بن ثابت کے فرزند ارجمند نے جو خود بھی شاعر تھے اور جن کا ذکر ایک قصہ میں اوپر گزر چکا۔ اس کی امیر یزید سے بہت کچھ ثنا و صفت کرکے اس کی خریداری پر راغب کیا۔ ودلہ علی سلامۃ وجمالھا وحسنھا وفصاحتھا وقال لا تصلح الا لك یا امیر المومنین وان تکون من سمارك۔ (البدایۃ والنہایۃ جلد ۸ ص۲۳۴) ترجمہ:۔ اور انہیں (امیر یزید کو) سلامہ اور اس کے حسن و جمال و فصاحت کی طرف رغبت دلائی اور کہا اے امیر المومنین یہ کنیز سوائے آپ کے اور کسی کے لائق نہیں خواہ آپ اسے قصہ خوانی ہی کے لئے رکھ لیں۔ کنیز کے آقا سے خریداری کا معاملہ طے کرلیا گیا۔ کنیز مذکورہ مدینہ سے دمشق آکر داخل حرم کی گئی اور دوسری کنیزوں پر اسے فوقیت حاصل ہوگئی۔ لیکن جب یہ راز افشا ہوا کہ یہ کنیز اور مدینہ منورہ کا ایک اور شاعر احوص بن محمد ایک دوسرے کے دام محبت میں گرفتار ہیں۔ امیر یزید نے احوص کو جو دمشق میں موجود تھا۔ نیز سلامہ کو مواجہ میں طلب کرکے تصدیق کی اور دونوں نے فی البدیہہ اشعار میں اقرار کیا۔ سلامہ نے کہا کہ شدید محبت مثل روح کے میرے رگ و پے میں سرایت کئے ہوئے ہے تو کیا اب روح اور جسم میں مفارقت ہو سکے گی؟ امیر یزید نے یہ حال دیکھ کر سلامہ کو احوص کے حوالہ کرتے ہوئے فرمایا۔ اے احوص اب یہ سلامہ تمہاری ہے۔ تم اسے لے لو۔ پھر اسے اچھا انعام عطا کیا۔ (البدایۃ والنہایۃ) انصاف پسند طبیعت کا یہی تقاضا تھا کہ داخل حرم کرنے کے بعد بھی ان کے جذبات محبت کا احترام کیا۔ (خلافت معاویہ و یزید ص۳۷۰ طبع چہارم)

تبصرہ | مولوی عظیم الدین صاحب کے خود ساختہ شیخ الاسلام محمود احمد عباسی صاحب نے سلامہ کے اس واقعہ کی بعض باتیں بیان ترک کر دی ہیں جن کی وجہ سے یزید کا کردار زیادہ گھناؤنا ثابت ہوتا ہے۔ چنانچہ البدایہ والنہایہ میں ہے۔

(۱) وکان عبد الرحمن بن حسان والاحوص یجلسان علیھا الخ (عبدالرحمن اور احوص دونوں سلامہ (گلوکارہ) کے پاس بیٹھتے تھے لیکن سلامہ کا اصل تعلق احوص سے ہوگیا تھا۔ اس لئے عبدالرحمان نے رقیبانہ حسد کی بنا پر یزید کو سلامہ کی خریداری کی ترغیب دی تھی۔

(۲) احوص کو جب اس بات کا علم ہوا تو اس کو نہایت زیادہ غم لاحق ہوا۔ اور وہ از خود

یزید کے پاس گیا۔ اس کی مدح سرائی کی تو یزید نے بھی اس کا اکرام کیا۔

(۳) سلامہ نے ایک خادم کو مال دے کر احوص کو اس کے پاس لانے کے لئے بھیجا۔ یزید کو خادم نے اس کی اطلاع کر دی تو یزید نے خادم سے کہا کہ تو احوص کو سلامہ کا پیغام پہنچا دے۔ چنانچہ احوص سلامہ کے بلانے پر بذریعہ خادم اس کے پاس آگیا۔

(۴) صبح سحری تک سلامہ اور احوص میں عشقبازی کی باتیں ہوتی رہیں اور خلیفہ یزید صاحب ساری رات چھپ کر ان کو دیکھتے رہے۔ البدایہ کے الفاظ یہ ہیں :- وجلس یزید فی مکان یراھما ولا یریانہ (اور یزید ایسی جگہ بیٹھا کہ وہ ان دونوں کو دیکھتا تھا لیکن وہ اس کو نہیں دیکھتے تھے)

(۵) صبح جب احوص سلامہ کے ہاں سے نکلا تو یزید نے اس کو پکڑ لیا۔ اور سلامہ کو بھی بلا لیا۔ اور رات کا سارا ماجرا دریافت کیا۔ انہوں نے اپنی قلبی شدید محبت کا اقرار کر لیا۔ پھر اس نے ان کو انعام و اکرام سے رخصت کیا (البدایہ والنہایہ جلد ۸ ص ۲۳۵ طبع بیروت)

اس واقعہ سے حسب ذیل امور ثابت ہوتے ہیں :-

(۱) یزید اپنے حرم میں مغنیات (گانے والی عورتیں) رکھتا تھا۔ اور سلامہ گلوکارہ ان سب پر فوقیت لے گئی تھی (۲) قبل ازیں سلامہ اور احوص کا باہمی معاشقہ قائم تھا (۳) خادم کی اطلاع کے باوجود یزید نے بغیر ہمہ کٹے احوص کو سلامہ کے پاس لیجانے کی خادم کو اجازت دیدی (۴) خلیفہ یزید ساری رات چھپ کر ان دونوں کی عشقبازی کا مشاہدہ کرتا رہا اور پھر ان دونوں کو انعام و اکرام سے نوازتے ہوئے رخصت کر دیا۔ لیکن یزید نے انصاف پسندی کی بنا پر ایسا نہیں کیا بلکہ اس کو اپنے ساری رات کے مشاہدے اور ان کے اقرار پر یقین ہوگیا تھا کہ سلامہ اب میری نہیں ہو سکتی تو اس نے مجبوراً اس کو احوص کے حوالے کر دیا۔

مولوی عظیم الدین صاحب ہی بتائیں کہ جو خلیفہ دو غیر محرم مرد و عورت کو خلوت خانہ میں داخل کرا کے ساری رات ان کی عشقبازی کے مشاہدہ میں گزار دیتا ہے۔ اگر اکابر اسلام (متاخرین میں سے حضرت مجدد الف ثانی سے لے کر اکابر دیوبند شیخ الاسلام حضرت مدنی رحمہم اللہ علیہم اجمعین تک یزید کو فاسق قرار دیتے ہیں تو ان کا اس میں کیا قصور ہے، کیا خلیفہ راشد کا یہی گھناؤنا رفاسقانہ کردار ہوا کرتا ہے، اور کیا پاکستان میں یہ خارجی اور ناجی گروہ پاکستان کے سربراہوں سے اپنے خود ساختہ خلیفہ راشد یزید کے

اس قسم کے کردار کی پیروی کرانا چاہتا ہے۔ ع

بسوخت عقل زحیرت کہ ایں چہ بوالعجبی است

کتاب خلافت راشدہ ایک اور محقق و مدقق علامہ عباسی کے پیروکار حکیم فیض عالم صدیقی (مقیم جہلم) کی ایک تازہ کتاب "خلافت راشدہ" (قرآن و حدیث کی روشنی میں تحقیقی جائزہ) شائع ہوئی ہے حکیم صاحب موصوف کوئی سند یافتہ عالم نہیں، صرف ادیب کامل اور فاضل فارسی کی ڈگریاں حاصل کی ہوئی ہیں لیکن انہیں تصنیفات کا بہت شوق ہے اور رطب و یابس کچھ لکھتے ہی رہتے ہیں۔ مسلکاً اپنے کو اہل حدیث ظاہر کرتے ہیں مگر عملاً وہ علامہ محمود احمد عباسی کے پیروکار ہیں اور خود ایک اجتہادی شان بھی رکھتے ہیں ان کی ایک کتاب "اختلاف امت کا المیہ" دو حصوں میں شائع ہو چکی ہے جس میں امام اعظم امام ابو حنیفہ پر اپنے غیظ و غضب کا اظہار یوں کیا ہے کہ :-

۱۔ ابو حنیفہ نعمان بن ثابت کوفی۔ آپ کی پیدائش ۸۰ھ میں ہوئی کسی صحابی سے آپ کی ملاقات ثابت نہیں۔ مجوسی النسل تھے اور آپ کے دادا مسلمان ہوئے تھے۔ چہ عجب کہ باقی مجوسی النسل نومسلموں کی طرح نسلی عصبیت ورثہ میں ملی ہو۔ (اختلاف امت کا المیہ حصہ دوم ص ۵۰)

۲۔ جس طرح شیعوں نے اپنے ائمہ کے متعلق ہزاروں من گھڑت اور وضعی روایات کا ذخیرہ تیار کر کے انہیں ہزاروں مافوق الفطرت واقعات کا حامل قرار دے کر انہیں الوہیت کے قریب پہنچانے میں ذرہ بھر شرم یا جھجک محسوس نہیں کی اسی طرح ائمہ اربعہ کے جامد مقلدین نے لوحہ مکر امام ابو حنیفہ کے مقلدین نے ان کے متعلق وہ گلفشانیاں فرمائی ہیں کہ ع ناطقہ سر بگریباں ہے اسے کیا کہیے

امام ابو حنیفہ کے مناقب میں بیان کیا گیا ہے کہ پیدائش کے بعد آپ کے والد حضرت علیؓ کی خدمت میں لے گئے اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے آپ کے حق میں دعا فرمائی۔ اس سے بڑھ کر اور بڑا جھوٹ اور کیا ہو سکتا ہے حضرت علی کرم اللہ وجہہ سنہ ۴۰ھ میں شہید ہوئے اور امام صاحب ۸۰ھ میں پیدا ہوئے (ایضاً ص ۵۰) اور حقیقت یہ ہے کہ حکیم فیض عالم خود بہتان کذب بیانی فرما رہے ہیں یا اس واقعہ سے بالکل ناواقف ہیں کیونکہ حضرت علی المرتضیٰ کی خدمت میں حضرت امام ابو حنیفہ کو نہیں بلکہ ان کے والد حضرت ثابت کو ان کے والد لے گئے تھے۔ چنانچہ حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی نے تحفہ اثنا عشریہ میں بھی اس کی تصریح فرمائی ہے۔

حضرت علیؓ کی خلافت حکیم فیض عالم صاحب نے اپنی اس کتاب "خلافت راشدہ" میں جابجا حضرت علی المرتضیٰؓ کی خلافت کو نام نہاد خلافت قرار دیا ہے۔ چنانچہ لکھتے ہیں۔

اب ان تصریحات کی موجودگی میں بھی کوئی رفض سے مرعوب یا متاثر مولوی سبائیت کے خومن سے برآمد کردہ نظریہ سے رجوع نہیں کرتا تو ہم اسے تقیہ کا مولوی بھی نہ کہہ سکیں، تو ہمیں یہ کہنے میں کوئی باک نہیں کہ وہ سیدنا علیؓ کی نام نہاد خلافت کی طرح صرف نام نہاد مولوی ہے (صہ ۶۳) (ب) سیدنا علی کی نام نہاد خلافت نہ تو قرآنی معیار پر پوری اترتی دکھائی دیتی ہے نہ ہی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کی خلافت کے متعلق کوئی اشارہ فرمایا تو آج کے ان بزعم خویش "مولاناؤں" کو یہ حق کس نے دیا ہے کہ وہ سیدنا علیؓ کو خلافت راشدہ میں شمار کرکے بالواسطہ اللہ تعالیٰ کے ارشاد کی تکذیب کا ارتکاب کریں الخ صہ ۶۳

حکیم صاحب نے تحریک خدام اہل سنت کے اعلان "حق چار یار" کے خلاف لکھتے ہوئے حضرت علی المرتضیٰ کی خلافت راشدہ کی مندرجہ عبارتوں میں نفی فرمائی ہے۔ چنانچہ اس کے بعد تصریح فرماتے ہیں کہ:۔ گویا اللہ تعالیٰ نبی اکرم اور تمام صحابہ کو جو بات نہ سوجھی وہ زکات وصدقات اور خیرات کی روٹیوں پر پلنے والوں اور یتیم خانوں کے مطبخوں کی ہنڈیا چاٹ کر پروان چڑھنے والے نام نہاد مولویوں کو نظر آگئی۔ اور آج انہوں نے "خلافت راشدہ حق چار یار" کے نعروں سے ایک عالم کو پریشان کر رکھا ہے" لیکن یہ بھی ان کی ستم ظریفی ہے کیونکہ عالم تو پریشان نہیں "حق چار یار" کے اعلان سے البتہ فیض عالم کو شل روافض اور دیگر خوارج کے پریشانی ہے۔

ایک لطیفہ اپنی کتاب "خلافت راشدہ" میں "حق چار یار" کے خلاف یہ سب کچھ لکھنے کے بعد یہی حکیم فیض عالم نے اسی خادم اہل سنت کے نام بذریعہ ڈاک ایک ملفوف یکم مئی ۸۰ء کو ارسال کیا ہے جس میں لکھتے ہیں:۔

حضرت مولانا۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ براہ مہربانی حرمت متعہ کے متعلق شیعہ سنی مصادر و ماخذ سے پراپنی مستفیض فرمائیں۔ خصوصی طور پر شیعہ کتب سے اگر حرمت متعہ کے متعلق معلوم ہوسکے تو بہت بہتر ہے۔ متعہ کے متعلق اپنی نئی تالیف میں

آپ کے فرمودات آپ کے حوالے سے درج کئے جائیں گے۔ امریکن نومسلم اصحاب کے لئے ضرورت ہے۔"

اس گرامی نامہ سے قارئین کرام حکیم فیض عالم صاحب کی نفسیات کو کچھ سمجھ سکتے ہیں۔

کذب بیانیاں حکیم صاحب نے اپنی زیر بحث کتاب میں کذب و تقیہ سے بھی کام لیا ہے بطور نمونہ بعض عبارات حسب ذیل ہیں۔ (۱) امام ابن تیمیہ کے ذکر میں لکھا ہے کہ:۔ "آپ سے سیدنا علیؓ کی خلافت کے متعلق کوئی قول ان کی تالیفات میں موجود نہیں۔ البتہ سیدنا علیؓ کے فضائل ومناقب ضرور ہیں" (صہ ۶۰) **الجواب**:۔ امام ابن تیمیہؒ نے تو تصریح فرمائی ہے کہ:۔

وعلیؓ آخر الخلفاء الراشدین الذین ولایتهم خلافة نبوة ورحمة وکل من الخلفاء الاربعة یشهد له بانه من افضل اولیاء الله المتقین الخ (منهاج السنة جلد رابع ص ۱۲۱ مطبوعہ مصر)

حدیث خلافت نبوت ورحمۃ کی تشریح میں ابن تیمیہ فرماتے ہیں کہ:۔ علیؓ آخری خلیفہ راشد ہیں جن کی ولایت (حکومت) خلافت نبوت ورحمت ہے۔ اور چاروں خلفاء کے لئے یہ شہادت موجود ہے کہ ان میں سے ہر ایک اپنے دور میں اولیائے متقین میں سب سے افضل ہیں۔"

(۲) حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کی کتاب قرۃ العینین فی تفضیل الشیخین کی ایک عبارت کا جواب لکھتے ہوئے حکیم فیض عالم لکھتے ہیں:۔ "شاہ صاحب سیدنا علیؓ کی خلافت کے ہرگز قائل نہ تھے۔ بلکہ قرۃ العینین کے اس فقرہ کو ہم شاہ صاحب کے دوسرے اقوال کے مقابلہ میں بھرتی کا فقرہ سمجھتے ہیں" (صہ ۶۱)

الجواب:۔ یہ بھی حکیم صاحب کا عالمی جھوٹ ہے کیونکہ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے اپنی مایہ ناز تحقیقی کتاب ازالۃ الخفاء میں قرآن مجید کی آیت تمکین اور آیت استخلاف کے تحت اور حدیث ثلثون سنۃ کی روشنی میں حضرت علی المرتضیٰ کو چوتھا خلیفہ راشد قرار دیا ہے یہاں صرف حسب ذیل دو عبارتیں پیش کی جاتی ہیں فرماتے ہیں:۔

"اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے احادیث مستفیضہ میں اس بات کی خبر دی کہ آپ کی وفات کے بعد خلافت نبوت و خلافت رحمت ہوگی اور اس کے بعد ملک عضوض (مارکاٹ کی بادشاہت) اور جو آنحضرت کی وفات سے متصل واقع ہوگی وہ خلفائے اربعہ کی خلافت تھی تو ان کی خلافت خلافت نبوت و رحمت ہوئی۔ اور اگر ان خلفاء کی سیرت انبیاء کی سیرت کے مشابہ نہ ہوتی یا انہوں نے غصب سے خلافت کو لیا ہوتا تو خلافت خلافت و نبوت نہ ہوتی۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے احادیث مستفیضہ میں یہ علم عطا فرمایا ہے کہ خلافت کا زمانہ تیس سال ہے۔ اور سفینہؓ نے اس کی تفسیر خلفائے اربعہ کی خلافت سے کی ہے الخ (ازالۃ الخفاء مترجم جلد دوم فصل ہفتم ص۴۰۲)۔

(۲) حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے اپنے فارسی ترجمہ فتح الرحمٰن کے حاشیہ پر سورۃ النور آیت استخلاف کی تفسیر میں یہ حدیث پیش کی ہے۔ فرماتے ہیں:۔

در حدیث آمدہ است الخلافۃ بعدی ثلثون سنۃ واللہ اعلم۔ یعنی حدیث میں آیا ہے کہ میرے بعد خلافت تیس سال ہوگی۔ واللہ اعلم۔ اس سے ثابت ہوا کہ حضرت محدث دہلویؒ کے نزدیک حضرت علی المرتضیٰ سمیت چاروں خلفاء آیت استخلاف کا مصداق ہیں اور اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ تیس سال کے بعد خلافت کا دور ختم ہو گیا۔ بلکہ تیس سال سے مراد وہ خلافت راشدہ ہے جس کا قرآن مجید کی آیت استخلاف اور آیت تمکین میں وعدہ فرمایا گیا ہے۔ اور آیت تمکین الذین ان مکناھم فی الارض سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ تمکین مہاجرین صحابہ کو عطا کی جائے گی سو اور مہاجرین صحابہؓ سے چونکہ صرف چار خلفاء [illegible] حضرت ابو بکر صدیقؓ حضرت عمر فاروقؓ حضرت عثمان ذوالنورینؓ اور حضرت علی المرتضیٰؓ ہی ہیں اس لئے قرآنی موعودہ خلافت کا [illegible] ہیں اس لئے خلافت راشدہ کے جواب میں [illegible] کیا جاتا ہے اور خلافت راشدہ سے مراد قرآن کی خلافت راشدہ لی جاتی ہے۔

حضرت حسینؓ | حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے متعلق حکیم فیض عالم یوں زہر افشانی فرماتے ہیں:۔ حقیقت یہ ہے کہ آپ برشام کے مریض تھے اور اس مرض کے مریض اول تو مر جاتے ہیں۔ ورنہ پاگل ہو جاتے ہیں۔ اور اگر بچ بھی نکلیں تو ان کی زبان لکنت آمیز ہو جاتی ہے اور ذہن کا حقہٗ سوچنے سمجھنے کی قوتوں سے محروم ہو جاتا ہے"۔ (ص۱۱۶)

حضرت حسنؓ | امام حسن رضی اللہ عنہ کے متعلق رقمطراز ہیں:۔ (ان کی موت) کثرت جماع، ذیابیطس اور تپ محرقہ سے ہوئی الخ (ص۹۵) غالباً بغض علی اور بغض حسن و حسین رضی اللہ عنہم کا یہ نتیجہ ہے کہ حکیم صاحب کو اپنی کذب بیانیوں اور افتراء پردازیوں کا احساس نہیں ہوتا جو ان کی تصانیف میں نمایاں ہیں اور بجائے اپنی اصلاح کے وہ بڑے بڑے اساطین امت کی پگڑیاں اچھالنے پر فخر محسوس کرتے ہیں۔ چنانچہ حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ کے متعلق لکھتے ہیں:۔ اور شاہ صاحب کو یہ بھی معلوم نہیں کہ کس قدر صحابہ کرام سیدنا علیؓ کی نام نہاد خلافت سے خارج رہے۔ شاہ صاحب اس بات سے بھی بے خبر نظر آتے ہیں کہ سیدنا معاویہ کاتب وحی ہونے کا شرف حاصل کر چکے تھے"۔ (ص۷۵) نیز لکھا ہے کہ:۔ شاہ صاحب جیسے نابغۂ عصر اور عبقری دوران سے بھی اس قسم کے غیر ذمہ دارانہ بلکہ مخبوط الحواسانہ کلمات کا اظہار ہو رہا ہے"۔ (ص۷۶) اس کے جواب میں سوائے اس کے ہم کیا کہہ سکتے ہیں ؎

چہ نسبت خاک را با عالم پاک

تنقید داخراد کا ایک اور نمونہ بھی ملاحظہ فرمائیے:۔ مولوی عبدالحی فرنگی محلی ہوں! یا شاہ اشرف علی تھانوی اپنی علمی فضیلتوں کے باوجود غیر شعوری طور پر شیعیت کے ترجمان بن کر رہ گئے"۔ (ص۱۳۰)

ایک خیر خواہانہ مشورہ | خلافت راشدہ وغیرہ کے اہم علمی مباحث آپ کے علم و فضل کی دسترس میں نہیں آسکتے۔ آپ اس قسم کی جہالت، کذب و خیانت پر مشتمل تصانیف کی وجہ سے جگ ہنسائی کا ایک کھلونا بن کر رہ جائیں گے۔ اس لئے آپ کے لئے نجات کا

یہی راستہ ہے کہ تصنیف وتالیف کے کاروبار سے دستبردار ہو کر توبہ واستغفار کرتے ہوئے گوشۂ گمنامی میں اپنی فانی حیات کے بقیہ دن گزار دیں ۔ (واللہ الہادی)

مذہب اہل سنت والجماعت اصولی اور اعتقادی طور پر تمام مدعیان اسلام فرقوں میں سے مذہب اہل سنت والجماعت ہی اسلام حقیقی کا صحیح ترجمان ہے جو حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزانہ ارشاد ما انا علیہ واصحابی پر مبنی ہے ۔ اس ارشاد نبوی کا مطلب یہ ہے کہ جنت میں وہی لوگ جائیں گے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت جامعہ اور جماعت محترمہ (صحابہ کرام) کے پیروکار ہوں گے ۔

مذہب اہل سنت کے عقیدہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام صحابہ کرام حسب مراتب واجب الاحترام اور اعلان خداوندی رضی اللہ عنہم ورضوا عنہ کا مصداق ہیں ۔ حق تعالیٰ کی خصوصی رحمت کے تحت تمام اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کامل الایمان ہونے کی حالت میں واقع ہوئی ہے ۔ اور اہل سنت والجماعت کی یہ اصطلاح بھی احادیث سے ثابت ہے ۔ چنانچہ (۱)

(۱) تفسیر ابن کثیر ۔ تفسیر مظہری اور تفسیر درمنثور میں سورۃ آل عمران کی آیت یوم تبیض وجوہ وتسود وجوہ (یعنی قیامت میں بعض چہرے سفید روشن ہوں گے اور بعض کالے سیاہ ہوں گے) کی تفسیر میں لکھا ہے کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اہل سنت والجماعت کے چہرے نورانی ہوں گے اور اہل بدعت کے چہرے سیاہ کالے ہوں گے ۔

۲ ۔ علاوہ ازیں ایک مرفوع حدیث سے بھی اہل السنت والجماعت کی اصطلاح کا ثبوت ملتا ہے ۔ چنانچہ علامہ عبدالکریم شہرستانی نے اپنی کتاب الملل والنحل میں یہ حدیث نقل کی ہے :۔ واخبر النبی علیہ السلام ستفترق امتی علی ثلث وسبعین فرقۃ ۔ الناجیۃ منہا واحدۃ والباقون ھلکی ۔ قیل

ومن الناجیۃ قال اہل السنۃ والجماعۃ قیل ومن اہل السنۃ والجماعۃ قال ما انا علیہ الیوم واصحابی (جزو اول طبع بیروت) ترجمہ :۔ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دی ہے کہ عنقریب میری امت ۷۳ فرقوں میں تقسیم ہو جائیگی ۔ ان میں سے ناجی فرقہ صرف ایک ہوگا ۔ عرض کیا گیا کہ ناجی فرقہ والے کون ہوں گے تو فرمایا وہ اہل السنت والجماعت ہوں گے ۔ پھر عرض کیا گیا کہ اہل السنت والجماعت کون لوگ ہوں گے تو ارشاد فرمایا کہ وہ اس طریقہ پر ہوں گے جس پر آج میں اور میرے اصحاب ہیں ۔

۳ ۔ دور صحابہ میں بھی یہ اصطلاح رائج تھی ۔ چنانچہ علامہ علی قاری حنفی محدث نے مرقاۃ شرح مشکوۃ جلد دوم باب المسح علی الخفین میں یہ روایت نقل کی ہے ۔ سئل انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ عن علامات اہل السنۃ والجماعۃ فقال ان تحب الشیخین ولا تطعن الختنین وتمسح علی الخفین ۔ ترجمہ :۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا کہ اہل سنت والجماعت کی علامات کیا ہیں ؟ تو آپ نے جواب میں فرمایا ۔ یہ کہ تو شیخین (یعنی حضرت ابوبکر رض وحضرت عمر رض) سے محبت رکھے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دو دامادوں (یعنی حضرت عثمان رض وحضرت علی رض) پر طعن نہ کرے اور موزوں پر مسح کرے ۔

۴ ۔ بلکہ شیعہ فرقہ کی مستند کتاب احتجاج طبرسی میں بھی حضرت علی المرتضیٰ رض کی زبان سے اہل سنت کی یہ تعریف منقول ہے :۔ واما اہل السنۃ فالمتمسکون بما سنہ اللہ ورسولہ وان قلوا الخ ۔ اور یعنی اہل سنت وہ ہیں جو اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقے اور حکم کو مضبوطی سے پکڑنے والے ہیں اگرچہ وہ قلیل ہوں ۔ اس کی تفصیلات راقم خادم کی کتاب بشارت الدارین میں مذکور ہیں ۔

عقیدہ خلافت راشدہ جیسا کہ پہلے مختصراً عرض کر دیا ہے کہ سورۃ النور کی آیت استخلاف اور سورۃ الحج کی آیت تمکین کی موعودہ خلافت راشدہ کا مصداق صرف چار

خلفائے راشدین ہیں جو مہاجرین میں سے ہیں یعنی امام الخلفاء حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ، حضرت عمر فاروق، حضرت عثمان ذوالنورین اور حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہم۔ انبیائے کرام علیہم السلام کے بعد حسب ترتیب خلافت ان خلفائے اربعہ کو سب پر فضیلت حاصل ہے

اعلان حق چار یار اور گو تمام اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے یار اور رفیق کار ہیں۔ لیکن قرآن کی موعودہ خلافت راشدہ کا مصداق ہونے کی وجہ سے ان کو خصوصیت حاصل ہے۔ اس لئے ان پر "چار یار" کا اطلاق کیا جاتا ہے۔ چنانچہ حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی بانی دارالعلوم دیوبند قدس سرہٗ آیت استخلاف کی تشریح میں فرماتے ہیں:۔

ا۔ یہ انعام خلفائے راشدین پر ہوا۔ اور یہ وعدہ خلفائے اربعہ کے ساتھ بترتیب معلوم وفا میں آیا (ہدیۃ الشیعہ طبع جدید ص۶۶)

ب۔ ایسے ہی یہ نعمت عظیمہ اور دولت جلیلہ خلافت وغیرہ بھی ہر چند اصل میں انہی چار یار کے لئے ہیں۔ القصہ نعمت خلافت ہر چند بالاصالت چار یار ہی کے لئے تھی الخ ص۷۵

یہی وجہ ہے کہ امام ابن تیمیہؒ بھی حضرت علی المرتضیٰ کو منہاج السنت جلد چہارم میں آخر الخلفاء الراشدین قرار دیتے ہیں، اور حضرت مولانا خلیل احمد صاحب محدث سہارنپوریؒ حنفی اپنی کتاب "ہدایات الرشید" کے خطبہ میں حضرت علیؓ کو خاتم الخلفاء الراشدین لکھا ہے۔ خلفائے راشدین کی اصطلاح دراصل ان چار خلفا کیلئے ہے جو آیت تمکین اور آیت استخلاف کا مصداق ہیں۔ اور حضرت امام حسنؓ، حضرت امیر معاویہؓ، حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ اور حضرت مہدی موعود کو جو علماء نے خلیفہ راشد لکھا ہے تو وہ ان کی رشد و ہدایت کی وجہ سے ہے نہ اس لئے کہ یہ حضرات بھی مثل خلفائے اربعہ آیت تمکین اور آیت استخلاف کے مصداق ہیں۔

سنی علماء و مشائخ کیلئے لمحہ فکریہ بعض علماء عباسی خارجی فتنے کی خطرناکی کو نہیں سمجھتے اور ان لوگوں کو بھی سنی دیوبندی گروہ میں شمار کرتے ہیں جو یزید کو اسلام کا ایک ہیرو اور خلیفہ راشد منوانے کی تحریک چلا رہے ہیں۔ اور اسی غفلت کا یہ نتیجہ ہے کہ مولوی عظیم الدین جیسے نااہل فاضل جامعہ اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کی حیثیت سے قرآن کی تحریف معنوی کر کے یزید کو قرآن کے پسندیدہ طریق انتخاب کا مصداق قرار دے رہے ہیں۔ اور اس کے مقابلہ میں حضرت علی المرتضیٰ، حضرت حسینؓ کی عظیم شرعی شخصیتوں کو مجروح کرنے کی ناپاک کوشش کر رہے ہیں۔ حالانکہ حضرت مولانا محمد یوسف صاحب بنوری محدث رحمۃ اللہ علیہ کا مسلک یہ نہیں تھا۔ اور آپ کا مسلک حق وہی تھا جو تمام اکابر دیوبند کا ہے۔ جامعہ اسلامیہ بنوری ٹاؤن کے ایک استاذ مولانا محمد اسحاق صاحب سندیلوی صدیقی ہیں جو غالباً استاذ ہیں۔ مولوی عظیم الدین صاحب کے۔ محمود احمد عباسی، عظیم الدین اور حکیم فیض عالم وغیرہ مصنفین نے تو حضرت علی المرتضیٰ اور حضرت امام حسین کے خلاف تیز لہجہ اختیار کیا ہے۔ اور مولانا محمد اسحاق موصوف تقریباً بات انہی کی کرتے ہیں لیکن لہجہ کچھ نرم اختیار کرتے ہیں۔ وہ پوری طرح حضرت علی المرتضیٰ کے متعلق اہل سنت کے عقیدہ سے متفق نہیں ہیں۔ اسی لئے وہ حضرت علیؓ کی خلافت کو عارضی اور عبوری خلافت قرار دیتے ہیں نہ کہ مستقل، اور آیت تمکین اور آیت استخلاف کا مصداق۔ چنانچہ اپنی کتاب اظہار حقیقت بجواب خلافت و ملوکیت جلد دوم ص۸۵ میں لکھتے ہیں:۔ "ان حالات پر نظر کرنے سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ حضرت علیؓ کی خلافت اگرچہ بالکل صحیح تھی اور بے شک وہ خلیفہ برحق تھے لیکن ان کی خلافت کی نوعیت ہنگامی (EMERGENCY) خلافت کی تھی جس میں پورے عالم اسلامی کے نمائندے شریک نہ تھے اور ان کی اکثریت نے اپنا حق رائے دہی استعمال نہیں کیا تھا۔ اس صورت میں شرعاً و عقلاً ہر طرح لازم تھا کہ مناسب حالات پیدا ہونے کے بعد استصواب رائے عامہ کیا جاتا۔" (ص۱۹۳)

مولانا سندیلوی موصوف دور حاضر کے الیکشن کے پیش نظر ایسی باتیں لکھ رہے ہیں لیکن محققین اہل سنت حضرت علی المرتضیٰ کی خلافت کو آیت تمکین کی نص قرآنی کا مصداق قرار دیتے ہیں۔ خواہ کوئی اُن کی خلافت کو تسلیم کرے یا نہ۔ (ب) مولانا سے ہمارا سوال یہ ہے کہ اگر عام استصواب رائے ضروری تھا تو اس کے بغیر یہ کیوں تسلیم کر رہے ہیں کہ:۔ حضرت علی کی خلافت اگرچہ بالکل صحیح تھی اور بے شک وہ خلیفہ برحق تھے الخ۔ علاوہ ازیں ہمارا سوال یہ ہے کہ بقول آپ کے اگر حضرت علیؓ کی خلافت ہنگامی تھی تو پھر آپ سے حضرت عثمان ذوالنورینؓ کے قاتلین سے قصاص لینے کا مطالبہ کیا معنی رکھتا ہے۔ اس صورت میں تو فریق ثانی پر لازم تھا کہ وہ سب سے پہلے آپ کی خلافت کے لئے استصواب رائے عامہ کا مطالبہ کرتے۔ اور اگر آپ اس طریق انتخاب میں کامیاب ہو جاتے تو آپ سے قصاص کا مطالبہ کیا جاتا۔

۲۔ مولانا موصوف بھی یزید کو ایک صالح اور عادل خلیفہ قرار دیتے ہیں جس کی وضاحت انہوں نے ایک غیر مطبوعہ مکتوب میں کر دی ہے۔ حالانکہ حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی۔ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی۔ علامہ حیدر علی مؤلف منتہی الکلام وغیرہ حضرت مولینا محمد قاسم نانوتوی۔ حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی۔ شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد صاحب مدنی اور امام اہل سنت حضرت مولانا عبدالشکور صاحب لکھنوی (جن کو امام تبلیغ حضرت مولانا محمد الیاس صاحب قدس سرہ نے امام وقت قرار دیا ہے) سب یزید کو فاسق قرار دیتے ہیں۔

یہاں میری گذارشات کا مطلب یہ ہے کہ اگر مولانا محمد اسحاق صاحب موصوف یزید کے بارے میں حضرات اکابر کی تحقیق کو غلط قرار دیتے ہیں تو پھر دیوبندی مرکزی ادارہ جامعہ اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن سے علیحدہ ہو کر اپنا مرکز قائم کریں۔ یہاں اس خارجی فتنہ کے متعلق تفصیل کی گنجائش نہیں۔ اس کے متعلق کچھ تبصرہ میں نے شیخ التفسیر حضرت لاہوری قدس سرہٗ کے تذکرہ میں کر دیا ہے۔ جو "خدام الدین" کے شیخ التفسیر نمبر میں بعنوان "حضرت لاہوری فتنوں کے تعاقب میں" شائع ہو چکا ہے۔ اور ان شاء اللہ تعالیٰ کسی فرصت میں اس پر مزید تبصرہ شائع کر دیا جائے گا۔

سنیت شیعیت اور خارجیت کی علامت

امام ربانی حضرت مجدد الف ثانیؒ فرماتے ہیں:۔ عدم محبت اہل بیت خروج است و تبری از اصحاب رفض و محبت اہل بیت با تعظیم و توقیر جمیع اصحاب کرام تسنن (مکتوبات مجدد الف ثانی جلد دوم ص۵۲) ترجمہ:۔ اہل بیت کی محبت کا نہ ہونا خارجیت ہے اور اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے بیزاری اور مخالفت رفض و شیعیت ہے اور تمام اصحاب کرام کی تعظیم و توقیر کے ساتھ اہل بیت کی محبت سنیت ہے۔"

(ب) نیز فرماتے ہیں:۔ "پس محبت حضرت امیرؓ شرط تسنن آمد و آنکہ ایں محبت ندارد از اہل سنت خارج گشت و خارجی نام یافت"۔ (مکتوبات جلد دوم) یعنی اہل سنت ہونے کے لئے حضرت امیرؓ (علی المرتضیٰ) کی محبت شرط ہے۔ اور جو شخص یہ محبت نہیں رکھتا وہ اہل سنت سے خارج ہو گیا۔ اور اس لئے خارجی نام پایا۔"

عصر حاضر کا چیلنج

نہ صرف پاکستان بلکہ عالم اسلام میں اسلام کے نام پر انکار ختم نبوت، انکار سنت۔ انکار خلافت راشدہ۔ انکار ایمان اصحاب و ازواج مطہرات رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور تنقید صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کے جتنے فتنے فروغ پذیر ہو رہے ہیں اور جو اسلام حقیقی کی راہ میں ایک بڑی رکاوٹ ہیں۔ ان فتنوں کا مقابلہ صرف مسلمانان اہل سنت والجماعت ہی اپنی پوری جد و جہد اور تنظیمی قوت سے کر سکتے ہیں۔ کیونکہ یہ اہل سنت والجماعت ہی کی امتیازی شان ہے کہ وہ اصولی طور پر سنت رسول و جماعت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو دین اسلام کے حصول کا حقیقی واسطہ مانتے ہیں۔ تمام سنی مسلمانوں سے عموماً اور سنی علما و مشائخ سے خصوصاً گذارش ہے کہ

سلف وخلف اکابر نے مذہب اہل سنت والجماعت کی تبلیغ واشاعت اور عقیدہ خلافت راشدہ اور عظمت صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے دفاع کا جو شرعی ورثہ ہمیں عطا کیا ہے ہم اس کی حفاظت کریں ۔ اور بلا خوف لومۃ لائم محض قادر مطلق رب کائنات جل شانہٗ کے بھروسہ پہ پرچم خلافت راشدہ (حق چار یار) کو بلند و غالب رکھنے کے لئے اپنی زندگیاں وقف کردیں ۔ وما علینا الا البلاغ ؎

خدا نے آج تک اُس قوم کی حالت نہیں بدلی
نہ ہو جس کو خیال آپ اپنی حالت کے بدلنے کا

خادم اہلسنت مظہر حسین غفرلہٗ
مدنی جامع مسجد چکوال ۔ ضلع جہلم (پاکستان)
۵ رجب ۱۴۰۰ھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

خطبۃ الکتاب

الحمد لله الذى نصر اولیائه الحافظین لکتابه ؛ الحامین لحمى دينه ورياض فصل خطابه ؛ الذابين عن حوزة الدين وحرمته بنفى تلبيس المبطل وارتيابه ؛ القائمين لنصرة الحق بتشييد اصوله واحكام احكام ابوابه ؛ بان صارماهونا عن اختلاس المختلس وانتهابه ؛ المستمسكين بالوثقى العرى من سنة افضل رسله واكرم احبابه المتشبثين بحبل الله من حب اهل بيته وهدى نجوم اصحابه ورجوم شهابه ؛ الذين شرح الله صدورهم للاسلام فهم على نور من ربهم المفضل المنعام ؛ يتلون ايات الله حق تلاوتها ويراعون حدوده حق رعايتها ويقيمون السنة ويميتون البدعة ؛ اولئك حزب الله الا ان حزب الله هم المفلحون

خذل اعدائه الخالعين ربقة الطاعة ؛ المفارقين عن السنة والجماعة ؛ الرافضين الاسلام المارقين عن الدين كما تمرق عن الرمية السهام ؛ الاخسرين اعمالا ؛ والالحنين سنة واقوالا ؛ الذين ضل سعيهم فى الحيوٰة الدنيا وهم يحسبون انهم يحسنون صنعا ؛ والذين لهم قلوب لا يفقهون بها منهم فى غطاء عن الحق وكانوا لا يستطيعون سمعا ؛ فوربك لنحشرنهم و الشياطين ثم لنحضرنهم حول جهنم جثيا ؛ ثم لننزعن من كل شيعة ايهم اشد على الرحمن عتيا ؛ والذين رفضوا الجماعة وشذوا فى النار وابتدعوا بدعا ؛ لاسيما الذين فرقوا دينهم وكانوا شيعا ؛ ونبذوا كتابه المنزل بالحق وراء ظهورهم فهم لا يعلمون ؛ واتبعوا ما وسوست به صدورهم وارتابت قلوبهم فهم فى ريبهم يترددون ؛ واتخذوا اهوائهم اما مهم ؛ وما تتلوا الشياطين زماممهم ؛ يعبدون الضرائح ؛ ويعملون الفضائح ؛ يزينون الكلام ويتمتعون وياكلون كما تاكل الانعام

ویاتون الادبار ؛ ولایبالون العار ولا النار فهم فی کل وادٍ من اودیة الضلال یھیمون ؛ اولئک حزب الشیطان الا ان حزب الشیطان هم الخاسرون ؛ واظهر القیم الحق علی الدین کله وان رغمت انوف اهل الضلال والشقاء واحکم اصوله الطیبة الراسخة وفروعه اللینة الشامخة کشجرة طیبة اصلها ثابت وفرعها فی السماء ؛ حتی آض کانه قصر مشید اوجبل افرغ فی قالب من حدید ؛ اوارض جعل فیها رواسی ان تمید ؛ لاتزعزعه القواصف ؛ ولا تزلزله العواصف ؛ ولایاتیه الباطل من بین یدیه ولا من خلفه تنزیل من حکیم حمید ۔

واوهن الباطل واوهاه ؛ واسخفه والغاه ؛ وقذف بالحق علیه فادمغه ثم ازهقه فادحضه ؛ ووضعه علی شفا حفرة من النار ؛ واسس بنیانه علی شفا جرف هار فانهار ؛ وجعل اصوله الضعیفة المنجعفة ؛ وفرعه السخیفة المنقطعة کشجرة خبیثة اجتثت من فوق الارض مالها من قرار ؛ یثبت الله الذین آمنوا بالقول الثابت فی الحیوة الدنیا وفی الاخرة ویضل الله الظلمین ویفعل الله ما یشاء وهو العزیز القهار ؛

واراد ان یحق الحق بکلماته ویقطع دابر الکافرین لیحق الحق ویبطل الباطل ؛ وارادوا ان یطفئوا نور الله بافواههم فرد کیدهم فی نحورهم واتم نعمته وشید دینه واکمل ؛ وجعل الباطل کانه هباء ؛ اوزبد یذهب جفاء ؛ بل کانه ظل زائل ؛ فمثله کمثل صفوان علیه تراب فاصابه وابل ؛ فوقع الحق وبطل ما کانوا یعملون ؛ فغلبوا هنالك وانقلبوا صاغرین ؛ وقطع دابر القوم الذین ظلموا والحمد لله رب العلمین ۔

والصلوة والسلام علی من ارسله بالهدی ودین الحق لیظهره علی الدین کله ولو کره المشرکون لنجیر ؛ ونصره اذ اخرجه الذین کفروا ثانی اثنین اذ هما فی الغار ؛ وایده وقواه بصفوة عباده ونخبة اولیائه المهاجرین والانصار ؛ من تبعهم فنعما من العثار ولمن تخلف

الدار ؛ ومن اعرض عنهم فقد ربح الخمار وله سوء الدار بل هو فی الدرك الاسفل من النار ؛ وعلی آله واصحابه الذین آمنوا وهاجروا وجاهدوا باموالهم وانفسهم فی سبیل الله والذین آووا ونصروا اولئك هم المومنون حقا لهم مغفرة من ربهم وجنات تجری من تحتها الانهار ؛ فهم اشداء علی الکفار رحماء بینهم تراهم رکعاً سجداً یبتغون فضلاً من الله ورضواناً سیماهم فی وجوههم من اثر السجود ذلك مثلهم فی التورٰة ومثلهم فی الانجیل کزرع اخرج شطأه فآزره فاستغلظ فاستوی علی سوقه یعجب الزراع لیغیظ بهم الکفار وعلی من اقتفاهم من التابعین لهم باحسان رضی الله عنهم ورضوا عنه الی یوم القرار ؛

سببِ تالیف

آمّا بعد فقیر خاکسار و حقیر نابکار راکب سفینۂ اہلبیت اطہار متمسک بذیل عترت ابرار مہتدی بہدی اصحاب کبار من وجوہ المہاجرین و اعیان الانصار رضی اللہ عنہم حافظ ابو ابراہیم خلیل احمد بن شاہ مجید علی بن قطب الوقت شاہ قطب علی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم انبہٹوی ارباب علم و اصحاب فہم کی عالی خدمت میں عرض کرتا ہے کہ بندہ عنفوان شباب میں صرف علوم مروجہ درسیہ کے شغل تعلیم و تدریس میں ہنگام قیام ریاست بہاولپور مشغوف و مشغول تھا اور بحث و مباحثہ و گفتگو و مناظرہ سے بالکل فارغ القلب اور یکسو تھا مذہب حق کے اصول مع دلائل دل میں راسخ اور جاگزین تھے اور مذاہب باطلہ کے اصول سخیفہ اور ان کے دلائل ضعیفہ کی طرف مطلق التفات نہ تھا۔ اچانک افسر مدارس ریاست بہاولپور مولوی سید چراغ شاہ صاحب شیعی ملتانی نے مذہبی چھیڑ چھاڑ شروع کی اور اپنی قومی قدیم عادت کے موافق آہستہ آہستہ بحث کی سلسلہ جنبانی کی ہرچند ان کو فہمایش کرائی کہ بحث مباحثہ سے کوئی نفع نہیں ہے پر چونکہ بھولے بھالے پنجابیوں پر اپنا سکہ جما چکے تھے اس فہمایش کو میرے خوف پر محمول کر کے اور بھی شیر ہوگئے تب تو میں نے بھی اللہ تعالےٰ پر بھروسہ کر کے ہمت چست باندھی اور قلم کا نیزہ سنبھالا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ بحمد اللہ دو تین تحریریں ہی

انہوں نے منہ کی کھائی کہ پھر کبھی بھولے سے بھی آنکھ نہ ملائی۔

بعد ازاں بحسب اتفاقات زمانہ جس کی تفصیل ہدایات الرشید میں ذکر کی گئی

ہے سید فرزند حسین شیعی اثنا عشری مقیم لدھیانہ سے تحریری مباحثہ کا سلسلہ جاری ہوا۔ میر صاحب نے اس عاجز کے تین چار ورق کے جواب میں اپنے متکلمین ماضی وحال کا تمام ذخیرہ مال مفت سمجھکر بیرحم دل سے خرچ کر ڈالا اور اپنی سحر کاری اور جادو نگاری سے حق کو باطل اور باطل کو حق کرنا چاہا اور ایک طویل تحریر بقدر سو ورق کے لکھ کر میرے پاس بھجوا دی۔ کچھ تو سید چراغ شاہ نے پہلے ہی سے دل میں مذہبی گفتگو کی طرف رغبت پیدا کر دی تھی میر فرزند حسین صاحب کی یہ تحریر ع سمند عشق کو ایک اور تازیانہ ہوا۔

ہرچند کہ اپنی بے بضاعتی اور ناآشنائی اس دریا ناپیداکنار کی شناوری سے مانع آئی تھی لیکن مذہب مخالف کے اصول وفروع کی قدر وقعت کو اجمالی نظر میں جانچ چکا تھا اور مجملاً مگر کافی طور پر ان کی کیفیت وحالت کا اندازہ کر لیا تھا ادھر مخاطب کی مناظرہ دانی اور مبلغ علم ان کی تحریر سے ہی واضح تھے۔ اگرچہ وہ تحریر اہل علم کے نزدیک قابل جواب نہ تھی تاہم امتثالاً للامر تحریر جواب کا ارادہ کیا۔ اس سے پیشتر کہ جواب تحریر ہو یہ خیال پیدا ہوا کہ گو مجھ جیسے کم استطاعت کو اپنے اکابر کی خوشہ چینی اور دریوزہ گری سے چارہ نہیں بلکہ سرمایہ فخر ہے پر یہ بھی کچھ لطف کی بات نہیں ہے کہ جواب کا بالکل دار ومدار اکابر کی روایات منقولہ پر ہی رکھا جاوے۔ اس لئے کہ اگر خصم نے روایات کا انکار کر دیا۔ اور تصحیح نقل مانگی تو اس وقت بجز ندامت وسکوت چارہ نہ ہوگا۔ ضرور ہے کہ اول کتب شیعہ فراہم کرکے اصول تشیع کے متعلق اپنی ذاتی واقفیت بھی کچھ پیدا کی جاوے اور صرف اُن کے قرض سے سبکدوش ہونے پر ہی اکتفا نہ کی جاوے بلکہ ان کو اپنے ایسے ناممکن الاداقرض سے گرانبار کر دیا جاوے کہ جس سے ظہور امام بلکہ قیامت کبریٰ کے قیام تک بھی ان کو سبکدوشی نہ ہو۔ چنانچہ کتب معتبرہ فراہم کیں اور مذہب تشیع کی چھان بین

شروع کی۔ بحمد اللہ تعالیٰ چند ہی روز میں تشیع کے دلائل مذہبی سے اصول سے لیکر فروع تک مذہب کا بطلان مثل آفتاب منکشف ہوگیا اور اس کے متعلق وہ وہ عمدہ اور باریک مضامین حق تعالیٰ شانہ نے قلب پر القا فرمائے جن کی اہل فہم نے نہایت ہی قدر کی اور ۱۳۰۶ھ میں کتاب **ہدایات الرشید الی افحام العنید** میر فرزند حسین کے رسالہ کے جواب میں ۸۰۸ صفحہ پر طبع ہوکر شائع ہوئی۔ بحمد اللہ اس ناچیز کتاب کو علما حقانی نے قبول فرمایا اور پسند کی اور اکثر بزرگواروں نے مناظرات سُنی وشیعہ میں مستند اور امام قرار دیا اور اسکی صرف علماء اہل حق نے ہی قدر نہیں فرمائی۔ انصاف پسند اہل تشیع نے بھی اس کو وقعت کی نظر سے دیکھا۔ بلکہ اگر میں یہ دعویٰ کروں کہ میرے مخاطب میر فرزند حسین صاحب نے بھی اس کو لاجواب سمجھا تو کچھ بے موقع نہیں سترہ برس اس کی اشاعت کو ہو گئے اور آج تک برائے نام بھی انہوں نے یا کسی نے جواب کا نام نہ لیا۔ غالباً ان کے حیا وانصاف نے اجازت نہ دی ہوگی کہ ایسے صریح حق کے جو آفتاب سے بھی زیادہ روشن ہے اور ایسے مضبوط دلائل کے جو پہاڑ سے بھی زیادہ مستحکم ہیں باطل کرنے اور توڑنے پر کمر باندھی جاوے تو اُن کے قاعدہ مسلمہ کی رو سے یہ کتاب لاجواب ٹھہری۔ والحمد للہ علی ذلك۔

ہدایات الرشید میں مذہب تشیع خصوصاً امامت کے بطلان کے متعلق بحمد اللہ تعالیٰ عجیب وغریب مضامین لکھے گئے ہیں مگر اُس کی تالیف کے زمانہ میں ایک مبسوط مضمون اصول مذہب تشیع کے بطلان کے بارہ میں اجمالی طور پر میرے کان ودماغ میں گونجا کرتا تھا جس کی تفصیل کو بندۂ عاجز اپنے دست اختیار سے باہر سمجھتا تھا۔ کیونکہ مجھ جیسے بے مایہ کے قلم سے ایسے عالی مضامین کا نکلنا جو علماء متقدمین کے قلم سے بھی نہ نکلے ہوں اور میری ناقص طبیعت کی وہاں تک رسائی ہونا جس جگہ اُن کی عالی توجہ اور بلند پرواز التفات نے رسائی نہ فرمائی ہو ناممکن اور قریب محال تھا۔ کیونکہ ؎

پشہ چہ باشد کہ پرد بر فلک مور چہ باشد کہ دود با ملک

لیکن ساتھ ہی یہ بھی خیال کرتا تھا کہ ہدایات الرشید الی افحام العنید میں جو عجیب و غریب لاجواب بحثیں اور نئے انداز کے دلائل اور بلند مضامین میرے قلم سے نکلے ہیں وہ بھی تو کچھ میری طبع زاد نہیں ہیں اور ان کا ظہور کچھ میرا کمال اور نتیجہ ذہن و ذکا نہیں ہے بلکہ موجب شعر

در پس آئینہ طوطی صفتم داشتہ اند　　آنچہ استاد ازل گفت ہماں میگویم

ببرکت توجہات حضرت مخدوم العالم مجدد دین متین وارث علوم نبوت جامع بین الشریعۃ و الطریقۃ یعنی حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی مصداق شعر

برکفے جام شریعت برکفے سندان عشق　　ہر ہوسناکے نداند جام وسندان باختن

جو مضمون مبداء فیاض سے قلب میں بلا اختیار القا ہوتا تھا اس کا ظہور قلم سے ہو جاتا تھا ورنہ ؎

کہاں میں اور کہاں یہ نکہت گل　　نسیم صبح تیری مہربانی

اسی طرح جب کبھی حضور کی نظر کیمیا اثر اس طرف پھرے گی یہ اجمالی مضامین بھی تفصیلی لباس میں جلوہ آرا عالم ہو جائیں گے چنانچہ ہدایات الرشید کے اختتام اشاعت کے بعد زمانہ دراز گزر گیا اور ضعف پیری طبیعت پہ غالب ہو گیا اور مشغلہ تدریس زیادہ بڑھ گیا فراغت معدوم ہو گئی۔ اور وہ اجمالی مضمون ذہن میں سے ایسا نکل گیا گویا کبھی ذہن میں آیا ہی نہیں تھا بالکل نسیاً منسیا ہو گیا اور یقین ہو گیا کہ اب وہ مضمون کسی طرح میرے قلم سے پذیر نہ ہو سکے گا ناگاہ رحمت عامہ خداوند تعالیٰ شانہ جو عباد کی طرف کبھی کبھی متوجہ ہوا کرتی ہے متوجہ ہوئی اور اس نے ایسے اسباب فراہم کر دیئے جنہوں نے اس مبسوط مضمون نو مبول شدہ کے ظہور پر مجبور کیا تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ ایک سنی بچہ بھولا بھالا نئی روشنی والا ساکن سیتھل ضلع بریلی جس نے اپنی عمر کا بڑا حصہ تحصیل انگریزی میں صرف کر کے ایف اے کی ڈگری حاصل کی تھی اور اپنی سعی اور کوشش کو اس میں خرچ کیا تھا مذہبی اصول و فروع سے بالکل ناواقف و ناآشنا تھا۔ نہیں نہیں صرف ناآشنا ہی نہ تھا بلکہ مذہبی قیود سے اس کی طبع میں مقتضائے

رسم زمانہ کسی قدر آزادی بھی پیدا ہو گئی تھی مناظرہ و مباحثہ کے کوچہ سے بالکل نابلد تھا نہ وہ یہ جانتا تھا کہ مدعا کیا ہے نہ اس کو یہ خبر کہ دلیل کس کو کہتے ہیں نہ وہ اس سے واقف کہ دلیل سے مدعا کیونکر ثابت ہوتا ہے کہیں کسی عیار شیعہ کے اڑنگے چڑھ گیا پھر کیا تھا۔ اس کو ایک بےمثل علامۃ الدہر بنا کر اس کے نام سے جھٹ ایک کتاب تصنیف کر ڈالی حضرات شیعہ کی عام عادت ہے کہ ان کو کوئی کیسا ہی جاہل سنی ہاتھ لگ جائے اس کو بڑا عالم مشہور کر کے اس کے نام سے اشتہارات و سوالات شائع کرتے ہیں اس کے نام سے کتابیں تالیف کر کے اس کا دل بڑھاتے ہیں اور لذیذ سے لذیذ اور حسین سے حسین گرانبہا متاع کے ساتھ متمتع کرا کر حلقہ بگوش مذہب بنا لیتے ہیں۔ چنانچہ جب اس بچہ کو بہلا پھسلا کر اپنے ڈھنگ پر لے آئے تو اول حکیم امیر اللہ صاحب بریلوی کی خدمت میں بھیجا اور غرض یہ تھی کہ جب یہ بچہ ان کی مجلس میں جائے گا تو بالضرور حکیم صاحب بوجہ شفقت اسلامی و حمیت دینی کلمات پند و نصیحت فرماویں گے اور ہم کو موقع ملے گا۔ ہم مشتہر کریں کہ حکیم صاحب سے مولانا کاظم علی کی چنان وچنیں گفتگو ہوئی اور فاضل اجل مولانا کاظم علی غالب آئے اور حکیم امیر اللہ صاحب کو جواب نہ آیا اور محض ساکت ہوئے حالانکہ سب جانتے ہیں کہ شیعہ کتنا ہی فاضل ہو جائے اور اجتہاد کے درجہ کو پہنچا ہوا کیوں نہ ہو واقف اہل سنت کا ہرگز مقابلہ نہیں کر سکتا دیکھو آج تک جس قدر تحریری و زبانی مناظرات فیما بین فریقین واقع ہوئے کیا کبھی کسی مناظرہ میں حضرات شیعہ نے کامیابی حاصل کی ہے ہرگز نہیں بلکہ ہمیشہ مناظرات میں مصداق یولون الدبر کے رہے ہیں اور کیونکر پیشت ندیں اپنے ائمہ سے تعلیم ہی ایسی پائی ہے اگر خدانخواستہ حضرات شیعہ مذہبی مناظروں میں غالب ہو جائیں تو پھر بھی مذہب باطل اور جھوٹا ٹھہرتا ہے کیونکہ آئمہ تشیع کا جن کے لیے عصمت کا دعوے کیا جا رہا ہے کذب لازم آتا ہے۔

دوسرے ایک رسالہ مرآۃ الامام فی اثبات الخلافۃ اس کے نام سے شائع کرایا اس رسالہ میں اوّل چند اوراق پر حکیم امیر اللہ صاحب کے مناظرہ کا ذکر کر کے بعد ازاں

مولوی حامد حسین صاحب شیعی لکھنوی کے عبقات الانوار کے چند اجزاء کا ترجمہ کر دیا ہے۔ مولوی
حامد حسین صاحب نے مناظرہ کا ایک نیا اور نرالا ڈھنگ نکالا ہے آپ کو محض بے سود تطویل
عبارت کا شوق ہے اگر ایسی عبارت کو شیطان کی آنت کہا جاوے تو کچھ بے موقع نہیں ہوگا۔ بات
اصل یہ ہے کہ مناظرہ میں ہر ایک شخص یہ چاہتا ہے کہ میں اپنے خصم کو مغلوب کروں اور اس قدر
مغلوب کروں کہ جواب دہی سے عاجز ہو جاوے اور خصم کو جواب کا حوصلہ باقی نہ رہے۔ علماء اہل
حق نے تو اپنے خصم کے عاجز کرنے کا یہ طریق اختیار فرمایا کہ اس کے مذہب کے اصول کو ایسے
دلائل قویہ سے باطل کیا جاوے کہ اس کو گنجائش چون و چرا باقی نہ رہے اور بجز تسلیم اس کو کچھ
چارہ نہ ہو چنانچہ صواعق محرقہ لاہل الکفر والضلال والزندقہ مولانا خواجہ نصر اللہ صاحب کابلی
ثم المکی اور نیز تحفہ اثنا عشریہ حضرت استاد البریہ مولانا شاہ عبد العزیز صاحب دہلوی اور تالیفات
حضرت خاتم المتکلمین مولانا حیدر علی صاحب اور سوال از جمیع علماء شیعہ میرے عزیز مکرم
مولانا شاہ ولایت حسین صاحب اس پر شاہد عدل موجود ہیں صواعق کا اعجاز ظاہر و باہر ہے
کہ آج تک اس کا جواب شیعہ سے نہ ہو سکا تحفہ اثنا عشریہ کے تمام ابواب کا کوئی جواب نہ دے
سکا بعض علماء تشیع نے رفع ندامت کی غرض سے خاص خاص ابواب کا برائے نام جواب لکھا
چنانچہ تشئید المطاعن خاص باب مطاعن کا جواب ہے تقلیب المکائد خاص باب مکائد کا جواب
ہے اسی طرح نزہہ کشمیری بھی چند ابواب کا جواب ہے۔ چنانچہ جب یہ جوابات علماء تشیع کے
نزدیک بھی تحقیقی نہ سمجھے گئے تو مولوی حامد حسین صاحب لکھنوی کو مستقل جواب لکھنے کی ضرورت پڑی چنانچہ
آپ نے تحفہ کے جواب کا نام [illegible] رکھا تھا اور مشہور یہ ہے کہ تیس ضخیم جلدوں میں جواب
لکھا جس کا عبقات الانوار نام ہے اور وہ بھی تحفہ کے چند ابواب کا جواب تھا تمام تحفہ کا وہ
کوئی جواب نہ لکھ سکے اس سے تحفہ کا علو مرتبہ اور اعجاز مثل آفتاب نیمروز روشن ہے مولانا حیدر علی
صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے چھوٹے چھوٹے رسائل [illegible] رسالہ المکاتیب وغیرہ کا بھی کوئی جواب
نہ دے سکا مولانا [illegible] جواب کی کسی کو جرأت

نہ ہوئی البتہ صرف منتہی الکلام کے چند اوراق کا برائے نام جواب مولوی حامد حسین صاحب نے
لکھا جس کا نام استقصاء الافحام ہے۔ سوال از جمیع علماء شیعہ نہایت مختصر چند اوراق پر اصول تشیع
کے متعلق کیا گیا تھا۔ آج تک حالانکہ چھ سال اس کی اشاعت کو گذر چکے ہیں کسی نے برائے نام
بھی اس کا جواب تحریر نہ فرمایا۔ علماء تشیع کے متکلمین میں سے بعض نے تو اپنے خصم کے عاجز کرنے کا
یہ طریقہ اختیار کیا تھا کہ اپنی تحریرات میں خصم کو اور ان کے پیشوایان مذہب کو سب و شتم سے یاد کیا
بایں غرض کہ ایسی خلاف تہذیب تحریرات کو نہ خصم رغبت سے دیکھے گا بلکہ تنفر سے اعراض کریگا
اور نہ اُن کا جواب لکھے گا۔ مولوی حامد حسین صاحب نے یہ طریقہ اختراع کیا اور اپنی تحریر میں فضول
اور لغو بے انتہا تطویل کرنا اختیار کیا بایں وجہ کہ عرف میں جواب اسی وقت قابل وسعت سمجھا
جاتا ہے کہ اصل سے اضعاف مضاعف اور جب تحریر میں بے انتہا تطویل لاطائل کی جاویگی
تو خصم ہرگز تحریر جواب میں اپنا وقت ضائع نہ کرے گا اور گو فضول ہی سمجھ کر جواب نہ دے
تاہم جواب نہ لکھنا عجز پر محمول ہوسکے گا پس اول تو تطویل بجد ہی نا واقفوں کے نزدیک زیادت
علم وفضل کی دلیل ہوگی دوسرے خصم کا جواب نہ دینا عوام کے نزدیک اور بھی زیادہ موجب قدر و
وقعت ہوگا۔ اتفاقاً یہ رسالہ مرآۃ الامامہ کسی تقریب سے منشی محمد قاسم صاحب انجنٹ نقول کرنال کے
پاس پہنچ گیا مجھ کو معلوم نہیں کہ اُن کو کیا اسباب پیش آئے جنہوں نے اُن کے دل میں مرآۃ الامامہ
کے جواب کا داعیہ پیدا کر دیا یہ رسالہ ہرگز اس قابل نہ تھا کہ کسی کو بھی اس کے جواب کا خیال ہو
مگر خدا جانے منشی صاحب کو اُس کے جواب کا نہایت اہتمام کیوں ہوا منشی صاحب نے وہ
رسالہ اپنی عرضداشت کے ہمراہ حضرت رافع لوائے سنت ہادم قصر بدعت پیشوائے سالکان
طریقت مقتدائے رہروان حقیقت سرخیل اہل تجرید و تفرد سالار قافلہ اصحاب توحید و
تجرد شیخی وامامی ومولائی وسیدی ووسیلۃ یومی وغدی مخدوم العالم قطب ارشاد مولانا الحافظ
الحاج مولوی رشید احمد صاحب لا زالت الایام واللیالی بنور کراماتہ مستنیرۃ
کے حضور میں بھیجکر الحاح کے ساتھ درخواست کی کہ اس رسالہ کا جواب اپنے ادنیٰ کفش بردار

ناچیز خلیل احمد سے لکھوا دیں۔ واقعی اگر منشی صاحب یہ طریق اختیار نفرماتے تو ممکن نہ تھا، کہ میرا قلم اس رسالہ کے جواب کی طرف اُٹھتا کیونکہ نہ وہ رسالہ اس قابل تھا کہ اس کے جواب پر قلم اُٹھایا جاوے اور نہ میری ہمت و قوت میں اس قدر گنجائش تھی کہ اس بار کا متحمل ہوں مگر منشی صاحب کی درخواست پر حضور دام برکاتہم نے اپنے کرامت نامہ سے اس اپنے کمترین غلامان کو سرفراز فرمایا اور رسالہ مرآۃ الامامہ اور عریضہ منشی صاحب بھیج کر امر فرمایا کہ اس رسالہ کا جواب حسب درخواست لکھدیا جاوے۔ چند روز تک تو طبع میں نہایت اضطراب اور پیچ و تاب رہا کہ اگر جواب لکھوں تو کیونکر لکھوں نہ طبیعت میں ہمت و قوت نہ مشاغل سے فرصت نہ مضامین مستحضر نہ رسالہ قابل جواب کہ اُسکو دیکھ کر ہی طبع میں نشاط پیدا ہو ادھر اگر نہ لکھوں تو کیونکر نہ لکھوں حضور دامت برکاتہم کے امر شریف کا جس کے امتثال کے ساتھ دنیا و آخرت کی بہبودی وابستہ ہے کیا جواب دوں اور کس منہ سے اپنے آپ کو خدام میں شمار کروں بالآخر قہر درویش بر جانِ درویش جب کوئی چارہ نہ ہوا تو جواب کا ارادہ پختہ کیا اور دل میں ٹھان لی کہ جو کچھ ہو سو ہو اس رسالہ کا جواب لکھدوں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کی رحمت اور اُس کی امداد و اعانت پر بھروسہ کر کے قلم اُٹھایا اور جواب لکھنا شروع کر دیا۔ خواطر پریشان دو چار روز کی توجہ کے بعد مجتمع اور فراہم ہوئی ہی تھی کہ لطف ربانی نے دستگیری فرمائی اور وہ اجمالی مضامین جو قلب کی لوح سے مٹ چکے تھے اور نسیاً منسیا ہو گئے تھے تفصیلی لباس میں جلوہ افروز عالم ہونے شروع ہو گئے۔ ناظرین دقیقہ سنج خود ملاحظہ فرمائیں گے کہ یہ مضامین و مباحث اصول مذہب کے ہی متعلق ہیں فروع مذہب کے ساتھ کسی جگہ تعرض نہیں کیا گیا الا بضرورت اور اُس کی وجہ یہ کہ فرعیات میں بحث و گفتگو سے کوئی معتد بہ نتیجہ حاصل نہیں ہوتا اُن کا مدار خود ہی دلائل ظنیہ پر ہوتا ہے اسی واسطے اجتہادیات باوجود غلبۂ صواب محتمل خطا ہوتے ہیں۔ تو اگر کسی فرعی مسئلہ کی تغلیط ہوگئی تو اصل مذہب کو اوس کا صدمہ ضرر رساں نہ ہوگا اور اصول اعتقادیات پر دار و مدار مذہب ہوتا ہے اگر اُن میں سے ایک اصل اعتقادی باطل ہو جائے بلکہ اگر ایک اصل

اعتقادی دلیل قطعی سے ثابت نہ ہو تو یہ تمام مذہب کے بطلان کے لئے کافی ہے اس لئے اس رسالہ مرآۃ الامامہ کے جواب سے پیشتر بطور تمہید و مقدمہ مباحث مذکورہ لکھے گئے ہیں مقدمہ میں بالاجمال ثابت کیا گیا ہے کہ اہل تشیع کے اصول تشیع کے اثبات کے لئے الٰہیات سے لے کر معاد تک کوئی قطعی دلیل نہیں اور بطور انتخاب اُن اصول اعتقادیات کی تفصیل لکھی ہے جو تشیع کے ساتھ اس وقت مخصوص ہیں اور تفصیل لکھ کر ہر ایک اصل کی نسبت نام بنام دعویٰ کیا ہے کہ یہ اصل کسی دلیل قطعی سے ثابت نہیں ہے اور اسی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ اس کے بعد نہایت مستعدی کے ساتھ یہ بھی دعویٰ کیا ہے کہ ہر ایک اصل مذہب تشیع کی نقیض ان دلائل سے جن کو علماء مذہب اپنے گمان میں قطعی سمجھتے ہیں اور اس قسم کے دلائل سے اپنے مسائل اعتقادیات کرتے ہیں ثابت ہوتی ہے پھر ہر ایک اصل مذہب کی نقیض کو ان مذہبی دلائل سے ثابت کیا ہے جن کے قبول و تسلیم کرنے میں کسی اہل حیا و انصاف کو علماء شیعہ میں سے تردد و تامل نہیں ہو سکتا۔ اس مقدمہ کے بعد اگرچہ رسالہ کے جواب کی ضرورت باقی نہیں رہی اور طول بھی اُس میں کسی قدر زیادہ ہو گیا ہے تاہم مرآۃ الامامہ کے جواب سے بھی پہلوتہی و اغماض نہیں کیا گیا ہے اُس کا جواب بھی انشاء اللہ تعالیٰ آخر میں ملاحظہ سے گزرے گا۔

تمام علماء اہل تشیع کی خدمت میں التماس ہے کہ تا وقتیکہ آپ حضرات اپنے اصول مذہب کو قطعی دلائل کے ساتھ حسب درخواست خصم ثابت نہ فرمائیں اور جن دلائل مذہبی سے نقیض اصول اعتقادیات ثابت ہوتا ہے ان کا کافی اور معقول جواب نہ دیویں اس وقت تک کسی مسئلہ میں اہل حق کے ساتھ مقابلہ و مباحثہ کا ارادہ نہ کریں کیونکہ یہ سخت بے حیائی ہے کہ اپنے تو اصول اعتقادیات کی بھی خبر نہ لیں اور خصم کی فروعات پر نکتہ چینی کریں۔

ادھر علماء اہل حق کی خدمت میں بھی گزارش ہے کہ اگر حضرات اہل تشیع گفتگو و مباحثہ کا سلسلہ چھیڑیں آپ بھی جب تک اصول مذہب کا فیصلہ نہ کر لیں اور اصول مذہب تشیع ثابت نہ کرا لیں کسی دوسرے مسئلہ میں گفتگو شروع نہ کریں۔

چونکہ مسائلِ اعتقادیہ میں سے فی ما بین فریقین سب سے زیادہ اختلاف و نزاع مسئلہ امامت میں ہے لہٰذا اس رسالہ میں اُسی کو مقدم کیا ہے اس کے بعد مسائل خلافیہ الٰہیات و نبوت و معاد کو بیان کیا گیا ہے۔

اگرچہ یہ ناچیز رسالہ حضور دام برکاتہم کی رفیع جناب کی طرف نسبت ہونے کے قابل نہیں ہے تاہم جو کچھ ہے وہ حضرت ہی کی نظر کیمیا اثر کا طفیل ہے ؎

شکر فیض تو چمن چون کند اے ابر بہار	که اگر خار و گر گل ہمہ پروردۂ تست

لہٰذا اُس کو حضور دام برکاتہم کے نام نامی اور اسم سامی کے ساتھ وابستہ کرتا ہوں اور آپ کی ہی رفیع جناب میں یہ ہدیۂ حقیر پیش کرتا ہوں ؎

شاہان چہ عجب گر بنوازند گدا را

اور اس کو مطرقۃ الکرامہ علیٰ مراۃ الامامہ کے نام سے موسوم اور قیامہ علیٰ اہل الامامہ کے لقب سے ملقب کرتا ہوں وھو حسبی ونعم الوکیل ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔

جواب تمہید مراۃ الامامۃ ایف اے صاحب خطبہ کے بعد وجہ تالیف رسالہ بایں خلاصہ لکھتے ہیں کہ ابتدائے سن شعور سے یہ حقیر مثل اپنے بعض اعزہ کے سُنی المذہب تھا لیکن بوجہ اختلاف ہر دو مذہب کے طبع مشوش رہتی تھی اور چاہتا تھا کہ فریقین کے اقوال میں تامل کرکے وجوہ نزاع دریافت کردن اور دریافت کردن اور مذہب حق کو باطل سے جدا کردن لیکن طلب زبان انگریزی مانع رہی، جب اُس سے فراغ حاصل ہوا کتب فریقین کو بلا تعصب دیکھنا شروع کیا تو اصول دین میں توحید سے معاد تک اور فروع میں نماز سے جہاد تک بڑا اختلاف پایا کتب کلامیہ فریقین کو دیکھتا رہا اور خدا سے بہ تضرع دعا کرتا رہا کہ راہ حق کی ہدایت فرماوے۔ آخر ثابت ہوگیا کہ مذہب شیعہ حق ہے کیونکہ حدیث متفق علیہ کو جس میں تمسک کتاب اللہ او رعترت کا حکم ہے میں نے معیار پایا قرآن اور اہلبیت کے اتحاد سے

یہ بھی ظاہر فرمایا کہ قرآن پر جب ہی عمل ہو سکتا ہے جب اہلبیت کے حکم کے مطابق ہو الغرض جب اُس معیار کو پیش نظر رکھ کر دیکھا تو دعویٰ اہل تشیع کو تمسک اہل بیت میں صادق پایا۔ تمام علوم دینیہ میں اس فرقہ کا دارمدار اہل بیت عصمت پر ہے اور تمام اقوال و افعال برونق ارشادات اہلبیت ہیں۔ اور معتمدین اہل سنت کے اقوال ائمہ اہل بیت کی نسبت لکھتے ہوئے کانپتا ہوں کسی کو روایت کے قابل نہیں سمجھتے کسی سے مسائل مشکلہ پوچھتے ہیں کہ بادشاہ وقت کی خوشی کے مطابق عجز و جہل ظاہر ہو کسی کی نسبت کہتے ہیں کہ اس کو فلاں عالم سے پڑھنا چاہیئے تھا خلافت کا معاملہ تو اظہر من الشمس ہے کہ باوجود نصوص غیر محتمل التاویل نفس رسول کو چھوڑ کر غیروں کو خلیفہ اور پیغمبر مانتے ہیں اور نصوص میں دور از کار تاویلیں کرکے چاند پر خاک ڈال رہے ہیں۔ چنانچہ مشتے نمونہ حدیث غدیر کا کسی قدر ذکر کیا ہے تاکہ ناظرین دیکھیں کہ نص متواتر میں کیسے مہمل شبہات پیدا کئے ہیں القصہ جب مجھ کو بعد تحقیق حقیقت مذہب امامیہ اثنا عشریہ کا یقین ہوگیا تو میں نے اپنا مذہب ظاہر کردیا، اس پر علاوہ نصائح و مناظرات کے مجھ کو بلایا و مصائب کا سامنا ہوا طرح طرح کی اذیتیں اور تکلیفیں پہنچیں اور اسی اثنا میں مولوی امیر اللہ صاحب ساکن ضلع پیلی بھیت نے مجھ کو جبلپور بلاکر تادیر گفتگو کی اور کسی دلیل سے افضلیت ابوبکر و حقیت مذہب اہل سنت ثابت نہ کرسکے اور بعد کئی روز کے چار سوال لکھ کر میرے پاس بھیجے میں بہ تفصیل ہر ایک کا جواب بعنوان فرمائش و گذارش لکھتا ہوں تاکہ ناظرین فریقین ملاحظہ فرماویں اور داد انصاف دیں انتہی ملخصاً۔

اقول وبہ اصول ولاحول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم ایف اے صاحب کا رسالہ اہل علم جانتے ہیں کہ اس قابل نہیں کہ اہل علم کے روبرو پیش بھی ہو چہ جائیکہ اُس کی طرف توجہ فرمائیں اور اس کا جواب لکھیں ایف اے صاحب ابھی بچے ہیں اکثر حصہ عمر کا تحصیل انگریزی میں صرف کیا بعد ازاں ملازمت کے سلسلہ میں پابند ہوئے اور اس میں ایسی مشغول ہے کہ فرصت نہیں ملتی چنانچہ لکھتے ہیں کہ "بسبب کثرت اشتغال ملازمت سرکاری بالکل مہلت نہیں ملتی" اور اگر اس اثنا میں بھاگتے دوڑتے کچھ فرصت مل بھی گئی تو اس دریائے ناپید اکنار تحقیقات مذہبی

کے عبود کے لئے کیونکر کافی ہو سکتی ہے لہٰذا اس آپ کی تحریر سے آشکارا ہے کہ نہ آپ اپنے جدید مذہب سے آشنا ہیں اور نہ قدیم مذہب سے واقف نہ دلیل کی خبر نہ مدعا کے ساتھ ربط پھر اس پر کیا آپ کی تحقیقات مذہب اور کیا آپ کا رسالہ حسب مثل مشہور کیا پدی کیا پدی کا شوربا کوئی اگر جواب لکھے تو کاہے کا لکھے اور توجہ کرے تو کس کی طرف کرے اطنین اجنحۃ الذباب یضیر لیکن چونکہ آپ نے تحقیقات مذہبی کا شوق و شغف ظاہر فرمایا۔ لہٰذا خیال ہوا کہ آپ کو طریقہ تحقیقات کا بتلا دیا جائے جو بروئے عقل و نقل صحیح ہے اس کے مطابق آپ تحقیقات فرمائیں پھر اگر حقیقت مذہب اثنا عشریہ کا نام بھی زبان پر لیویں تو ہم گنہگاری دیویں۔ اور بعد اُس کے مختصراً آپ کے اقوال کا جواب لکھ دیا جائے گا اور مواقع خطاء پر متنبہ کیا جاوے گا۔

مذہب کی حقیت و بطلان کا مدار صرف اصول اعتقادیات پر ہے

پس واضح ہو کہ نہ فروعی اختلاف موجب حرج ہے اور نہ اُس پر مدار مذہب کے حق و باطل ہونے کا ہے چنانچہ صدہا مسائل میں فیما بین فقہائے شیعہ اختلاف ہو رہا ہے اور ایک دوسرے کی تضلیل نہیں کرتا۔ لہٰذا محل ابطال مذہب میں فروع کو ذکر کرنا بے سود ہے مگر ہاں جبکہ ابطال فروع متضمن ابطال اصول ہو تو مضائقہ نہیں چنانچہ اہل سنت بعض فروع کا ذکر بطور اعتراض کرتے ہیں اور مطلب یہ ہوتا ہے کہ شیعہ کے نزدیک عقل حاکم ہے اور یہ فرع اس کے خلاف اور اُس کے مبطل ہے۔ البتہ مذہب کی حقیت و بطلان کا مدار اصول اعتقادیات پر ہے اگر وہ ٹھیک اور مطابق دلائل قطعیہ ہیں تو مذہب بھی حق ہے ورنہ مذہب باطل۔ پس اختلاف اصول موجب بطلان احد المذہبین ہوگا کیونکہ حقیقی اختلاف کی صورت میں دونوں کا حق ہونا ناممکن ہے۔

اور جب اصول اعتقادیات میں غور کیا جاتا ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ اعتقادیات میں الٰہیات و نبوت و معاد کا اعتقادی ہونا متفق علیہ بین الفریقین ہے البتہ بعض جزئیات تفصیلیہ ان مباحث میں نزاع و خلاف ہے اور امامت میں ابتدا ہی سے خلاف واقع ہو رہا ہے کہ اہل تشیع اُس کو اصول اعتقادیات میں اعتقاد کرتے ہیں اور اہل تسنن اس کو فرعی فرماتے ہیں اور بعد

اس کے تمام جزئیات تفصیلیہ امامت میں خلاف ہے جو آئندہ معروض ہوگا۔ پس مجتبیٰ صاحب ایڈیٹر خصوصاً اور جس کو تحقیق مذہبی کا شوق ہو عموماً غور فرماویں کہ خداوند عالم جل و علا شانہٗ نے قرآن پاک میں ادنیٰ ادنیٰ فروعی مسائل کو بیان فرمایا ہے اور اعتقادیات کو تو جگہ جگہ صراحت و وضاحت کے ساتھ مکرر سکرر بیان فرمایا ہے کیونکہ اعتقادیات اصول شرائع ہیں اور اساس مذہب تو زیادہ اہتمام کے قابل ہیں اور بیان فرمایا ہے کہیں احدیت کا اثبات ہے کہیں نفی بشریک کلمہ توحید کے ساتھ ہے کہیں نہی عن الاشتراک ہے کہیں ایمان کا حکم ہے اور نبوت کو بھی اسی طرح مختلف پیرایوں میں بیان فرمایا ہے نبوت و رسالت کا بھی ذکر ہے خدائے تعالیٰ شانہٗ ایمان رسول کو مقارن اپنے ایمان کے فرماتا ہے کہیں وصف رسالت کے ساتھ رسول کا نام ذکر فرمایا کہیں مبشر فی الانجیل فرمایا ہے علیٰ ہذا معاد کا بھی ذکر مختلف سورتوں میں مختلف صور کے ساتھ فرمایا ہے پس اس قاعدہ کے موافق ضرور ہے کہ جو امر اصلی اعتقادی ہو وہ صراحۃ و وضاحت کے ساتھ کتاب اللہ میں ضرور مذکور ہو ورنہ یہ بالبداہت خلاف عقل ہے کہ امور فروعی غیر ضروری کو تو باہتمام بیان فرماوے اور اعتقادی مہتم بالشان کا ذکر بالکل چھوڑ دے یا مجمل اور مہمل طور پر فرماوے۔

تفصیل ان اعتقادیات کی جن میں فیما بین اہل سنت و اہل تشیع اختلاف ہو رہا ہے

اب سب سے پہلے مسئلہ امامت کو لیجئے کہ اس میں من اولہا الی آخرہا بین الفریقین خلاف ہے چنانچہ عرض ہو چکا ہے کہ اہل سنت اُس کو فرعی عملی فرماتے ہیں اور اہل تشیع اصلی اعتقادی۔ پس جو فریق اس کو فرعی کہتا ہے وہ اُس کی تمام جزئیات کو فرعی کہتا ہے اور جو اصلی اعتقادی کہتا ہے وہ اُس کی تمام جزئیات کو اصلی اعتقادی کہتا ہے تو اس وجہ سے اس مسئلہ امامت میں بہت سے مسائل مختلف فیما بین الفریقین پیدا ہو گئے جن کی تفصیل مجملاً یہ ہے۔

(۱) نفس امامت فرعی عملی ہے یا اصلی اعتقادی مثل توحید و نبوت تا ایمان لانا اُس پر فرض ہو (۲) جناب علی کرم اللہ وجہہ کا خلیفہ بلافصل ہونا (۳) جناب امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا خلیفہ دوم ہونا (۴) جناب امام حسین رضی اللہ عنہ کا خلیفہ سوم ہونا (۵) ہر ایک ائمہ

مابعد کا امام ہونا (۶) امامت کا اولادِ امام حسین رضی اللہ عنہ میں منحصر ہونا (۷) امام غائب کا صدہا سال تک غائب رہنا (۸) امام آخر الزماں کا طویل العمر ہونا (۹) ائمہ کا عدد دوازدہ میں محصور ہونا (۱۰) امام کا معصوم ہونا (۱۱) امام کا منصوص ہونا (۱۲) امام کا اپنے زمانہ میں سب سے افضل ہونا (۱۳) ائمہ کا مدت العمر تقیہ میں بسر کرنا (۱۴) ائمہ پر کتاب مختوم بخواتم الذہب کا نازل ہونا (۱۵) امام کی موت وحیات اُن کے دستِ اختیار میں ہونا (۱۶) امام کا عالم ما کان و مایکون ہونا (۱۷) ائمہ کا سوائے حضرت رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے تمام خلق سے افضل ہونا (۱۸) ائمہ پر تقیہ کا واجب ہونا (۱۹) خلفائے ثلثہ اور ام المومنین عائشہ اور طلحہ و زبیر رضی اللہ عنہم سے تبرّی کرنا۔ ان تمام مسائل جزئیہ میں حضرات شیعہ مدعی ہیں کہ ہر ایک ان میں سے اصلی اعتقادی ہے اور ایمان اُس پر واجب ہے اور انکار اُس کا کفر ہے اور اہلِ حق منکر ہیں اور فرماتے ہیں کہ نہ امامت اصلی اعتقادی نہ اُس پر اور اُس کی جزئیات پر ایمان لانا واجب اور نہ انکار کفر۔

پس حسب قاعدۂ مسلّمِ فریقین بارِ ثبوت حضرات شیعہ کے ذمہ ہے اور چونکہ یہ مسائل اصلی اعتقادی ہیں لہٰذا اُن کے ثبوت کے لئے بھی دلیل قطعی غیر محتمل التاویل ہونی چاہیئے اور سب سے اوّل لابد ہے کہ قرآن مجید میں مصرح و مشرح اس کا ذکر ہو اور احتمال تحریف اور غلطی سے پاک ہو۔ اس کے بعد الٰہیات کو دیکھیئے اُس میں بہت وجوہ سے اختلاف ہے مگر الٰہیات کا اصلی اعتقادی ہونا مسلّم الثبوت فریقین ہے البتہ اُس کی بعض جزئیات میں اختلاف ہے بطور نمونہ چند مسائل مختلف فیہا لکھتا ہوں۔

حضرات شیعہ کا عقیدہ ہے کہ خداوند قدیر جل وعلا شانہ پر بندوں کی عقل حاکم ہے اور وہ محکوم عقل ہے عقل جس فعل کو قبیح کہے خدا تعالےٰ پر بحکم عقل واجب و لازم ہے کہ وہ فعل ترک کرے اور اگر وہ فعل حسن اور لطف ہے تو بحکم عقل اُس کا کرنا خدا تعالیٰ پر واجب ہے۔ حاصل یہ ہے کہ جیسے بندے خدا تعالیٰ کے حکم کے محکوم ہیں کہ بندوں کو اُس کے امر و نہی کی مخالفت جائز نہیں ہے اسی طرح خُدا تعالیٰ بھی بندوں کی عقل کا محکوم ہے کہ اُس کو عقل کے حکم کی مخالفت جائز نہیں اور خلاف

حکم عقل کچھ نہیں کرسکتا اور اہلِ حق کے نزدیک خُدا تعالیٰ سب پر حاکم ہے اور سب اس کے زیرِ فرمان ہیں اُس پر کوئی چیز حاکم نہیں عقل کی کیا مجال کہ اس پر حاکم ہو۔ سبحان ربك رب العزة عما یصفون۔

ذکرِ بدا [1]

حضرات شیعہ معتقد ہیں کہ خداوند علیم وخبیر جل وعلا شانہٗ بدا کے ساتھ متصف ہے اور بدا کے یہ معنی ہیں کہ خدا تعالیٰ کسی کام کا ارادہ یا حکم فرماوے اور بعد اُس کے معلوم کرے کہ یہ امر خلاف مصلحت ہوا اور مصلحت کسی دوسرے امر میں ہے اس لئے امر اوّل کو ترک فرمائے جو خلاف مصلحت تھا اور دوسرے امر موافق مصلحت کا از سر نو حکم یا ارادہ فرماوے جس کا حاصل یہ ہے کہ خدا تعالےٰ ناعاقبت اندیش اور عواقب امور سے مطلق جاہل ہے اور یہ عقیدۂ شنیعہ تمام محدثین اور مفسرین شیعہ ائمہ سے نقل کرتے ہیں انکار کی گنجائش نہیں مگر چونکہ بعض ناواقف شیعہ اپنے اس عقیدے سے بوقت دار و گیر اہلِ حق انکار کر دیتے ہیں لہٰذا اس کے ثبوت کے لئے ہم ایک روایت اصول کافی کلینی [لہ] کی جو اس کے صفحہ (۱۶۲) پر ہے اور ایک عبارت رئیس المتاخرین سید المتکلمین سید دلدار علی صاحب کی اساس مطبوعہ لکھنؤ صفحہ ۲۱۹ سے نقل کرتے ہیں روایت کافی بایں الفاظ ہے۔

علی بن محمد عن اسحق بن محمد عن ابی ھاشم الجعفری قال کنت عند ابی الحسن بعد ما مضے ابنہ ابوجعفر و انی لافکر فی نفسی ارید ان اقول کانھما اعنی ابا جعفر و ابا محمد فی ھذا الوقت کابی الحسن موسےٰ و اسمٰعیل ابنی جعفر بن محمد وان قصتھما کقصتھما اذ کان ابومحمد المرجا بعد ابی جعفر فاقبل علی ابوالحسن قبل ان انطق فقال نعم یا اباھاشم بدا للہ فی ابی محمد بعد ابی جعفر مالم یکن یعرف لہ کما بدا لہ فی موسی بعد مضے اسمٰعیل ما کشف بہ من حالہ وھو کما حدثتك نفسك وان کرہ المبطلون۔

اور عبارت اساس الاصول یہ ہے۔

لہ اصول کافی ص ۳۲۷ جدید طبع جدید مطبوعہ ایران ۱۳۸۸ھ ۔ شیر محمد علوی غفرلہ

اما الاعتقادات التی لیست من تلک المثابة کبعض خصوصیات الرجعة وذھاب بعض الایات عن کتاب اللہ تعالیٰ وامثال ذلک فالمخطئ فیه معذور فانا بعد الرجوع الی وجداننا لانجد فرقاً بین المسائل الاجتهادیة الفروعیة وبین تلک المسائل فی عدم ظهور الدلائل القاطعة فیهما ولذا تری جماکثیرا من اجلاء علمائنا مختلفین فیها منها جواز السهو علی النبی صلی اللہ علیه وسلم الذی قال به ابن بابویه واحاله الباقون وھکذا ذکر ذھاب بعض الایات عن الکتاب وانکر القول بالبداء المحقق الطوسی وانکر بعض خصوصیات الرجعة الشهید الثالث السید السند مولانا نور اللہ الشستری وامثال ذلک کثیر

ترجمہ روایۃ اصول کافی :- علی بن محمد اسحٰق بن موسیٰ سے راوی ہے اور وہ ابو ہاشم جعفری سے روایت کرتے ہیں کہ ابو ہاشم نے کہا کہ میں امام ابو الحسن کے پاس ان کے فرزند ابو جعفر کی وفات کے بعد تھا اور میں سوچتا تھا کہ یہ عرض کروں کہ اس وقت یہ دونوں ابو جعفر اور ابو محمد مثل فرزندان امام جعفر موسیٰ اور اسمٰعیل کے ہیں اور دونو کا قصہ یکساں ہے کیونکہ ابو محمد بھی بعد ابو جعفر امام ہوئے اس سے پیشتر کہ میں کچھ کہوں امام ابو الحسن میری طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا ہاں ابو ہاشم تیرا خیال صحیح ہے اللہ کو ابو جعفر کے بعد ابو محمد کے بارہ میں بدا واقع ہوا اور وہ امر ظاہر ہوا جو پیشتر اس پر ظاہر نہ ہوا تھا جس طرح اسمٰعیل کے بعد موسیٰ کے بارہ میں بدا ہوا تھا اور یہ امر یوں ہی ہے جس طرح تیرے دل میں گزرا اگرچہ اہل باطل برا مانیں۔

ترجمہ روایۃ اساس :- وہ مسائل اعتقادیہ جو اس پلہ کے نہیں ہیں جیسے رجعت کے بعض خاص مسائل اور نقصان آیات قرآنی وغیرہ ان میں خطا کرنے والا معذور ہے کیونکہ جب ہم

اپنے وجدان کی طرف رجوع کرتے ہیں تو مسائل فرعیہ اجتہادیہ میں دلائل قطعیہ نہ ہونے کے اعتبار سے کوئی فرق نہیں پاتے۔ ازاں جملہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر سہو کا جائز ہونا جس کا ابن بابویہ قائل ہوا ہے اور باقی ماندہ تمام علماء نے ناممکن کہا ہے اور اسی طرح کتاب اللہ میں سے بعض آیات کا نکلنا اور نیز بدا کے قائل ہونے سے محقق طوسی نے انکار کیا اور نیز بعض مسائل رجعت سے شہید ثالث سید السند مولانا نور اللہ شستری نے انکار فرمایا۔ ور اس قسم کے اور بھی مسائل بہت ہیں ۱۲۔ (ترجمہ از حضرت مولانا عاشق الٰہی میرٹھیؒ)

اس عبارت سے صاف وصریح واضح ہے کہ بدا کا صرف محقق طوسی نے انکار کیا ہے اور سوائے ان کے تمام علماء کا متفق علیہ ہے اور ظاہراً محقق طوسی کے انکار کی یہی وجہ ہوگی کہ محقق صاحب ایک فلسفیانہ خیال کے آدمی ہیں جب ان کی عقل نے اس کو جائز تسلیم نہ کیا تو انہوں نے بمقابلہ اپنی عقل کے روایات ائمہ کو جو اس بارہ میں مروی ہوئی ہیں قابل قبول و اعتماد خیال نہ کیا اور غالباً عدم قبول روایات کی وجہ یہ ہوگی کہ رواۃ ائمہ اور منتہائے سلسلہ سند بالعموم الاماشاء اللہ مجسمہ اور مشبہہ اور بد دین و اتقیہ وغیرہ ہیں تو ایسے بدیہی امر میں انکی روایت ہرگز قابل اعتماد نہ ہوگی بلکہ فی الحقیقت وہ اس قابل ہیں کہ کوئی روایت ان کی قبول نہ کی جاوے مگر چونکہ مدار دین کا ان کی روایات پر ہے اگر ان کی روایات قبول نہ کریں تو دین تشیع ہاتھ سے جاتا ہے لہٰذا بمجبوری قبول کی جاتی ہیں اور اس مسئلہ میں عقل رہبر موجود ہے یہاں قبول کرنا ضرور نہ ہوا اور سید دلدار علی صاحب نے اپنے حاشیہ منہیہ میں جو اس عبارت پہ تحریر فرمایا یہ قضیہ ہی فیصل فرما دیا وہ تحریر فرماتے ہیں[1]۔

واعلم ان البداء لا ینبغی ان یقول به احد لانه یلزم منه ان یتصف الباری تعالیٰ بالجهل کما لا یخفی ۱۲

معلوم رہے کہ بدا کا قائل ہونا کسی کو شایاں نہیں کیونکہ اس سے یہ لازم آتا ہے کہ باری تعالیٰ شانہ جہل کے ساتھ متصف ہو چنانچہ یہ امر مخفی نہیں ہے ۱۲ (ترجمہ از مولانا میرٹھیؒ)

[1] نیز ملاحظہ ہو اصول کافی کا حاشیہ نمبر۲ ص۳۲۷ ج۱ طبع جدید ایران ۱۲ علوی غفرلہ

بعض منہ زور جو بداء کو نسخ کے ساتھ مشتبہہ کرتے تھے اس عبارت نے اُس کو بھی باطل کر دیا اور فرما دیا کہ بداء کا قائل ہونا خدا ئے تعالےٰ کو متصف بجہل کہنا ہے پس سوائے محقق طوسی اور سید دلدار علی کے جو اکابر شیعہ اور مجتہدین اور ائمہ بداء کے قائل ہوئے انہوں نے خدا تعالیٰ کو جاہل اعتقاد کیا اب معلوم نہیں کہ وہ مومن بھی اپنے اس عقیدہ کفریہ کی وجہ سے باقی رہے یا محقق اور سید دلدار علی کے نزدیک تشیع کے لئے ایمان شرط نہیں ہے خیر ہم کو اس سے کچھ بحث نہیں وہ محقق طوسی اور سید دلدار علی کے نزدیک مومن ہوں یا نہ ہوں پر ہمارا مدعا کہ اہل تشیع بداء کے معتقد ہیں جو نہایت شنیع و قبیح اور کفر ہے ثابت ہو گیا والحمد للہ علی ذلك ۔

(۳) حضرات شیعہ معتقد ہیں کہ بندہ کے افعال کا خالق خدا تعالیٰ نہیں ہے بلکہ خود بندہ ہے خدا تعالےٰ کو بندہ کے افعال کے پیدا کرنے میں کچھ دخل نہیں بلکہ تمام حیوانات چرند و پرند و حشرات جو اعمال و افعال کہ اپنے ارادہ سے کرتے ہیں خدا تعالےٰ کو ان کے پیدا کرنے میں کچھ دخل نہیں ہے وہ خود اپنے افعال ارادیہ کے خالق ہیں اور حضرات کا یہ عقیدہ زنادقہ مجوس سے ماخوذ ہے کہ خالق قبایح و شرور کو سوائے ذات یزدان کے مخلوق اہرمن قرار دیتے ہیں صرف اتنا فرق ہے کہ مجوس نے تو ایک ہی شریک پر اکتفا کیا تھا اور ان حضرات مدعیان اسلام نے لکھوکھا شریک بنا ڈالے اور ہر ایک مور ضعیف اور خر لنگ اور سگ ناپاک کو شریک الوہیت ٹھہرا دیا پھر اس پہ جناب ائمہ سے جو لقب ان حضرات مدعیانِ تشیع و ولاء کو عنایت ہوا ہے لائق دید ہے کہ وہ فرماتے ہیں القدریۃ مجوس هذه الامة ارادوا ان یصفوا الله تعالےٰ بعدله فاخرجوه من سلطانه ۔

(۴) اکثر حضرات شیعہ معتقد ہیں کہ کلام اللہ میں صحابہ نے بعد وفات جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تحریف کی اور صدہا روایات صحیحۂ ائمہ سے اس عقیدہ کے ثبوت میں نقل کرتے ہیں[1] اور بعض شیعہ جو اپنے آپ کو ذرا محقق سمجھ بیٹھے ہیں وہ وقوع تحریف کے بالمرہ منکر ہیں اور بعض مذبذبین بین ذلک ہیں اور فرماتے ہیں کہ تحریف بالزیادۃ تو نہیں

[1] علامہ نوری شیعی نے اس مسئلہ کے اثبات کے لئے ایک مستقل کتاب تصنیف فرمائی ہے جس کا نام ہے فصل الخطاب فی اثبات تحریف کتاب [illegible] محمد علوی غفرلہٗ

ہوئی۔ البتہ تحریف بالنقصان ضرور واقع ہوئی ہے اس کی تفصیل آئندہ بحث قرآن میں واضح ہوگی۔

(۵) بعض اساطین شیعہ جن پر دار و مدار تشیع ہے اور ماخذ مرویات مذہب اور بلا واسطہ شاگرد ائمہ ہیں چنانچہ ہشام بن الحکم ہشام بن سالم اور جوالیقی اور صاحب الطاق اور میثمی خداوند تعالیٰ شانہ کے جسم اور صورت کے قائل ہیں۔ کوئی کہتا ہے کہ خدائے تعالیٰ ایک جسم طویل عریض عمیق متساوی الابعاد ہے جیسی ڈھلی ہوئی چاندی اور کوئی کہتا ہے کہ اُس کی صورت مثل صورت انسان کے ہے اور اعضا و حواس خمسہ مثل انسان کے ہیں اور کانوں کی لو تک سیاہ بال ہیں بعضے کہتے ہیں کہ وہ آدھا خالی ہے اور آدھا ٹھوس ہے۔ وللہ در القائل ؎

گر ہمیں مکتب و ہمیں ملّا ۔۔۔ کار طفلاں تمام خواہد شد

نبوت و معاد کے متعلق بعض اصول خلافیہ

اب چند خلافیات مسائل نبوات و معاد کے متعلق بھی سن لیجئے اور نبوت و معاد بھی مثل الہیات بالاتفاق اصول اعتقادیہ میں سے ہے (۱) حضرات شیعہ معتقد ہیں کہ انبیاء و رسل سے ائمہ افضل ہیں کہ انبیاء بطفیل ائمہ پیدا ہوئے ہیں اور تمام انبیاء سابقین سے ولایت ائمہ اور اطاعت کا عہد و میثاق لیا گیا اور ائمہ کے انوار سے انبیاء اقتباس فرماتے تھے بعض انبیاء نے مراتب ائمہ کا حسد کیا اور اپنے مرتبہ سے گر گئے اور بعض انبیاء کی توبہ بوساطت ائمہ قبول ہوئی اور قیامت میں انبیاء جناب امیر کے پیچھے پیچھے چلیں گے اور جناب امیر ان کے پیش رو ہوں گے (۲) حضرات شیعہ معتقد ہیں کہ جناب امیر پر فرشتہ نازل ہوتا تھا جس کی آپ آواز سنتے تھے اور صورت نہیں دیکھتے تھے اور امام کو نسخ احکام شرعیہ کا اختیار ہے اور تمام تحلیلات و تحریمات اُس کے قبضہ میں ہیں[1] جس کو چاہے حلال کرے اور جو چاہے حرام کرے تو گو بظاہر ختم رسالت کے قائل ہوئے ہیں مگر درحقیقت ختم رسالت و نبوت کے منکر ہیں (۳) حضرات شیعہ معتقد ہیں کہ بعث عباد قیامت میں خدا تعالےٰ پر واجب ہے (۴) حضرات شیعہ علاوہ قیامت کبریٰ کے ایک دوسرے معاد کے قائل ہیں جس کو رجعت اور قیامت صغریٰ کہتے ہیں اور بیان کرتے ہیں کہ یہ رجعت دار دنیا میں جو دار تکلیف ہے نہ

[1] ملاحظہ ہو اصول کافی ص۲۴۱ جلد ۱ طبع جدید ایران ۔ علوی

دار جزا، بعد ظہور امام مہدی اور قبل خروج دجال واقع ہوگی حاصل کلام یہ ہے کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم اور وصی اور سبطین وغیرہ ائمہ اور اُن کے دشمن خلفاء ثلثہؓ اور معٰویہؓ و عائشہؓ[1] و یزید و مروان وغیرہ قاتلان ائمہ زندہ کئے جائیں گے اور عوض دلوایا جائے گا اور ان پر عذاب کیا جائے گا پھر مارے جاویں گے بعد اُس کے قیامت میں پھر زندہ کئے جاویں گے بالجملہ اس قسم کے اختلافات ہیں جو فیما بین فریقین پائے جاتے ہیں۔ اب وُہ عاقل منصف جس کو مذہبی تحقیقات کے ساتھ دلچسپی اور حق و باطل میں امتیاز کرنے کے ساتھ دلبستگی ہو بغور و تامل دیکھے اور ان مسائل مذکورہ یا اُن کے امثال کے ہر دو جانب نفی اور اثبات کو مدلائل میزان عقل میں تول کر ایک جانب کو ترجیح دیوے! اوّل تو یہی امر نہایت قابل لحاظ ہے کہ اصول اعتقادیات کا کتاب اللہ میں تفصیل و توضیح ذکر ہونا متعدد مواقع اور مختلف پیرایوں میں ضرور ہے کیا معنی کہ حکیم علی الاطلاق سے نہایت قبیح ہے کہ فروعات اور غیر ضروری امور کو باہتمام بیان فرماوے اور اصول اعتقادی اور ضروری اور مہتم بالشان کا اشارتاً بھی ذکر نہ کرے اس ذات پاک کی حکمت و قدرت سے بمراحل بعید ہے۔

اصول اعتقادیات خلافیہ کے ثبوت میں شیعہ کے پاس کوئی دلیل نہیں

کتاب اللہ میں جملہ اصول اعتقادیات متفق علیہ فریقین اس وضاحت کے ساتھ بیان ہوئے ہیں کہ کوئی احتمال تک بھی باقی نہیں رہا پھر یہ کیسے اصول اعتقادیات ہیں کہ ان کا نام و نشان تک کتاب اللہ میں موجود نہیں حضرات شیعہ میں سے کوئی حضرت فرمائیں تو سہی کہ یہ اصول اعتقادیات کس آیت سے مستنبط ہوتے ہیں اور یہ فرما دینا کہ یہ سب اصول اعتقادیہ اس قرآن میں تفصیل و توضیح مذکور ہیں جو امام غائب کے پاس سرداب سُرّمن رائے میں مخفی ہے۔ مذہبی تحقیقات کے دلدادہ اور حق و ناحق کے تفرقہ کے ذریعہ کے لئے بروئے انصاف کسی طرح تسلی بخش نہیں ہو سکتا پھر معلوم نہیں کہ ہمارے مجتہد صاحب کا باوجود خیال تحقیقات کے کیونکر اطمینان ہو گیا سب سے اوّل امامت کا اصلی اعتقادی ہونا ہی کتاب اللہ میں

[1] حضرت امام محمد باقرؑ سے روایت ہے کہ جب حضرت قائم آل محمدؑ ظاہر ہوں گے تو عائشہ کو زندہ کریں گے اور ان پر حد [illegible]

کہیں بتا دیں کہ اس کا کس جگہ ثبوت ہے حضرات ائمہ کی خلافت کا ثبوت ہی جداگانہ بتلا دیجئے اور علاوہ ازیں اگر مطلق دلیل میں غور کیا جاتا ہے تو یہ بات بالاتفاق مسلّم ہے کہ مسائل اصول اعتقادیہ کے ثبوت کے لئے دلائل ظنیہ کافی نہیں ہیں بلکہ ان کے ثبوت کے لئے دلائل قطعیہ کا ہونا ضرور ہے اور مسائل مذکورہ مختلف فیہا کا ثبوت جن کی اصلی اعتقادی ہونے کی نسبت حضرات شیعہ مدعی ہیں اور اہل سنت منکر حضرات شیعہ کے ذمہ بدلائل قطعیہ واجب و لازم ہے اور جب دلائل کو دیکھا جاتا ہے تو دلیل یا عقل ہے یا کتاب اللہ ہے یا قول متواتر رسول اللہ ہے یا قول متواتر امام ہے یا اجماع ہے عقل تو ظاہر ہے کہ خصوصاً شرعیات میں کافی نہیں ہے اوّل تو عقل کا شوائب وہم سے پاک ہونا جرابدی ہے غیر متیقن پھر اگر عقل ایسے امور میں کافی ہوتی تو بعث رسل و ائمہ اور انزال کتب کی کیا ضرورت تھی۔ امام کا منصوص ہونا لغو و فضول تھا۔ خدا تعالیٰ پر لطف کا واجب ہونا بعثت انبیاء کا واجب ہونا، انزال کتب کا واجب ہونا ائمہ کے لئے نص کا واجب ہونا حشر و نشر قیامت کا واجب ہونا اس سے بھی زیادہ بیہودہ ہے اور حضرات شیعہ تو خود قیاس کے منکر ہیں پھر عقل کو حجت قطعی قرار دینا عجب تہافت و تناقض ہے پھر اختلاف آراء خود دلیل بطلان احد الامرین کی ہے اور عقل سے ترجیح تو ممکن نہیں ورنہ پھر ترجیح اور ترجیح الترجیح میں الیٰ غیر النہایۃ یہی سلسلہ جاری ہوگا تو عقل اس باب میں قابل اعتماد نہ ہوتی۔ اور کتاب سے اگر وہ کتاب مراد ہے جو غار سر من رائے میں مخفی ہے تو اولاً اس کا ہی کیا ثبوت ہے وہ محض نقش بر آب اور لمعان سراب سے زیادہ قابل وثوق و اعتماد نہیں اور اگر کچھ ہو بھی تو قطعیت کہاں پھر ہم کہہ سکتے ہیں کہ وہ تمام مسائل میں مخالفین کے موافق ہے اور جب کسی نے اس کو نہیں دیکھا تو اس سے استدلال کرنا عاقل کا کام نہیں ہے اور نیز ہو سکتا ہے کہ اوّل وہ قرآن نازل ہوا ہو پھر خدا تعالیٰ کو بدا واقع ہو گیا۔ لہٰذا یہ دوسرا قرآن نازل فرمایا اور اسی واسطے اُس کو مخفی کر دیا ہو تو آپ کے پاس اُس کی تردید کی کیا دلیل ہے اور اگر قرآن شائع متداول مراد ہے تو اور بھی زیادہ تعجب خیز امر

ہے کیونکہ جس قرآن کی ائمہ نے تکذیب فرمائی اور مردود ٹھہرایا اور اکابر محدثین قرناً بعد قرن بہ نقل متواترہ ائمہ سے اس کا غلط اور محرف ہونا نقل کرتے چلے آئے چنانچہ صحیح کافی للکلینی ان روایات سے مالامال ہے اور اس قسم کی روایات میں تقیہ نقیہ کی بھی گنجائش نہیں ہے بلکہ اس کے خلاف میں تقیہ کا قوی احتمال ہی نہیں بلکہ یقین ہے پھر اس پر کیونکر اصول اعتقادیات کے ثبوت کا مدار ہو سکتا ہے۔ علاوہ ازیں جو لوگ اُس کے رواۃ و ناقلین ہیں وہ کلہم اجمعین بزعم شیعیان مرتدین و بددین و خائنین و ناکثین منکرین امامت اور غاصبین فدک و خلافت طماع و خود غرض دنیا طلب و دین فروش تھے پس اگر ایسے لوگوں کا کسی امر پہ اتفاق بھی ہو جائے اور بتواتر نقل بھی کریں تو اہلِ خرد کے نزدیک کیا قابل اعتماد و قبول ہے ورنہ پھر تورات و انجیل کے قبول کرنے میں کیوں تامل کیا جائے اور وید وغیرہ کی تسلیم میں کیوں لم ولانسلم پیش کیا جائے ماسوا اس کے بفرض محال اگر سب کچھ تسلیم کیا جاوے تو پہلے ہم عرض کر چکے ہیں کہ اصول اعتقادیات کی شان کے موافق ان اصول موضوعہ اور اعتقادیات مصنوعہ کا کتاب اللہ میں کہیں پتہ و نشان نہیں۔

حضرات شیعہ کے نزدیک کوئی حدیث مثبت اعتقادیات نہیں ہو سکتی

رہی خبر یعنی قول متواتر رسول یا قول متواتر ائمہ پس اُس کے ناقل اگر غیر شیعہ ہیں تو جیسا نقل قرآن میں عرض ہو چکا ہے کہ خود غرض دنیا طلب دین فروشوں کا نقل کرنا قابل تسلیم نہیں ہو سکتا اور اگر اس کے ناقل شیعہ ہیں تو اوّل تو تواتر کہاں جو مفید قطعیت ہو پھر باہم اختلاف فرق شیعہ خود مبطل احدہما کو ہوگا اور ترجیح احدہما علی الآخر بلا دلیل محال اور بدلیل بسبب عدم دلیل ناممکن کیونکہ کتاب میں تو یہ امر مذکور نہیں اور اگر خبر کو مرجح قرار دیں تو مستلزم دور ہے لہٰذا طریق ترجیح مسدود۔ معہذا ناقلانِ خبر رسول یا صحابہ ہیں یا اہل بیت صحابہ کا حال تو خود بنا بر مرویات شیعہ واضح ہے کہ کوئی ارتداد سے نہیں بچا صرف برائے نام ایک مقداد بن الاسود کو کہتے ہیں کہ اُن میں تغیر نہیں آیا۔ سو اُن کی خبر مفید یقین کو نہیں ہو سکتی۔

جناب امیر اپنے شاگردوں کو خائن و بددین سمجھتے تھے۔

رہا اہلبیت کے واسطے سے کوئی خبر درجہ تواتر کو نہیں پہنچی اور اگر اہل بیت کے لئے افادہ یقین میں ضرورتِ تواتر نہ ہو بلکہ بلا تواتر بھی مفید یقین ہو تو مقاطعِ اسناد روایات وہ شیعیان پاک جان نثاران ائمہ ہیں جن کے اوصاف و مناقب سے صفحات نہج البلاغت روشن ہیں جن کو بجز نافرمانی امام کسی کام سے سروکار نہیں تھا اور طرح طرح کی اذیتیں پہنچاتے تھے اور حضرت امام بھی اُن کے قول کا اعتبار نہیں کرتے تھے اور اُن کو جھوٹا سمجھتے تھے حضرت معویہ کے ساتھ خفیہ خط و کتابت رکھتے تھے اس وقت ہم بنظر اختصار صرف نہج البلاغت کا ایک چھوٹا سا خطبہ نقل کئے دیتے ہیں حضرات شیعہ اپنے اکابر کا عبرت انگیز حال ملاحظہ فرماویں اور ان کے تشیع پہ آفرین پڑھیں۔ (نہج البلاغۃ ص۸۹ جلد اطبع بیروت ۱۳۸۲ھ)

ومن خطبة له علیه السلام وقد تواترت علیه الاخبار
باستیلاء اصحاب معویة علی البلاد وقدم علیه عاملاه
علی الیمن وهما عبید الله بن عباس وسعید بن نمران لما غلب
علیهما بسر بن ارطاة فقام علیه السلام الی المنبر ضجرا بتاقل
اصحابه عن الجهاد ومخالفتهم له فی الرائے فقال علیه السلام
ماهی الا الکوفة اقبضها وابسطها ان لم تکونی الا انت تهب
اعاصیرك فقبحك الله ثم قال علیه السلام انبئت ان بسرا قد
اطلع الیمن وانی والله لاظن هولاء القوم سید الون منکم
باجتماعهم علی باطلهم وتفرقکم عن حقکم وبمعصیتکم
امامکم فی الحق وطاعتهم امامهم فی الباطل وباداثهم الامانة
الی صاحبهم وخیانتکم صاحبکم وبصلاحهم فی بلادهم وفسادکم
فلو ائتمنت احدکم علی قعب لخشیت ان یذهب بعلاقته اللهم

انی قد مللتھم وملونی وسمعتھم وسئمونی فابدل لی بھم خیرا
منھم وابدل لھم بی شرا منی اللھم مث قلوبھم کما یماث الملح
فی الماء واما للہ لودوت ان لی بکم الف فارس من بنی فراس
بن غنم۔

ترجمہ: حضرت علیہ السلام کا خطبہ جب آپ کو شہروں پر اصحاب معویہ کے
غلبہ کی متواتر خبریں پہنچیں۔ اور آپ کے دونوں عامل یمن عبید اللہ بن عباس اور
سعید بن نمران بسر بن ارطاۃ کے غلبہ کے بعد واپس چلے آئے۔ تو حضرت اپنے
لوگوں کے جہاد سے گرانباری اور رائے میں مخالفت کی وجہ سے دل تنگ ہو کر
ممبر پہ کھڑے ہوئے اور فرمایا یہ تو صرف کوفہ ہی ہے اس کو کیا سکوڑوں اور کیا
پھیلاؤں اے کوفہ اگر صرف تو ہی ہو کہ تیرے بگولے اُٹھتے ہوں تو خدا تیرا بُرا کرے
اور پھر فرمایا مجھ کو خبر ملی ہے کہ بسر یمن پر چڑھ آیا ہے واللہ میں یقین کرتا ہوں کہ
یہ لوگ بوجہ اپنے باطل پر اتفاق اور تمہارے حق میں نا اتفاقی کی اور تمہاری اپنے
امام کے حق میں نافرمانی اور ان کے اپنے امام کے باطل میں فرمان برداری اور بوجہ اپنی
ادائے اپنی امانت کے اور تمہاری خیانت کے اور اپنی صلاح کے اور تمہاری فساد
کے تمہاری جگہ سلطنت کے مالک ہو جاویں گے تاگر میں تم سے کسی کے پاس لکڑی
کا پیالہ امانت رکھوں تو مجھ کو یہ ڈر ہوتا ہے کہ اس کی دستی نہ لے اڑے الٰہی ایسے
طول ہو گیا اور یہ مجھ سے میں ان سے گھبرا گیا اور یہ مجھ سے پس ان سے بہتر مجھ کو بدل
دے اور مجھ سے بدتر میرے عوض ان کو دیدے الٰہی ان کے دل گھلا دے جیسا
نمک پانی میں گھل جاتا ہے۔ خدا کی قسم میں تہ دل سے چاہتا ہوں کہ تمہارے بدلے میرے
پاس بنی فراس بن غنم کے ہزار شہسوار ہوں۔ (از مولینا میرٹھی)

جناب امام شہیدؑ کو کوفہ میں بلکر دغا بلانے والے اور بلاکر شہید کرانے والے

اور کون تھے اور جناب امام سبط اکبر کے خذلان کرنے والے کو جن کی وجہ سے امام معصوم
کو ارتکاب کبیرہ وخلع خلافت اور بیعت معویہ کی ضرورت پڑی اور کون حضرات تھے بالجملہ
دین فروش دنیا خر تھے اس قسم کے لوگوں کو ملخذ دین اور پیشوائے اسلام قرار دینا اور اُن
کے اقوال کو علی الخصوص اصول اعتقادیات میں حجت ٹھہرانا حضرات شیعہ صاحبان
ہمت کا کام ہے اس تقریر معروضہ سے حال اخبار ائمہ کا بھی معلوم ہو گیا کہ اوّل تو بجز

من کذب علی متعمدا فلیتبوٴ مقعدہ من النار

جو دانستہ مجھ پر جھوٹ بناوے وہ اپنا ٹھکانا آگ میں ٹھہراوے (ترجمہ از مولانا میرٹھی)

کے کوئی خبر متواتر نہیں۔

کبرائے شیعہ یعنی شاگردان ائمہ مجسمہ ومشبہ اور بدمذہب تھے	پھر اکثر کبرائے شیعہ شاگردان ائمہ جو منتہائے سلسلہ سند میں مجسمہ اور مشبہ اور

بدمذہب تھے چنانچہ سید ولدار علی نے اساس الاصول میں بطور اعتراض فرمایا۔

فان قیل کیف تعولون علی ھذہ الاخبار واکثر رواتھا
المجبرۃ والمشبھہ والمقلدۃ والغلاۃ والواقفیت والفطحیۃ
وغیر ھولاء من فرقۃ الشیعۃ المخالفۃ للاعتقاد الصحیح الی
ان قال وذلک یدل علی جواز العمل باخبار الکفار والفساق

اگر کوئی یہ اعتراض کرے کہ تم ان روایات احادیث پہ کیونکر اعتماد
کرتے ہو حالانکہ ان کے اکثر راوی مجبرہ اور مشبہہ اور مقلدہ اور غلاۃ و واقفیہ
اور فطحیہ وغیرہ فرق شیعہ میں سے بدمذہب اور اعتقاد صحیح کے مخالف ہیں یہاں
تک کہ یہ کہا اور یہ اس پر دلالت کرتا ہے کہ کفار اور فساق کی روایات
پر عمل جائز ہو جاوے۔ (ترجمہ مولانا عاشق الٰہی میرٹھی)

اور دوسری جگہ لکھتے ہیں۔

واماقول صاحب المعالم بان العمل علی اخبار الاحاد بعید
عن طریقة اوائل المتکلمین فان کان مرادہ ان العمل
باخبار الاحاد فی اصول العقائد مستبعد من طریقتهم
فهو کذلك بنسبته اجلاء اصحاب الائمة لامطلقا لان
اکثر الاصحاب ومعاصریهم کانوا فاسدی المذهب۔

صاحب معالم کا یہ قول کہ اخبار احاد پر عمل کرنا پہلے متکلمین کے طریقہ سے بعید ہے اگر اس کی یہ مُراد ہے کہ اصُول عقائد میں اخبار احاد پر عمل کرنا ان کے طریقہ سے بعید ہے تو یہ خواص اصحاب ائمہ کی نسبت درست ہے بمطلق کیونکہ اکثر اصحاب ائمہ اور اُن کے ہم عصر بدمذہب تھے (ترجمہ مولانا میرٹھی)

یہ حضرات جیسے نبوت اور امامت کے ناقل ہیں اسی طرح تجسیم اور تشبیہ کو ائمہ سے نقل کرتے ہیں پھر کیا وجہ ہے کہ ایک کو قبول کیا جاوے اور دُوسرے کو رَد کیا جاوے بایں ہمہ یہ لوگ روایت شرائط امامت اور تعیین اور اعداد ائمہ میں باہم اختلاف فاحش رکھتے ہیں پس ایک کا کذب لاعلی التعیین کل کے کذب کو مستلزم ہے لہٰذا خبر بھی خواہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی ہو یا ائمہ کی مفید ثبوت قطعی اصُول اعتقادیات مختلفہ نہیں ہو سکتی۔

جب تک قول امام اجماع میں داخل نہ ہو اجماع حجت نہیں

باقی رہا اجماع سو یہ تو نہایت ہی پوچ اور لغو ہے کیونکہ علماء شیعہ کے نزدیک اجماع حجت ہی نہیں بلکہ محض لغو اور فضول ہے فرماتے ہیں کہ تاوقتیکہ قول امام قطعاً اجماع میں داخل نہ ہو اجماع حجت نہیں ہو سکتا اور ظاہر ہے کہ قول امام تو ہر طرح حجت ہے تو حجت صرف [illegible] امام ہوا اور اجماع لغو ہوا اور قول امام کے بارہ میں بدلیل عرض ہو چکا ہے کہ وہ مفید ثبوت [illegible]بت اصول اعتقادیات کو نہیں ہو سکتا تو اجماع بھی کافی نہ ہوگا پس اس گزارش سے [illegible]وشن ہو گیا کہ بنا بر مذہب شیعہ کوئی اصل اصول اعتقادیات مذہب سے ثابت نہیں ہو سکتی

مسئلہ امامت مع اپنے جزئیات تفصیلیہ کے کسی طرح کسی دلیل سے ثبوت پذیر نہیں چنانچہ امامت کے اصُول اعتقادیات میں سے ہونے کا ثبوت جناب امیر کی امامت بلا فصل کا ثبوت سبطین کی امامت کا ثبوت باقی ائمہ کی امامت کا بترتیب یکے بعد دیگرے ثبوت بلکہ اسلام کے دین حق ہونے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے رسول برحق ہونے کا ثبوت مذہب شیعہ پر قطعاً ناممکن ہے چنانچہ ذوالحجہ ۱۳۱۱ھ میں میرے مخلص صمیم محب حمیم جامع معقول و منقول حاوی فروع و اصول مولوی شاہ ولایت حسین صاحب سلمہ ساکن دیورہ ضلع گیا کی طرف سے جمیع علماء شیعہ کو مخاطب کر کے ایک سوال شائع ہوا تھا اور مشہورین علماء شیعہ کی خدمت میں مطبع نامور پریس الٰہ آباد میں طبع کرا کر بھیجا گیا تھا اور اُس میں چھ ماہ کی تحریر جواب کے لئے مہلت دی گئی تھی مگر اس وقت تک چار سال کا عرصہ گذرا علماء شیعہ میں سے کسی کو ہمت و جرات نہ ہوئی کہ ان چند اوراق کا جواب تحریر فرماویں اور اساس مذہب تشیع کو انہدام سے بچا دیں بعض بے علم اہل اخبار نے خلاف پابندی شرائط مندرجہ سوال کچھ اوراق سیاہ کئے مگر انہوں نے بجز اس کے کہ اپنے جلے دل کے پھپولے توڑے اور کچھ نہ کیا بلکہ تسلیم کر لیا اور لکھ دیا کہ سائل دانشمند نے ایسی شرائط لگائی ہیں اگر اُن کی پابندی کی جائے تو جواب ناممکن ہے چونکہ اسی جگہ اُس سوال کا نقل کرنا خالی از فائدہ نہیں لہٰذا بجنسہٖ ہم اُس کو نقل کرتے ہیں۔

تمہید

سوال از جمیع علماء شیعہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حامداً و مصلیاً

تمہید جناب مولوی ابوالقاسم صاحب ساکن محلہ خلد آباد شہر الٰہ آباد کے چند احباب شیعہ مذہب جن کو زبانی مناظرہ کا بہت شوق ہے ہمیشہ مذہبی چھیڑ چھاڑ رکھتے اور دبی پرانے دہرائی سوالات

کیا کرتے اور جواب دیتے پر امر حق کو کبھی تسلیم نہ کرتے ان میں سے بعض اہل انصاف نے تو
کتاب **ہدایات الرشید** (جو زمانہ حال ۱۳۳۰ھ میں تالیف ہوئی اور جس کو عجائب قدرت خداوندی
کا نمونہ کہئے تو بجا ہے) دیکھ کر سکوت اختیار کیا مگر بعض دیگر نے جن میں مادہ تعصب وہٹ
دھرمی بہت ہے امر حق کو تسلیم نہ کیا اور وہی لغو اعتراضات پیش کرتے رہے لہذا مولوی
صاحب موصوف نے مجبور ہو کر تمام دنیا کے علماء شیعہ کو مخاطب کر کے شائع کیا اور جہاں تک اہل علم
شیعہ کا پتہ معلوم ہوسکا ان کی خدمت عالی میں بدست مردم وبذریعہ ڈاک روانہ کیا تھا تاکہ جواب
دینے کے وقت ان کو دلائل اہل سنت کی وسعت و قدر معلوم ہوجاوے اور یہ بھی ثابت
ہوجائے کہ اگر بفرض محال مذہب تشیع حق ہو اور شیخین و دیگر صحابہ ایسے ہی ہوں جیسے شیعہ
کہتے ہیں تو جناب امیر کا ایمان بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت اور مذہب اسلام
کی حقیت بلکہ خدا تعالی کی خدائی انشاء اللہ تعالے قیامت تک بھی علماء شیعہ سے
ثابت نہ ہوگی چنانچہ سوال مذکور کی اشاعت و تشہیر کے بعد حضرات اکابر علماء شیعہ
نے اس سوال کے جواب میں یہ مضمون کہلا بھیجا کہ اگر سائل سنی ہے تو اس کی کتب
مذہبی فضائل و مناقب جناب امیر سے مالامال ہیں اور اگر ناصبی اور خارجی ہے تو اس
سے تعلق و گفتگو نہیں اس جواب سے حضرات علماء شیعہ کا عجز ظاہر و باہر ہے کاش ایسے
جواب سے تو اگر سکوت فرماتے نہیں بلکہ یہ فرماتے کہ ہم کو جواب نہیں آتا مگر مذہب کی پابندی میں
بخیال خواہشات چند در چند مجبور ہیں تو ہزار درجہ بہتر ہوتا پس بناءً علیہ ہم مولوی صاحب
ممدوح کے سوال کو ترمیم کر کے مکرر شائع کرتے ہیں اور بسہولت جواب دہی کی غرض سے دائرہ سوال
کو وسیع کئے دیتے ہیں اور عرصہ چھ ماہ کی مہلت دیتے ہیں اگر حضرات علماء شیعہ نے اس عرصہ
میں جواب معقول نہ دیا تو یہ ثابت ہوجائے گا کہ یہ حضرات اپنے مذہب و اصول میں کچے ہیں
اور کسی طرح اہل حق کے مقابلہ میں عہدہ برا نہیں ہوسکتے۔

التماس و شرائط جواب | اگر حضرات علماء شیعہ جواب دینے کا ارادہ فرمائیں تو

اس سے پہلے امور معروضہ ذیل ملحوظ خاطر فرمائیں (۱) کوئی کلمہ سخت و خلاف تہذیب
استعمال نہ فرمائیں (۲) ہمارے نزدیک جناب علی المرتضی رضی اللہ عنہ ایسے ہی صحابی جلیل القدر
اور کامل الایمان اور افضل امت اور واجب المحبت والتعظیم ہیں جیسے شیخین و ذی النورین رضی اللہ
عنہم اور جن دلائل سے ہم بزرگی اور فضیلت اور کامل ایمانی خلفاء ثلثہ وغیرہم کا ثابت
کرتے ہیں انہیں دلائل سے جناب امیر کا بھی فضل و کمال و قرب من اللہ تعالی بموجب ہمارے
اعتقاد کے ثابت ہوتا ہے اور ہم دعوے کے ساتھ کہتے ہیں کہ اگر یہ دلائل عقلیہ و نقلیہ
جن کو ہم بیان کرتے ہیں بفرض محال غلط اور باطل ہوں تو پھر صرف ثبوت ایمان و فضیلت
جناب خلفائے ثلاثہ ہی میں خلل نہیں پڑتا بلکہ جناب امیر کا بھی ایمان کسی طرح ثابت نہیں ہوسکتا
بلکہ ثبوت رسالت جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم و حقیت دین میں سخت رخنہ واقع
ہوتا ہے مگر حضرات شیعہ اپنی سادہ لوحی اور ناعاقبت اندیشی سے بوجہ بغض و عداوت
خلفاء و دیگر صحابہؓ ان دلائل بدیہیہ و یقینیات قطعیہ میں شبہات اور توہمات و احتمالات
لاطائل اور تاویلات لاحاصلہ کرتے ہیں ان کا تو صرف اسی قدر مدعا ہے کہ ان اکابر دین کا
ایمان و فضائل ثابت نہ ہوں مگر حضرات شیعہ مطمئن نہ ہوں یہ کسی طرح ممکن نہیں کہ ان
حضرات بزرگان دین کا ایمان تو ثابت نہ ہوا اور جناب امیر کا ایمان ثابت ہوجاتے

لہذا ہم مجبور ہو کر حضرات شیعہ سے سوال کرنے پر آمادہ ہوتے ہیں کہ جو دلائل ہم اہل سنت و
جماعت اثبات ایمان و فضائل خلفاءؓ و جملہ صحابہ رضی اللہ عنہم میں پیش کرتے ہیں اگر بالفرض
غلط اور باطل ہیں تو فرمائیے کہ ایمان و فضائل جناب امیرؓ آپ حضرات کس دلیل سے ثابت
فرماتے ہیں ان دلائل مذکورہ کو اگر تسلیم کریں گے تو علی الرغم ایمان خلفاءؓ بھی ثابت ہوجائے گا
ورنہ ایمان جناب امیر بھی کسی دلیل سے ثابت نہ ہوگا۔ اس سوال سے معاذ اللہ ہماری یہ غرض
ہرگز نہیں کہ فی الواقع ہمارے نزدیک ایمان جناب امیر ثابت نہیں۔ حاشا و کلا ہمارے نزدیک
جناب امیر کامل الایمان اور افضلین امت میں سے ہیں چنانچہ اگر خوارج بھی ہمارے ان دلائل

میں مثل حضرات شیعہ درباب ایمان جناب امیر ردوقدح کریں تو ان سے بھی ہم یہی سوال کرینگے کہ علاوہ ان دلائل کے کسی دوسری دلیل سے ایمان جناب شیخین ثابت کردیں ہمارے اس سوال سے ہرگز کوئی یہ نہ سمجھے کہ ہم کو سوءعقیدت بجناب اسد اللہ الغالب علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ کچھ بھی ہے حاشا وکلا (۳) ہم اپنے سوال کے دائرہ کو وسیع کئے دیتے ہیں اور اجازت دیتے ہیں کہ اگر علماء شیعہ کو جناب امیر علیہ السلام کے ایمان ثابت کرنیکا حوصلہ وہمت ہو تو اُن کو اختیار ہے خواہ دلائل عقلیہ یقینیہ سے ثابت کریں یا دلائل نقلیہ قطعیہ پیش کریں مگر یہ یاد رہے کہ ان دلائل میں کوئی احتمال مخالف اس قسم کا پیدا نہ ہوتا ہو جس قسم کے احتمالات حضرات شیعہ ان دلائل واقعیہ قطعیہ میں پیش کرتے ہیں جو اہل حق اثبات فضائل جناب خلفاء میں بیان کرتے ہیں اگر ان دلائل میں کسی احتمال مخالف کی گنجایش ہو تو اُس کے پیش کرنے کا ہرگز قصد نہ فرماویں (۴) اگر کسی مذہب مخالف کے اصول پر ایمان جناب امیر ثابت فرمانے کا خیال ہو تو اوّل مذہب خوارج کے اصول پر ثابت فرمائیں کیونکہ جو نسبت حضرات شیعہ کو جناب شیخین رض ودیگر صحابہ رض سے ہے وہی حضرات خوارج کو جناب امیر رض سے ہے پس ایسی دلیل ہونی چاہیئے جس کے مقابلہ میں خوارج کو گنجایش چون وچرا باقی نہ رہے جیسے شیعہ کو بمقابلہ اہلسنت باقی رہتی ہے ورنہ پھر انصاف کی رو سے اپنے آپ کو اثبات ایمان جناب امیر سے عاجز سمجھیں اور اہل حق کی کوشش وسعی کی داد دیں اور اگر مذہب خوارج پر ثابت نہ کرسکیں اور مذہب اہل حق پر ثابت کرنے کا قصد ہو تو بسم اللہ اسی پر ثابت کریں مگر شرط یہ ہے کہ اوّل تو اپنے عجز کا اقرار تحریر فرماویں کہ مذہب خوارج کے اصول پر جناب امیر کا ایمان ثابت نہیں کرسکتے ۔ دوسرے محض تسلیم اہل سنت کو اپنی حجت میں پیش نہ کریں کیونکہ اس کے یہ معنی ہوں گے کہ اثبات ایمان جناب امیر کے لئے ہمارے پاس بجز تسلیم خصم باعتبار واقع کے کوئی دلیل نہیں ہے گویا خلاصہ یہ ہوگا کہ فی الواقع مومن نہیں ہاں حسب تسلیم ایک فریق مخالف مومن ہیں۔ اور دوسرے فریق کے اعتبار سے

نہیں ۔ تیسرے اس قسم کے دلائل بھی پیش نہ فرمائیں جس قسم کے دلائل کو اثبات فضائل جناب شیخین رض میں (جو اہل سنت کی طرف سے پیش ہوئے) خود باطل ومجروح کرچکے کیونکہ اپنے مجروحہ دلائل کو بمقابلہ خصم پیش کرنا دلیل عجز ہے پس بپابندی شرائط مذکورہ جو دلیل پیش فرمائیں گے نہایت شکرگزاری کے ساتھ قبول ہوگی ورنہ قابل التفات نہ ہوگی (۵) اگر یہ بھی نہ ہوسکے تو آخر میں ہم اس کی بھی اجازت دیتے ہیں کہ جناب امیر کا ایمان اپنے ہی مذہبی اصول پر ثابت فرمائیں مگر شرائط ذیل اوّل یہ اقرار تحریر فرمادیں کہ بروئے نفس الامر ومذہب مخالف ہم جناب امیر رض کے ایمان ثابت کرنے سے عاجز ہیں ۔ دوسرا چونکہ مسئلہ اعتقادی ہے پس دلیل قطعی غیر محتمل التاویل ہو ۔ تیسرے اُن دلائل قطعیہ عقلیہ یا نقلیہ اجماعیہ کے معارض ومخالف نہ ہو جن سے بروئے اصول مذہب شیعہ جناب امیر کا (معاذ اللہ توبہ توبہ) خارج از ایمان ہونا ثابت ہوتا ہے ان کی تفصیل آیندہ معروض ہوگی ۔ چوتھے اگر کسی امر کا مدار تقیہ پر رکھیں تو پہلے اس کو بدلائل خصم کو تسلیم کرادیں اور اگر امور متذکرہ بالا میں سے کوئی نہ کرسکیں (اور انشاء اللہ تعالیٰ قیامت تک نہ کرسکیں گے) تو جناب امیر کے ہی ایمان سے صرف ہاتھ نہ دھو بیٹھیں بلکہ مذہب اسلام سے بھی دست بردار ہوں اور تحریر جواب کا ہرگز ہرگز قصد نہ فرماویں ۔

مقدمہ اہل حق ایمان اور فضائل شیخین رض ودیگر خلفاء وصحابہ یا تو واقعات واقعیہ سے ثابت کرتے ہیں یا آیات کتاب اللہ سے یا احادیث رسول اللہ سے یا شہادات جناب امیر و دیگر ائمہ سے ۔ اور جناب امیر کا اثبات ایمان وفضائل بھی بجز ایک آخری دلیل کے انہیں دلائل سے کرتے ہیں تشریح اس کی بایجاز واختصار یہ ہے کہ صحابہ مقبولین اہل سنت جماعت مثل ابوبکر رض وعمر رض وعثمان رض وغیرہم رضی اللہ تعالےٰ عنہم اجمعین جناب پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر اوّل ہی زمانہ شیوع دعوت اسلام میں کہ اُس وقت کوئی امید نفع دنیا کی نہ تھی بلکہ ہر طرح کی ذلت اور مضرت کا سامنا تھا ایمان لائے اپنے عزیز واقارب کو

چھوڑ کر ایسے وقت میں آپ کا ساتھ دیا کہ اُس وقت آپ کا کوئی رفیق و غمگسار نہ تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اعانت میں اپنی آبرو اور جان اور مال سے دریغ نہ کیا کفار و مشرکین کے ہاتھوں سے اذیتیں اُٹھائیں خدا و رسول کے لئے اپنا وطن چھوڑا خویش و اقارب سے رشتۂ الفت توڑا سفر کی صعوبتیں جھیلیں فقر و فاقہ کی مصیبتیں سر پہ لیں عزت دنیا سے منہ موڑا ذلت و بیچارگی کو اختیار کیا۔ مدینہ منورہ کو ہجرت کی۔ مخالفین کے طعن و تشنیع بایں غیرت و حمیت سہے کفار و منافقین کی گالیاں (تا آنجا) سنیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے رنج و راحت میں شریک رہے اکثر اوقات بلکہ ہمیشہ غزوات و سفر و حضر میں آپ کے ہمرکاب رہے آپ کے فیض صحبت سے مستفید و مستفیض ہوئے علوم نبوت کی تعلیم پاکر خیر امت کے رہنما و پیشوا کہلائے اور استاد عالم بنے آپ کی خدمت سراپا فیض و برکت میں رہ کر اخلاق و ملکات کا تجلیہ و تخلیہ کیا اوصاف و اخلاق حسنہ کے ساتھ متصف ہوئے صفات ذمیمہ سے پاک اور خواہشات نفسانی سے صاف ہو گئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قربت و قرابت کو سرمایۂ فخر و عزت دینی سمجھا آپ کو بیٹیاں دے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خسر ہونیکا تاج سر پہ رکھا آپ کی بیٹیاں اور نواسیاں لے کر خلعت دامادی بغل میں لیا۔ تا حیات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ کے جلیس و انیس اور وزیر و مشیر رہے اور بموجب ارشاد وشاورھم فی الامر مہمات میں اُن سے مشورے لئے اور ان کے مشورہ پسند خاطر جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم ہو کر ان کی رائے کی تصدیق اور تصویب ہوئی سرا پا دموا تع نوح کشتی دین دین کے لشکر کے سردار یا دین کے لشکری رہے اور تقویت اور تائید دین میں رسول اللہ علیہ وسلم کے جارحہ ہوئے ہنگام قرب وفات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جبکہ طاقت رفتار تا مسجد نہ رہی امام نماز مقرر فرمایا بعد وفات سرور کائنات علیہ الصلوٰۃ والتسلیمات بوعدۂ حقانی آپ کے خلیفہ و جانشین ہوئے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقۂ مرضیہ و صراط مستقیم پر دم واپسیں تک ثابت قدم رہے ان کے خلوص نیت و مساعی جمیلہ

نے تمام عالم میں شرق سے لے کر غرب تک اسلام کا ڈنکا بجا دیا کفر و کفار مغلوب و نگوں نسار ہوئے حسب وعدہ دین اسلام یعنی دین خلفاءؓ کا بول بالا ہوا خاندان نبوت کی تعظیم واکرام اور توقیر و احترام کو ہمیشہ ملحوظ خاطر رکھا باوجود حصول سلطنت دنیا بھی فقر و فاقہ و زہد و توکل میں ہی عمر گزاری کبھی لذات دنیاویہ اور خواہشات نفسانیہ کی طرف ذرا بھی التفات نہ کیا۔ حدود خداوندی جاری کرنے میں کسی بڑے اور چھوٹے اور خویش و بیگانہ میں کبھی تفریق نہ فرمائی۔ چونکہ ان حضرات نے محض اللہ تعالیٰ کی رضامندی و خوشنودی کے لئے بغرض اشاعت دین کفار سے جہاد کیا اس لئے اللہ تعالےٰ نے ان کی جماعت قلیل کو کفار کی جماعت کثیر پر حسب وعدہ۔

کم من فئۃ قلیلۃ غلبت فئۃ کثیرۃ باذن اللہ

بسا اوقات چھوٹی جماعت بڑی جماعت پر اللہ کے حکم سے غالب ہو جاتی ہے (ترجمہ مولانا میرٹھی)

غالب اور منصور فرمایا اور وعدہ

ان یکن منکم عشرون صابرون یغلبوا مائتین

اگر تم میں سے بیس صابر ہوں گے تو دو سو پر غالب ہو جائیں گے (ترجمہ مولانا میرٹھی)

جانبین سے بیجا ہوا اور سلطنت فارس و روم حبش کی فتح کا وعدہ آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام سے کیا گیا تھا اُن حضرات کے ہاتھوں پر ہی پورا ہوا قرآن شریف جو مختلف و منتشر اوراق میں تھا انہیں حضرات کی سعی و کوشش سے یکجا مرتب ہو کر تمام عالم میں شائع و مشہور ہوا اور وعدۂ خدا تعالیٰ وانا لہ لحافظون (اور بیشک ہم اس کے نگہبان ہیں) اُنہیں کے ہاتھوں سے پورا ہوا۔ گویا ان کا فعل پسندیدہ جناب کبریا جل شانہٗ ہو کر خدا تعالیٰ کے فعل کے ساتھ تعبیر ہوا۔ حق تعالےٰ شانہ نے خلافت نبوت اور دین پسندیدہ کو ایسا متمکن فرمایا کہ کسی مخالف کو جائے چون و چرا باقی نہ رہی فی الواقع وجوب لطف و عدل کا مقتضی یہی تھا کہ اگر یہ لوگ خلیفۂ راشد اور امام برحق نہ ہوتے تو بتقاضائے وجوب لطف و عدل

خداوندی ہرگز کامیاب نہ ہوتے اور اگر کافر و منافق و غاصب ہو کر بھی مظفر و منصور
ہو جائیں تو پھر ایسے وجوب لطف و عدل کو دونوں ہاتھوں سے سلام ہے۔ اگر ایسا ہوتا تو
جو چاہتا مدعی نبوت بھی ہو جاتا اور کامیاب ہو جاتا حالانکہ یہ ہرگز ممکن نہیں۔ ہاں عجب
نہیں کہ حق تعالےٰ کی نسبت بھی تقیہ کی شاخ بعض فرق شیعہ لگانے پر مستعد ہو جائیں پھر
ہنگام وفات سلطنت و خلافت پر جو عالم کی دینی اور دنیوی سرداری ہے اپنے کسی بیٹے یا
عزیز و قریب کو جانشین و متمکن نہ کیا بلکہ اُس وقت بھی صلاح امت کو ملحوظ رکھا اور دنیا
سے شوائب نفسانیہ سے پاک و صاف رخصت ہوئے اور پہلوئے مبارک رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم میں مدفون ہو کر آپ کی مصاحبت اور مرافقت کے ساتھ مشرف ہوئے اور جو قرب
مرتبہ زندگانی میں حاصل تھا بعد وفات بھی وہی تقرب مرتبہ حق تعالیٰ نے ان کو عطا فرمایا علاوہ
ازیں ہزارہا واقعات ہیں جو بشرط انصاف ان حضرات کے کمال ایمانی اور فضائل و مناقب پر
بالبداہت دلالت کرتے ہیں۔ چنانچہ مخالفان اسلام اور دشمنان دین نے بھی مجبور ہو کر بلحاظ واقعات
تاریخی داد انصاف دی اور ان حضرات کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور دین اسلام کا سچا
خیر خواہ قرار دیا ہے

تروی مناقبھم ھم اعداؤھم　　　　والفضل ما شہدت بہ الاعداء

(دیکھو تصنیفات ڈاکٹر گبن و ڈیون پورٹ و کارلائل وہیل وغیرہ وغیرہ) کتاب اللہ جس کی حفظ و
صیانت کے لئے خداوند کریم کا محکم وعدہ تھا ان کی مدح و ثنا سے مالا مال ہے قرآن کے جاننے
والے جانتے ہیں کہ خداوند عالم نے کہیں ان کو کُنْتُمْ خَیْرَ اُمَّۃٍ کے تاج سے سرفراز
فرمایا اور کہیں وَاللّٰہُ وَلِیُّھُمَا کا تمغہ عطا فرمایا اور کبھی اَجْرٌ عَظِیْمٌ کا مژدہ سناتے ہیں اور کبھی
فَانْقَلَبُوْا بِنِعْمَۃٍ مِّنَ اللّٰہِ وَفَضْلٍ لَّمْ یَمْسَسْھُمْ سُوْٓءٌ وَّاتَّبَعُوْا رِضْوَانَ اللّٰہِ کے ساتھ
خوشخبری فرماتے ہیں کہیں لَا یَخَافُوْنَ فِی اللّٰہِ لَوْمَۃَ لَآئِمٍ فرما کر ان کی مدح و ثنا فرماتے
ہیں۔ کہیں اَشِدَّآءُ عَلَی الْکُفَّارِ رُحَمَآءُ بَیْنَھُمْ تَرٰھُمْ رُکَّعًا سُجَّدًا یَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا

مِّنَ اللّٰہِ وَرِضْوَانًا سے ان کی قدر و منزلت بڑھاتے ہیں کسی جگہ اُن کی تمثیل کتب سابقہ
میں کَزَرْعٍ اَخْرَجَ شَطْـَٔہٗ فَاٰزَرَہٗ فَاسْتَغْلَظَ فَاسْتَوٰی عَلٰی سُوْقِہٖ یُعْجِبُ الزُّرَّاعَ
کے ساتھ فرما کر ان کے دشمنوں و بدخواہوں کو لِیَغِیْظَ بِھِمُ الْکُفَّارَ کی تہدید سے دھمکاتے
ہیں کسی جگہ لَقَدْ تَّابَ اللّٰہُ عَلَی النَّبِیِّ وَالْمُھٰجِرِیْنَ وَالْاَنْصَارِ الَّذِیْنَ اتَّبَعُوْہُ سے
مکرر اطمینان دلاتے ہیں کسی جگہ لٰکِنِ الرَّسُوْلُ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مَعَہٗ جٰھَدُوْا بِاَمْوَالِھِمْ
وَاَنْفُسِھِمْ وَاُولٰٓئِکَ لَھُمُ الْخَیْرٰتُ وَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الْمُفْلِحُوْنَ اَعَدَّ اللّٰہُ لَھُمْ جَنّٰتٍ
تَجْرِیْ اور وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَھَاجَرُوْا وَجٰھَدُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ بِاَمْوَالِھِمْ
وَاَنْفُسِھِمْ اَعْظَمُ دَرَجَۃً عِنْدَ اللّٰہِ وَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الْفَآئِزُوْنَ یُبَشِّرُھُمْ رَبُّھُمْ
سے ان کی کامیابی دارین کی پختہ شہادت دیتے ہیں حالانکہ منافقوں کے لئے کہیں وَ
اُولٰٓئِکَ ھُمُ الْخٰسِرُوْنَ فرماتے ہیں اور کسی جگہ اِنَّمَا یُرِیْدُ اللّٰہُ لِیُعَذِّبَھُمْ فِی
الْحَیٰوۃِ الدُّنْیَا اور فِی الدُّنْیَا کی دھمکی دیتے ہیں۔ تو اب اہل عقل غور سے دیکھیں، کہ
صحابہ کبار و خلفاء ابرار اپنے مطالب دینی و دنیاوی میں کامیاب تھے یا خائب و خاسر کہیں
ارشاد ہے وَالْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنٰتُ بَعْضُھُمْ اَوْلِیَآءُ بَعْضٍ یَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَ
یَنْھَوْنَ عَنِ الْمُنْکَرِ وَیُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوۃَ وَیُؤْتُوْنَ الزَّکٰوۃَ وَیُطِیْعُوْنَ اللّٰہَ وَ
رَسُوْلَہٗ اُولٰٓئِکَ سَیَرْحَمُھُمُ اللّٰہُ جس سے اُن کے اعمال شائستہ سے کمال ایمانی
ثابت ہوتا ہے بخلاف منافقوں کے کہ ان کے اعمال سیئہ کی تعداد ہو کر خرابی و تباہی بیان
کی جاتی ہے فرمایا ہے اَلْمُنٰفِقُوْنَ وَالْمُنٰفِقٰتُ بَعْضُھُمْ مِّنْ بَعْضٍ الخ کہیں اِذْ ھُمَا فِی الْغَارِ
اِذْ یَقُوْلُ لِصَاحِبِہٖ لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰہَ مَعَنَا فَاَنْزَلَ اللّٰہُ سَکِیْنَتَہٗ عَلَیْہِ فرماتے
ہیں جس سے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا صاحب رسول ہونا اور اس کے ساتھ مصاحبت رسول اللہ
خدا تعالےٰ کی معیت کا فخر حاصل ہونا اور نزول سکینہ اس پر ہونا ثابت ہو کر موجب کمال
ایمانی اور افضلیت ہوتا ہے تعجب تو یہ ہے کہ جناب امیر رسول اللہ پر جانبازی فرمائیں

اورآپ کے بستر پر آپ کی جگہ لیٹیں اور حفظِ جان کی ذرہ بھی پرواہ نہ کریں۔ خدا تعالےٰ اُس کی اشارۃً بھی تمام قرآن مجید میں تعریف نہ فرماوے اور ابوبکرؓ بغرض فاسد آپ کے ہمراہ ہوکر واسطے اظہار حال کے جزع وفزع وحزن وملال ظاہر کریں خدا تعالےٰ اُس کا ذکر ایسے کلمات کے ساتھ فرماوے جس میں ظاہراً بلا تاویل اُس کی مدح وثنا پیدا ہو اور اشارۃً بھی اُن کی نیت بد ظاہر نہ ہوتی ہو۔ معاذ اللہ توبہ توبہ خُدا کی جانب لغو اور جھوٹ کا الزام عاید ہوتا ہے یا یہ کہو کہ ابوبکرؓ سے ڈر کر ایسا کہا مگر نہیں اس میں تحریف ہوتی، اور لفظ ویلك حذف ہوا ہے ادھر علی رسولہ کی جگہ علیہ اپنی تعریف کے لئے رکھ دیا ہے۔ نعوذ باللہ من ذلک کہیں وَالَّذِيْنَ آمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَجَاهَدُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ اٰوَوْا وَّنَصَرُوْا اُوْلٰٓئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا فرماکر اُن کے کمال ایمانی کی شہادت موکد دیتے ہیں کہیں اپنی تائید ونصرت جو اُن کے شامل حال ہوتی ہے اُس کا ذکر فرماتے ہیں۔ فَاٰوٰىكُمْ وَاَيَّدَكُمْ بِنَصْرِهٖ ارشاد ہے کہیں اُن کی تائید وتقویت جو رسُول صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہوتی ہے اُس کو موقع احسان میں فرماتے ہیں هُوَ الَّذِيْٓ اَيَّدَكَ بِنَصْرِهٖ وَبِالْمُؤْمِنِيْنَ اور بکمال لطف اپنی معفرت ومعونت کے پہلو بہ پہلو ذکر فرماتے ہیں کسی جگہ اپنی موالات بکمال عنایت ذکر فرماتے ہیں فَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ مَوْلٰىكُمْ نِعْمَ الْمَوْلٰى وَنِعْمَ النَّصِيْرُ اور کہیں اپنی رضا وخوشنودی دوعدہ جنات ظاہر فرماتے ہیں چنانچہ ارشاد ہے رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ وَاَعَدَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ اور اپنی خوشنودی کے مژدہ کے ساتھ ان کی رضا وخوشنودی کی شہادت دیتے ہیں۔ غرض مواقع مختلفہ قرآن شریف میں مختلف پیرایوں اور صورتوں میں صراحۃً اور کنایۃً اور اشارۃً اور دلالۃً حق تعالےٰ شانہ ان اکابرین اور پیشوایان امت کی تعریف وتوصیف اور مدح وثنا فرماتا ہے جس کی تفصیل اس جگہ احاطہ احصا سے خارج ہے لہٰذا اسی قدر

قلیل پر اکتفا ہوکر دُوسرے مدائح کی نسبت کچھ کچھ عرض کیا جاتا ہے۔

احادیث رسُول اللہ جو بواسطہ حاملان کتاب اللہ اور ناقلان دین رسُول اللہ اہل عدالت وثقاہت قرناً بعد قرن اس بارہ میں منقول ہوئی ہیں اپنی شہرت وکثرت صداقت کے اعتبار سے قدر مشترک اُن کی درجہ تواتر اور قطع اور یقین کو پہنچ گئی ہے اس کی شہرت کی ایک یہ ہی دلیل کافی ہے کہ حضرات شیعہ کی کتابوں میں بایں بغض و عداوت صحابہؓ روایات متضمن مناقب صحابہؓ بطریق مختلفہ ومضامین متفرقہ پائی جاتی ہیں جن کی تفصیل کی اس جگہ گنجائش نہیں ہے مگر مجملاً اتنا عرض ہے کہ اصوُل فضائل ضرور ثابت ہوتے ہیں کہ کہیں کسی روایت سے وزیر ومشیر ہونا ثابت ہوتا ہے کسی جگہ بمنزلہ اجزاء گوش وچشم وقلب کے قرار دیئے جاتے ہیں کہیں انبیاء اولوالعزم سے تشبیہ پاتے ہیں کہیں امامت نماز ثابت ہوتی ہے کہیں اصحابی فبیکم کمثل النجوم فرماتے ہیں کہیں دعوالی اصحابی ارشاد ہے کسی جگہ من سب اصحابی فاجلدوہ کی دھمکی ہے الغرض بایں بغض وعداوت جب ان کے دشمن ان کے فضائل نہ چھپاسکے (اور کیونکر چھپا سکتے ہیں صَدَقَ اللّٰهُ تَعَالٰى يُرِيْدُوْنَ لِيُطْفِئُوْا نُوْرَ اللّٰهِ بِاَفْوَاهِهِمْ وَاللّٰهُ مُتِمُّ نُوْرِهٖ) تو اس سے زیادہ اور کیا ثبوت شہرت وتواتر ہوسکتا ہے۔

اقوال آئمہ شہادت جناب امیرؓ ودیگر ائمہ بروایات متواترہ اس کثرت کے ساتھ مثبت فضائل جناب خلفاءؓ ودیگر صحابہ کرامؓ ہیں کہ کسی عاقل متدین ومنصف کو چون وچرا کی گنجائش نہیں دوچار شہادات بطور تمثیل معروض ہوتی ہیں۔ نہج البلاغۃ جو قطعاً کلام جناب امیرؓ خیال کی جاتی ہے اس کے خطوط اور خطبوں میں متعدد جگہ ایسی عبارات و کلمات موجود ہیں جن سے جناب شیخینؓ ودیگر صحابہؓ کا کمال فضل ثابت ہوتا ہے اور علاوہ اس کے اور بھی روایات مختلفہ سے یہ مدعا بخوبی ثابت ہے من جملہ ان کے خطبہ

للہ بلاد فلان الخ ہے کہ جناب امیرؓ نے ایک شخص کی تعریف و توصیف فرمائی جو بدو ئے عقل و نقل یعنی تصریح علماء شیعہ بجز احد الشیخین یعنی ابوبکرؓ یا عمرؓ کے دوسرا کوئی نہیں ہو سکتا جس کا ماحصل یہ ہے کہ وہ ایسا شخص ہے جس نے کجی کو سیدھا کیا اور بیماری (قلبی) کا علاج کیا اور سنت نبوی کو قائم کیا اور بدعت کو پس پشت ڈالا پاک دامن و بے عیب (خدا کی طرف) کوچ کیا خلافت کی بھلائی کو تو پا لیا اور برائی سے بچ گیا طاعت خدا بجا لایا اور جیسا چاہیئے تقویٰ کیا۔ لوگوں کو ایسے متفرق راستوں میں چھوڑ کر کوچ فرما گیا کہ نہ ان میں راہ گم گشتہ راہ یاب ہو سکے اور نہ ہدایت یافتہ اپنی راہ پالی کا یقین کر سکے۔ منجملہ ان کے شارح نہج البلاغۃ ابن ہیثم بحرانی جناب امیرؓ کے ایک خط کا ٹکڑہ نقل کرتے ہیں جس کے الفاظ یہ ہیں:۔

وذکرت ان اجتبیٰ له من المسلمین اعوانًا ایدھم به فکانوا فی
منازلھم عنده علیٰ قدر فضائلھم فی الاسلام وکان
افضلھم فی الاسلام کما زعمت وانصحھم للہ ولرسوله
الخلیفة الصدیق وخلیفة الخلیفة الفاروق ولعمری ان
مکانھما فی الاسلام لعظیم وان المصائب بھما فی الاسلام
لجرح شدید یرحمھما اللہ وجزاھما باحسن ما عملا۔

اور تو نے کہا کہ اللہ نے اپنے رسول کے لئے مسلمانوں میں سے مددگار رچھانٹے جن کے ساتھ اس کی تائید کی اور وہ اپنے اسلامی فضائل کی قدر کے موافق اپنے اپنے مرتبہ پر تھے اور ان میں اسلام میں سب سے افضل جس طرح تو کہتا ہے اور سب سے زیادہ اللہ و رسول کا خیرخواہ خلیفہ ابوبکر صدیق اور خلیفہ کا خلیفہ عمر فاروق تھے اور مجھ کو زندگانی کی قسم اسلام میں ان کا مرتبہ عظیم ہے اور ان کی موت سے اسلام پر ایک شدید زخم

ہے اللہ تعالیٰ ان پر رحم کرے اور ان کو ان کے اچھے اعمال کی جزا دیوے ۔ترجمہ مولانا میر محمدؒ

منجملہ ان کے جناب امیرؓ نے زمانہ شیخینؓ کو اس وعدہ خداوندی کے پورا ہونے کا زمانہ قرار دیا جو خلیفہ بنانے اور دین پسندیدہ کے مستحکم کرنے اور خوف کو امن سے بدلنے کی نسبت فرمایا تھا۔ منجملہ ان کے خوارج کو فرماتے ہیں فلم تضللون عامة امة محمد صلی اللہ علیه واله بضلالی الخ من جملہ ان کے شارح نہج البلاغۃ آپ کا ارشاد نقل فرماتے ہیں ماکنت الا رجلا من المھاجرین اوردت کما اوردوا واصدرت کما اصدروا الخ اس شہادت جناب امیر سے بلکہ آپ کی کرامت سے ہمارا دعویٰ مدلل ثابت ہو گیا کہ آپ کا حال دوسرے مہاجرین جیسا ہے اگر وہ راہ یاب ہوئے تو میں بھی راہ یاب ہوں اور وہ گمراہ ہوئے تو میں بھی گمراہ ہوں تو اگر کوئی شخص مدعی ایمان جناب امیر ہو کر اور کسی شخص مہاجر کے ایمان سے انکار کرے تو اس کا دعوے بہ شہادت جناب امیرؓ جھوٹا اور باطل ہوگا۔

تفسیر امام حسن عسکری میں ہے ان رجلا من مبغض ال محمد واصحابه او واحدا منھم یعذبه اللہ عذابًا لو قسم علیٰ مثل ماخلق اللہ لاھلکھم اجمعین اور نیز اسی تفسیر میں وارد ہیا موسے اما علمت ان فضل صحابة محمد علیٰ صحابة جمیع المرسلین کفضل آل محمد علیٰ آل جمیع المرسلین صحیفہ کاملہ میں امام سجاد سے منقول ہے جسے حضرات شیعہ بطور وظیفہ پڑھتے ہوں گے۔

اللّٰھم واصحاب محمد خاصة الذین احسنوا الصحابة
والذین ابلئوا البلاء الحسن فی نصرہ

الٰہی اور رحمت بھیج بالخصوص اصحاب محمد پر جنہوں نے اچھی رفاقت کی اور اس کی اعانت میں خوب آزمائش کئے گئے۔ ترجمہ مولانا میر محمدؒ

سید دلدار علی صاحب اپنے اساس میں بحوالہ طبرسی امام ابوجعفر سے

نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے ابوبکر صدیق کی نسبت فرمایا۔

لستُ بمنکر فضل ابی بکر

میں ابوبکر کی بزرگی کا منکر نہیں ہوں (ترجمہ از مولانا میرعلی)

علاوہ ازیں ان حضرات کے زمانہ خلافت میں جناب امیر کا باہم شیر و شکر رہنا اعانت و تائید کرنا صلاح و مشورے نیک دیتے رہنا صریح دلیل ثبوت مدعا ہے الحاصل اس قسم کے دلائل اہل حق اثبات ایمان و فضائل جناب خلفاء و دیگر صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین میں قائم کرتے ہیں اور بڑے دعوے کے ساتھ سینہ ٹھوک کر کہتے ہیں کہ شیعہ و خوارج بھی بجز ان دلائل کے کوئی دوسری دلیل اثبات ایمان جناب امیر یا جناب شیخین میں ہرگز پیش نہیں کر سکتے اور اگر بالفرض یہ دلائل معروضہ باطل ہو جائیں تو پھر ہرگز کسی طرح کا ایمان خلفاء و صحابہ میں سے (جن میں جناب امیر بھی شامل ہیں) ثابت نہیں ہوسکتا ہے بلکہ مصداق کار د باستخوان رسالت و حقیت اسلام میں خلل واقع ہوتا ہے بلکہ حضرات شیعہ کو دو مرحلے سخت دشوار یہ پیش آتے ہیں کہ اول تو یہ کہ جب ان دلائل کو بوجہ عداوت صحابہ تاویلات رکیکہ کر کے باطل اور غلط قرار دیں گے اور یہ دلائل بزعم ان کے غلط اور باطل ہو جائیں گے تو اثبات ایمان جناب امیر میں ان کو پایہ مستدل کسی طرح قرار نہ دے سکیں گے نہ کوئی دوسری دلیل اثبات ایمان جناب امیر میں ان کے پاس موجود ہے پس اثبات ایمان جناب امیر علیہ السلام سے عاجز ہونگے دوسرا مرحلہ یہ ہے کہ جب مخالفین شیعہ یا مخالفین جناب امیر شیعہ کی کتب مذہبی سے جناب امیر کے خارج از ایمان ہونے کا ثبوت دیں گے اور بڑے روایات معتبرہ شیعہ معاذ اللہ، تو بہ توبہ جناب امیر کا نفاق و ارتداد کا شمس فی نصف النہار اثبات کو پہنچائیں گے تو اس وقت ان حضرات دشمن دوست نما کو اثبات ایمان سے عاجز ہونے پر اکتفا نہ ہوگا، بلکہ صراحتہً بموجب اپنی ایمانی روایات کے اقرار کفر و نفاق ز افضل الاثر کرنا پڑے گا

اور رجعت صغریٰ بلکہ کبریٰ کا مزہ یاد آجائے گا۔ شائد کسی ناواقف کو تامل و تردد ہو کہ جن کا ولاء و تمسک اس حد تک پہنچا ہو کہ انبیاء و رسل سے بھی بڑھا دیا ہو، ان کی کتب دین و ایمان سے ثبوت کفر و نفاق کے کیا معنی مگر سچ ہے دوستی بیخرد خود دشمنی است چنانچہ انبیاء علیہم السلام کو بھی باوجود دعویٰ عصمت کفر تک سے نہ چھوڑا اب ذرا متوجہ ہو کر سنیئے اور اس کا ثبوت لیجیے مشتے از خروارے و قطرہ از بحارے تفصیل دوسرے وقت پر حوالہ ہو کر اجمالاً عرض ہوتا ہے۔ بعد وفات جناب سرور کائنات علیہ و علی آلہ الصلوات ثقلین یعنی کتاب اللہ اور عترت باقی رہی جن کے تمسک اور حفظ اور نگہداشت کی وصیت کمال شد و مد کے ساتھ کی گئی تھی اب حضرات شیعہ انصاف و عقل کی آنکھوں سے اپنی ہی کتابوں میں پڑھیں اور دیکھیں کہ جناب امیر نے اُن کے ساتھ کیسا سلوک کیا اول کتاب اللہ کو لیجیے جب وفات سرور کائنات کے بعد اصحاب مرتد ہوئے اور دین کو درہم و برہم کیا اور اپنی مرضی کے موافق جھوٹے اور غلط مسائل لوگوں کو بتلا کر گمراہ کرنے لگے اور کتاب اللہ کو جس کی نگہبانی کا وعدہ بکمال تاکید ہوا تھا تحریف کیا اور سورتیں اُس میں سے نکال ڈالیں اور جو چاہا اس میں بڑھایا جس سے آج تک قلوب مخلصین پاش پاش ہیں اور وہی قرآن محرف تمام عالم مشرق سے مغرب تک پھیلایا ایسی سخت ضرورت کے وقت میں جناب اسد اللہ نے اصلی قرآن منزل من اللہ کو جس میں مدائح اہل بیت اور فضائح صحابہ صاف صاف لکھے ہوئے تھے ایسا صندوق تقیہ میں دبایا کہ آج تک شیعان ایران اور فدائیان کوفۃ الہند کو خواب میں بھی زیارت نہیں ہوئی اور انشاء اللہ قیامت تک نہ ہوگی اور ہمیشہ بلکہ اپنی خلافت کے زمانہ میں بھی اسی جھوٹے اور مصنوعی قرآن کو اپنی نمازوں میں پڑھتے رہے اور اپنے شیعوں کو اسی کی تلاوت کا حکم اور تلاوت پر مثوبات اُخروی کا مژدہ سناتے رہے

ناظرین کو واضح ہو کہ بہ نیت شیعہ سے بمقتضائے نقل کفر کفر نباشد محض الزاماً نقل کر ... مسائل کو ... اس سے بری اور بیزار سمجھیں۔

نہ کبھی دشمنان دین کو تحریف واشاعت قرآن محرف سے روکا بایں ہمہ قوت وشجاعت
کہ عمر فاروق آپ سے مرتے دم تک ڈرتے رہے ایک بھی دھمکی نہ دی ایک بھی
معجزہ نہ دکھلایا اگر روک نہیں سکتے تھے تو اپنا سچا قرآن ہی شائع کر دیتے اگر اور
کسی کی خلافت میں خوف تھا (خوف کیسا آپ کی موت وحیات تو اختیاری تھی)
تو اپنی ہی خلافت میں شائع کرتے اور اگر شائع کرنا خلاف مصلحت تھا تو سو پچاس
اپنے شیعان پاک ہی کو تعلیم فرما دیتے (کیا شیعان پاک اور فدائیان جانباز ناصبی و
خارجی تھے کہ اُن سے بھی مخفی رکھا) سچ تو یہ ہے کہ حفظ وصیت کے یہی معنی تھے کہ
احاد امت سے اُس کو کوئی دیکھ بھی نہ سکے۔

اہل عقل وانصاف غور کریں کہ یہ کام کسی پکے مسلمان اور سچے خیر خواہ اسلام
کا ہے یا کسی بدخواہ مسلمانان اور دشمن اسلام کا نہیں۔ نہیں صرف چھپانے پر ہی اکتفا نہیں
فرمایا بلکہ حضرت افضل الائمہ نفس رسول ہمیشہ بموجب ارشاد

فنبذوہ وراء ظھورھم واشتروا بہ ثمنا قلیلا

پھینکدیا انہوں نے اس کو پیٹھوں کے پیچھے اور لی اُس کے بدلے
تھوڑی قیمت۔ (ترجمہ از مولانا میرٹھی)

اس کے اوامر ونواہی کی مخالفت کرتے رہے حق تعالیٰ شانہ تو

ان الذین یکتمون ما انزلنا من البینات والھدیٰ من بعد ما
بیناہ للناس فی الکتاب اولئک یلعنھم اللہ ویلعنھم اللاعنون

جو لوگ چھپاتے ہیں جو کچھ اتارا ہم نے صاف حکم اور ہدایت کی باتیں بعد اس کے
کہ ہم نے ان کو بیان کر دیا لوگوں کے لئے کتاب میں یہی ہیں جن پر لعنت کرتا ہے
اللہ اور لعنت کرتے ہیں لعنت کرنے والے۔ (ترجمہ از مولانا میرٹھی)

فرما کر قرآن اور اس کے احکام کے چھپانے والوں کو مورد اپنی اور لاعنین کی لعنت

کا فرماتے اور وصی رسول برخلاف حکم الٰہی اس کو ایسا چھپاویں کہ کسی کو بھی پتہ نہ چلے
اور اصول شیعان اور مخلصان پاک پر (معاذاللہ) مصداق اس آیت کے بنیں۔ اللہ
تعالیٰ تو ان الذین توفٰھم الملائکۃ الایہ فرما کر دار الکفر سے ہجرت واجب فرماتے
اور باوجود قدرت ہجرت ترک کرنے والوں کے لئے ماواھم جھنم اور ساءت
مصیرا فرماتے اور جناب فاروق اعظم شیعہ باوجود قدرت گھر سے بھی قدم نہ نکالیں
جب ابر و باد زیر فرمان ہے تو بلاد عادیں ہی اپنے شیعہ کو لے جا کر آباد ہو جاتے
بلکہ ہمیشہ کفار واشرار کے یار غار ورفیق وغمگسار لیل ونہار ہم پیالہ وہم نوالہ رہے
اور بقول مومنین مخلصین مورد ماواھم جھنم اور ساءت مصیرا کے ہوئے اللہ
تعالیٰ جاھد الکفار والمنٰفقین فرماتے اور خلیفہ برحق جہاد کی جگہ کفار کے ہاتھوں
پر بیعت خلافت کرکے ربقہ اطاعت وانقیاد گردن میں ڈالیں اور بجائے غلظت صدیق
اکبر شیعہ اہل کفر ونفاق کی جھوٹی تعریفیں اور خوشامدیں علی الاعلان کریں جناب باری
عز اسمہ تو لا تتولوا قوما غضب اللہ علیھم اور من یتولھم منکم فانہ منھم
فرمائے اور جناب سید الاوصیاء ان سے موالات فرمائیں اس سے بڑھ کر اور کیا
موالات ہو سکتی ہے کہ ان کو خلعت دامادی پہنائیں اور شرف مصاہرت سے مشرف
فرمائیں خداوند عالم تو فاصدع بما تؤمر فرمائے اور من لم یحکم بما انزل
اللہ فاولئک ھم الکٰفرون تک کی دھمکی دیوے اور امام برحق دین کو دبکائے
اور غلط مسائل خلاف ما انزل اللہ سے لوگوں کو گمراہ کرتے رہیں حق جل وعلا تو
ولا ترکنوا الی الذین ظلموا فتمسکم النار وما لکم من دون اللہ من اولیاء ثم
لا تنصرون فرمائے اور امام الائمہ اہل ظلم سے دوستیاں کریں ان کے اموال غنائم
بے تکلف کھائیں اُن کے غنائم کی چھوکریوں سے جو حرام تھیں بے دغدغہ صحبتیں
کریں۔ حق تعالیٰ شانہ تو خلافت موعودہ بقولہ وعد اللہ الذین اٰمنوا منکم الخ کو

(جس کے مخالفین کو فسق کا لقب دیا ہے) مؤید من اللہ فرمائے اور سید الاولیاء اُس کے توڑنے کے منصوبے باندھیں۔ علاوہ ازیں بموجب حکم کتاب مختوم خدا تعالےٰ کی طرف سے تو بہ مقابلہ خلفاء جور بکمال تشدید وتاکید صبر وسکوت کا حکم صادر ہوا اور خلیفہ رسول بلافصل اس کے برخلاف ادنیٰ معاملہ میں جیسا میزاب عباس تلوار کشی فرمائیں قتل و قتال پر آمادہ ہو جائیں (شاید ایسی خلافت ماخوذ خلاف سے ہوگی) پس اہل عقل اپنی میزان عقل میں اندازہ فرمائیں کہ یہ کام کسی ادنیٰ ایمان والے کا ہو سکتا ہے اس انبار کفریات کی کہاں تک تعداد کی جائے الغرض قرآن ناطق نے قرآن صامت کی فی الواقع خوب ہی نگہداشت کی اور کتاب اللہ سے بہت ہی اچھا تمسک فرمایا پھر حیف ہے کہ اس پر بھی ان کو افضل امت اور نفس رسول فرمائیں اور ان کے منکر کو کافر ٹھرائیں۔

اب عترت کی طرف ذرا متوجہ ہو کر اجمالی حالات سن لیجئے کہ جب کفار و منافقین نے جناب سیدہ معصومہ پر (دروغ برگردن راوی) ظلم اور زیادتیاں کیں، باغ فدک جو ہبہ یا وصیت یا میراث میں ملا تھا غصب کیا اور آپ کو برسر منبر گالیاں دیں اور تہمت فاحشہ کے ساتھ متہم کیا اور آپ کے شکم مبارک پر ضرب کا ایسا صدمہ پہنچایا جس سے بعد سقوط حمل اہلبیت کے دو معصوم ہلاک ہوئے اور خانہ رشک جنت کو آگ لگا دی اور جلا ڈالا اور جناب سیدہ نے بلبلا کر اسد اللہ سے پدرمن مرد و یاور من سست شد بہزار حسرت وافسوس کہا فرمائیے تو سہی ایسے وقت میں آپ کے اسد اللہ الغالب نے اہل بیت پیغمبر کی کیا دستگیری فرمائی اور کیا حفظ و نگہداشت کی قطع نظر عترت ہونے کی غیرت و حمیت کے (جو اوصاف عالیہ میں سے ہے) متقضیٰ سے ہی فرمایئے کہ آپ کو کیا کرنا تھا ایسے موقع میں ایک ادنیٰ آدمی بھی اپنی جان دے دیتا ہے مگر ظاہر یہ ہے کہ اسد اللہ کفار و منافقین سے مل گئے اور بخوف منافع دنیاویہ ظالموں سے مل کر اہل بیت رسالت کی توہین و تذلیل کرائی۔ چنانچہ بقول علامہ مجلسی[1] جناب سیدہ نے ناخوش ہو کر شل جنین پردہ نشین رحم شدہ

[1] حق الیقین فارسی ص۲۰۳ طبع ایران۔ ۱۲ شبیر محمد علوی غفرلہ

و مثل خائنین در خانہ گریختہ گرگان میدرند و میبرند نواز جاتے خود حرکت نمی کنی فرمایا اور ذرا حمیت اور غیرت اسلامی کو جوش نہ آیا اہل عقل وانصاف غور فرمائیں کہ اگر کسی میں تھوڑا سا بھی اسلام ہو وہ اہلبیت نبوت پر باوجود قدرت اس قدر ظلم و ستم دیکھ سکتا ہے یہ وہی کر سکتا ہے کہ جس کے دل میں ایمان کی بلکہ ایمان کے ساتھ غیرت کو بو بھی نہ ہو اس سے بڑھ کر لیجئے کہ وہی کفار ومنافقین دختر اسد اللہ اور نواسی رسول اللہ کو جبراً چھین کر لے گئے اور سالہا سال تک اپنے عقد و تصرف میں رکھا یہاں تک کہ اولاد بھی ہوئی جس پر آج تک شیعان پاک نوحہ کرتے چلے آتے ہیں۔ مگر اسد اللہ نے ان کی رعایت سے یہاں تک صبر و سکوت کیا کہ مطلق چون و چرا نہ کیا اس دختر نیک اختر نے طمانچہ تک مارا پر اسد اللہ کو ذرا بھی جوش ایمانی نہ آیا اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ ملی ہوئی بھگت تھی کوئی ایماندار کہہ سکتا ہے کہ یہ کسی مومن کا کام ہے یہ کام تو ایسے شخص کا ہو سکتا ہے جس نے اپنے دین کو بعوض دنیا بیچ ڈالا ہو۔ بالجملہ بڑے روایات مذہبی شیعہ صدہا ایسے امور ہیں جن سے یہ صاف معلوم ہوتا ہے کہ ایمان لانا اور ہجرت کرنا اور اعانت رسول کرنا صرف دکھلانے کے لئے تھا اور ان کے دل میں ذرہ بھر بھی ایمان نہ تھا۔ نعوذ باللہ من تلک الکفریات

حضرات شیعہ علماء سے جناب امیر کا ایمان ثابت کرنے کا مطالبہ

لہٰذا اب جمیع علماء شیعہ سے سوال کیا جاتا ہے کہ آپ حضرات اگر دلائل مذکورہ سے ایمان و فضائل جناب شیخین رض وغیرہ کے قائل نہیں ہوتے تو جناب امیر کا مومن ہونا کسی ایسی دلیل قطعی سے ثابت کر دیں جو شرائط مندرجہ التماس کے موافق ہو حوصلہ و ہمت کی بات تو یہ ہے کہ ان سب دلیلوں کو چھوڑ کر کوئی ایسی دلیل ڈھونڈ کر لائیں کہ اس میں کسی احتمال کی بھی گنجائش نہ ہو اور اس کے مقدمات خصم کو مسلم ہوں اور حضرت امیر کا ایمان [illegible] سے ثابت ہو جائے مگر ناظرین دیکھ لیں گے کہ انشاء اللہ ابد الدہر تک بھی شیعہ کو کوئی ایسی

دلیل نصیب نہ ہوگی اور ممکن نہیں کہ بدون اختیار مذہب حق اُن کو کامیابی حاصل ہو اور وہ اپنے اصول پر جواب دے سکیں حضرات شیعہ نے عداوت صحابہ کرامؓ کی وجہ سے اپنے مذہب میں ایسا رخنہ ڈالا ہے اور اپنے پاؤں میں ایسا تیشہ مارا ہے کہ قیامت تک اُس کا علاج اُن کے اصُول پر ممکن نہیں یہ تو صرف علماء شیعہ سے ایمان جناب امیرؓ کے ثابت کرنے کی درخواست کی گئی ہے۔ بہت بڑا مقدمہ اسلام و نبوت کا ہے کہ شیعہ کے اصُول پر اس کا ثابت ہونا بمقابلہ کفار و منکرین اسلام اس سے زیادہ محال ہے چنانچہ انشاء اللہ عنقریب دُوسرا سوال طبع ہو کر شائع ہونے والا ہے اس میں چند مقدمات قائم کر کے دُنیا کے شیعوں سے استدعا کیجائیگی کہ اپنے مذہب کی رو سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نبی برحق ہونا اور اسلام کا دین خدا ہونا بمقابلہ منکرین اسلام ثابت کر دیں اور مذہب شیعہ سلامت باقی رہے۔

(السائل سید شاہ محمد ولایت حسین ساکن دیورہ ضلع گیا)

نوٹ:۔ علماء شیعہ کی خدمت میں گزارش یہ ہے کہ اگر دلائل مذکورہ کے علاوہ کوئی دوسری دلیل مگر مطابق شرائط معروضہ التماس پیش نہ کر سکیں تو ہرگز ہرگز قصد تحریر جواب نہ فرمادیں۔ ماہ ذی الحجہ ۱۳۱۱ھ ہجری۔

اہل عقل کے غور کا مقام ہے کہ اس وقت تک بجائے چھ ماہ کے چار سال کا عرصہ گزر گیا جواب کے انتظار میں آنکھیں پتھرا گئیں علماء شیعہ میں سے کسی نے اس وقت تک دم سانس نہ نکالا حالانکہ یہ سوال اصل اصول تشیع سے کیا گیا تھا بلکہ اصل اعتقادیات اسلام سے تھا اس کا ثبوت تو بیّن اور بدیہی ہونا چاہیئے تھا اگر ہندوستان کے علماء شیعہ کو اس کا جواب دینا کٹھن تھا تو علماء ایران کی ہی خدمت میں بھیج کر جواب منگایا ہوتا شاید وہی کچھ دستگیری فرماتے اور تشیع کی ڈوبتی ناؤ کو بچاتے مگر نہیں میں نے بھی غلط کہا۔ بیچارے علماء ایران و علماء مشہد مقدس اور علماء کربلائے معلےٰ کی کیا مجال ہے

کہ اس جذر اصم کا جواب دے سکیں۔ ولن یصلح العطار ما افسد الدھر اِس کے جواب کے لئے تو یہ مناسب بلکہ ضرور تھا کہ موافق طریق معہود کے یہ سوال کسی سوراخ یا درخت یا چاہ میں رکھکر امام آخرالزمان سے اس کی بابت چارہ جوئی فرماتے امام صاحب اگر کچھ اشک شوئی اور مشکلکشائی فرماتے تو تعجب نہ تھا اور ہمارا حسن ظن شاہد ہے کہ ضرور اس عرصہ دراز چار سال میں عرائض بحضور امام آخرالزمان بھیج کر فریاد و فغان کی ہوگی مگر ظاہر ہے کہ حضرت امام آخرالزمان ائمہ گزشتہ کی تکذیب نہیں فرمائینگے علامہ باقر مجلسی بحار الانوار کی جلد اوّل میں روایت فرماتے ہیں۔

عن ابی عبداللہ قال قال رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ایاکم وجدال کل مفتون فان کل مفتون یلقن حجتہ الی انقضاء مدتہ فاذا انقضت مدتہ احرقتہ فتنتہ بالنار۔

۔ ابو عبداللہ سے مروی ہے کہ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ نے فرمایا ہر ایک بدمذہب کے مباحثہ سے اپنے آپ کو بچاتے رہنا کیونکہ ہر بد مذہب کو اس کی مدت کے پورے ہونے تک حجت تلقین ہوتی ہے اور جب اس کی مُدت پوری ہو جائے گی اس کا مذہب اُس کو آگ میں جلا دے گا۔ (ترجمہ از مولانا میر ظفیؒ)

پس امام صاحب نے بھی بجز اس کے اور کچھ نہیں فرمایا ہوگا کہ جن لوگوں کی نسبت امام ابو عبداللہ اور رسُول اللہ یہ ارشاد فرماتے ہیں کہ ان کو حجت تلقین ہوتی ہے ان کا مقابلہ کون کر سکے اور ان کا جواب کون دے سکے ایسے لوگوں کے مقابلہ میں تم کو سکوت کی ذلت اُٹھانا ہی بہتر ہے کیونکہ میں حضرات گذشتہ کی تکذیب نہیں کر سکتا اور اسی لئے خبر میں نسخ بھی جاری نہیں ہوتا لہٰذا یہی وجہ ہوئی کہ اس مختصر سوال کے جواب میں اس قدر عرصہ دراز تک تمام علماء شیعہ جو علوم میں ید طولیٰ رکھتے تھے یک لخت قفل سکوت بردہن رہے۔ پس اہل حق کو مُبارک ہو

کہ حسب اعتراف امام علماء شیعہ کو اہل سنت کے مقابلہ کی استطاعت نہیں ہے لہٰذا
اُن کا یہ دعویٰ ہے کہ مناظرات میں ہم نے اہلسنت کو مغلوب و عاجز کر دیا اور وہ
ہماری جواب دہی سے عہدہ برآ نہیں ہو سکتے امام معصوم کی کھلم کھلا تکذیب ہے جس کو
وہ بموجب اپنے اصول کے کفر یا فسق فرماتے ہوں گے۔ بالجملہ حضرت امام ابو عبد اللہ
نے تو یہ بات فرمائی ہو یا نہ فرمائی ہو ہماری رائے یہ ہے تو یہ مذہب کے اُن عیاروں کا
کام ہے جو مذہب کو ہر بہار و خزاں میں جدید لباس پہناتے اور نئے نرالے پردے
میں چھپاتے ہیں انہوں نے جب اپنے مذہب کو اور اس کے اصُول موضوعہ کو جانچا
اور میزان عقل میں ان کو تولا تو نہایت کمزور اور بودا پایا اور خیال کیا کہ کسی مخالف
کے مقابلہ میں یہ کچے اصُول پایۂ ثبوت کو نہیں پہنچ سکے گیں اور آئندہ بیچارے شیعوں
کو سخت مصیبت کا سامنا ہوگا لہٰذا فی البدیہہ یہ برجستہ عذر حسب عادت مستمرہ امام
صاحب کے نام سے تصنیف فرمایا کہ مخالفین کے مناظرہ سے اپنے آپ کو بچاتے رہنا
دیکھو ایسا نہ ہو کہ اُن سے مقابلہ کر بیٹھو اور منہ کی کھاؤ کیونکہ اُن کو گویا بموجب
ارشاد بل نقذف بالحق على الباطل فيدمغه فاذا هو زاهق

بلکہ پھینک مارتے ہیں ہم حق کو باطل پر پس باطل کا سر پھوڑ دیتا ہے تو

وہ نیست و نابود ہو جاتا ہے (ترجمہ از مولانا میرٹھی)

حجت حقہ ملقنین ہوتی ہے جو بجز اس کے کہ خداوند قادر مطلق کی جانب سے
ہو اور کسی کی طرف سے نہیں ہو سکتی مگر حضرات شیعہ اگر خدا و رسول کے ارشاد کو نہ
مانیں تو کچھ تعجب نہیں تعجب تو یہ ہے کہ اپنے ائمہ کی بھی نہیں مانتے اور ہمیشہ مقابلہ
کر کے حسب قول امام منہ کی کھاتے ہیں اور باز نہیں آتے خیر ان کو اختیار ہے اُن
کے ائمہ ہیں چاہیں مانیں یا نہ مانیں سچا سمجھیں یا جھوٹا جانیں۔
معہذا مسائل خلافیہ اعتقادیہ کے بارہ میں جو کہ عرض کیا ہے کہ کسی حجت اور

دلیل سے اُن کا ثبوت نہیں ہے ناظرین حق پسند صرف اسی پر اکتفا نہ فرماویں
بلکہ دلائل مذہب سے ان کے نقائص کا ثبوت بدیہی موجود ہے اہل حق کو ان عقائد
باطلہ کے ابطال کے لیے کسی اور دلیل کی تلاش کی ضرورت نہیں اور ظاہر ہے کہ جن
اصول مذہب کو خود اہل مذہب بھی تسلیم نہ کریں اور دلائل مذہب اُن کے ابطال پر
قائم ہوں ان اصول مذہب کا مذہبی اصول ہونا قیامت تک بھی ثابت نہ ہوگا۔

امامت کے اصلی اور اعتقادی ہونیکا ابطال

تفصیل اس اجمال کی سُنیے سب سے اوّل اور بڑی اصل مختلف فیہ اصول
اعتقادیات میں مسئلہ امامت ہے جس پر دار و مدار تشیع ہے اور جس کو اصل اصول دین
قرار دے رکھا ہے یہاں تک کہ خُدا تعالیٰ پر بھی واجب فرماتے ہیں اسی کو بغور ملاحظہ
فرماویں کہ علاوہ اس کے کہ جب وہ اصل اصول دین ہے تو اُس کے لیے ثبوت
دلائل قطعیہ سے ہونا واجب تھا حالانکہ اس کے لیے کوئی ثبوت قطعی یا ظنی ضعیف
یا قوی موجود نہیں ہے بلکہ اس کی اصل اصُول دین نہ ہونے کے دلائل قطعیہ موجود ہیں
جو اہل مذہب تشیع میں باجماع و اتفاق مسلم ہو چکے ہیں۔

پہلی دلیل امامت کے اعتقادی نہ ہونے کے بیان میں

یہ امر تمام عالم میں مسلم ہے کہ تمام اصول اعتقادیات
اجزاء مذہب ہوتے ہیں ہر ایک اصل اعتقادی
کا اعتقاد متبع مذہب پر لازم اور واجب ہوتا ہے اور اس کا انکار مذہب سے
خروج سمجھا جاتا ہے کیونکہ انتفاء جزء انتفاء کل کو مستلزم ہوتا ہے علی الخصوص اسلام میں
تو فریقین کے نزدیک یہ امر اجماعیات سے ہے کہ ضروریات دین میں سے ایک امر کا
بھی انکار کفر ہے اس میں کسی کو خلاف نہیں تو بموجب اُس کے انکار امامت کفر ہونا

چاہیئے حالانکہ باجماع فریقین انکار امامت کفر نہیں ہے کیونکہ کلام جناب امیر جو نہج البلاغۃ[1] میں بتواتر منقول ہے اُس سے بخوبی یہ مُدّعا پایۂ ثبوت کو پہنچتا ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں۔

مالی ولقریش واللہ لقد قاتلتھم کافرین ولا قاتلتھم مفتونین

کیا ہے واسطے میرے اور واسطے قریش کے، خدا کی قسم میں ان سے قتال کر

چکا ہوں جب وہ کافر تھے اور بیشک قتال کروں گا جب وہ بدمذہب ہونگے ترجمہ: مولٰنا میر علیؒ

ظاہر ہے کہ مفتونین کافرین کے مقابلہ میں واقع ہوا ہے تو بغاۃ اور منکرین امامت اور جناب امیر سے قتال کرنے والے کافر نہ ہوئے تو انکار امامت کفر نہ ہُوا بعض دانشمندان شیعہ شراح نہج البلاغت نے اس کی یہ توجیہ کی ہے کہ کافر سے وُہ کافر اصلی مراد ہے جو بالکل اسلام میں داخل نہ ہُوا ہو کیونکہ حدیث حربك حربی کفر محارب کو مستلزم ہے تو مفتونین سے وہ کافر مراد ہوئے جو بعد دخول اسلام بوجہ قتال جناب امیر مرتد و کافر ہوئے جواب اس کا یہ ہے اوّل تو یہ توجیہ ہمارے مدعا کو مثبت ہے نہ مخالف کیونکہ حاصل اس توجیہ کا یہ تھا کہ بموجب حدیث حربك حربی مقاتلین جناب امیر بعد قتال کافر ہوئے اور قتال سے پہلے جبکہ وہ صرف منکر امامت تھے بوجہ انکار امامت کافر نہیں ہوتے تھے اور ہم بھی یہی کہتے ہیں کہ انکار امامت کفر نہیں تو انکار امامت اور صرف لسانی و قلبی مخالفت و منازعت کفر نہیں ہوتی۔ باقی رہا محاربین کا کفر اس کی بابت ہم آئندہ آپ سے دارو گیر کریں گے دوسرے اسی مضمون کو شریف رضی نے نہج البلاغت[2] میں جناب امیر سے دوسری جگہ واضح تر نقل کیا ہے جس سے شراح کی یہ توضیح پاش پاش ہو جاتی ہے

قال یا علی ان القوم سیفتنون بعدی الی ان قال فقلت یا

رسول اللہ فبای المنازل انزلھم عند ذالك ابمنزلہ ردۃ

ام بمنزلہ فتنۃ فقال بمنزلۃ فتنۃ۔

[1] ص ۱۳۱ جلد ۱ طبع جدید مطبوعہ بیروت ۱۲ علوی غفرلہٗ [2] ص ۴۳ جلد ۱ طبع جدید مطبوعہ بیروت ۱۲ شیر محمد علوی غفرلہٗ

اے علی لوگ بعد میرے بدمذہب ہو جائیں گے میں نے پوچھا یا رسول اللہ ان کو اس

وقت کس مرتبہ میں رکھوں ردت میں یا بدعت میں؟ فرمایا بدعت میں (ترجمہ از مولٰنا میر علیؒ)

ظاہر ہے کہ فتنہ کو بمقابلہ ردت کے بیان فرمایا تو ردت نہ ہوئی اور ردت وہ کفر ہے جو بعد اسلام ہو تو کفر حادث بعد اسلام منتفی ہوا کیونکہ اگر ردت ہوتی تو کفر حادث بھی ہوتا اور کفر اصلی پہلے کلام سے باطل ہو چکا تھا جس کو تسلیم کر لیا تھا تو کفر اصلی بھی نہ ہوا اور جب کوئی کفر نہ ہُوا نہ اصلی نہ حادث تو ثابت ہو گیا کہ مفتونین کافر نہ ہوئے پس منکرین ائمہ خواہ وہ صرف مخالفین تھے یا محاربین تھے کافر نہ ہوئے پس ہمارا مدعا کہ انکار امامت ائمہ کفر نہیں ہے مع شئے زاید ثابت ہو گیا اور توجیہہ شراح نہج البلاغت غلط اور باطل ہوئی۔ علاوہ ازیں اہل تشیع کے محقق نصیر الدین طوسی نے تجرید میں تصریح کی ہے۔

مخالفوہ فسقۃ و محاربوہ کفرۃ

اس کے مخالف فاسق ہیں اور اس سے لڑنے والے کافر ہیں۔ (ترجمہ از مولانا میر علیؒ)

اور اس کو کافہ اثنا عشریہ نے تلقی بالقبول فرمایا ہے تو گویا یہ قول اجماعیات طائفہ سے ہُوا اور یہ قول ہمارا مثبت مدعا ہے کیونکہ محارب پر صرف بوجہ محاربہ بدلیل حدیث مذکور حربك حربی خلاف قیاس حکم کفر کیا گیا ہے ورنہ اگر انکار امامت موجب کفر ہوتا تو یہ تفریق فیما بین مخالفین و محاربین خلاف عقل و نقل و بے محل تھی کیونکہ امامت خلافت نبوت ہے اور حکم ہر دو متحد ہے تو جیسے مخالفت و محاربہ نبی کفر ہے ایسا ہی مخالفت و محاربہ امام بھی کفر ہوگا ہاں جو مخالفت و محاربہ نبی کے ساتھ بھی کفر نہ ہوگا وہ امام کے ساتھ بھی کفر و فسق نہ ہوگا بلکہ خدا تعالےٰ کے ساتھ بھی چنانچہ قرآن شریف میں حضرت ابراہیم اور حضرت موسٰیؑ اور ہارونؑ وغیرہ کے قصہ میں مذکور ہے۔

یا ابن ام لا تاخذ بلحیتی ولا براسی

ترجمہ:۔ اے میرے بھائی میری داڑھی اور میرا سر نہ پکڑ

اور فلما ذھب عن ابراھیم الروع وجاءتہ البشریٰ یجادلنا فی قوم لوط۔

ترجمہ:۔ جب ابراہیم سے وحشت جاتی رہی اور خوشخبری پہنچی قوم لوط کے معاملہ میں ہم سے جھگڑنے لگا۔ (ترجمہ از مولانا میرٹھی)

اور قد سمع اللہ قول التی تجادلک فی زوجھا

ترجمہ:۔ اللہ نے سن لی بات اس عورت کی جو اپنے شوہر کے معاملہ میں تجھ سے جھگڑتی تھی۔

اور فان لم تفعلوا فاذنوا بحرب من اللہ ورسولہ

ترجمہ:۔ اگر سود نہ چھوڑو تو اللہ اور اس کے رسول کی لڑائی سے خبردار ہو جاؤ۔

اور امام کا محاربہ جو محض بوجہ بغی ہو کفر نہیں چنانچہ قرآن شریف میں مصرح موجود ہے۔

وان طائفتان من المومنین اقتتلوا فاصلحوا بینھما فان بغت احدٰھما علی الاخریٰ فقاتلوا التی تبغی حتی تفیٔ الی امر اللہ

اور اگر دو گروہ مسلمانوں کے آپس میں لڑیں تو ان میں صلح کرا دو پھر اگر ایک گروہ دوسرے پر زیادتی کرے تو لڑو اس سے جو زیادتی کرتا ہے یہاں تک کہ رجوع کرے اللہ کے حکم کی طرف۔ (ترجمہ حضرت مولانا عاشق الٰہی میرٹھی)

یہ آیت صراحتاً ایمان محاربین جناب امیر پر دلالت کرتی ہے اور مفسرین شیعہ نے شان نزول اس آیت کا محاربہ جناب امیر بیان کیا ہے تفسیر صافی میں ہے

وفی الکافی والتھذیب والقمی عن الصادق عن ابیہ قال لما نزلت ھذہ الآیۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

ان منکم من یقاتل بعدی علی التاویل کما قاتلت علی التنزیل فسئل من ھو قال خاصف النعل یعنی امیر المؤمنین۔

کافی اور تہذیب اور قمی میں صادق اور اس کے باپ سے روایت ہے جب یہ آیت نازل ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ نے فرمایا بیشک بعض تم میں سے میرے بعد قرآن کی تاویل پر قتال کریں گے جس طرح میں نے قرآن کی تنزیل پر قتال کیا تھا کسی نے پوچھا وہ کون ہے فرمایا جوتی سینے والا یعنی امیر المومنین۔ (ترجمہ از مولانا میرٹھی)

یہ آیت بقرینہ سباق وسیاق ایمان محاربین پر دلالت کرتی ہے اور معنی مجازی پر حمل کرنا بلا ضرورت داعیہ اور بدون قرینہ صارفہ بالاتفاق جائز نہیں ہے تو محاربہ امام بوجہ بغی کفر نہ ہوا بالجملہ یہ اجماعی مسئلہ کہ محارب جناب امیر کافر ہیں اول تو بدلائل غلط ہے چنانچہ اور بھی وہ قطعی اعتقادی مسائل مذہب جن پر مدار تشیع ہے غلط ہیں اور اگر بفرض محال صحیح تسلیم کر لیں تو ہمارے اس مدعا کو مضر نہیں ہے کیونکہ یہ کفر صرف بوجہ حدیث مذکور ہے اسی وجہ سے اور ائمہ میں یہ حکم جاری نہ کیا گیا نہ بوجہ انکار امامت پس ہمارا مدعا کہ انکار امامت کفر نہیں ثابت ہو گیا کیونکہ مخالفین پر صرف فسق کا حکم کیا گیا اور چونکہ حدیث خبر واحد اور ظنی ہے لہٰذا مثبت کفر نہیں ہو سکتی۔

دوسری دلیل:۔ محاربہ جناب امیر و دیگر ائمہ کفر نہیں

بروئے مذہب محاربہ جناب امیر و دیگر ائمہ کفر نہیں ہے کیونکہ اگر محاربہ امام کفر ہوتا تو ارتداد کے حکم میں ہوتا لیکن جب جناب امیر کے معاملہ کو بغور دیکھا جاتا ہے جو آپ نے اپنے محاربین کے ساتھ فرمایا اس سے ہر ایک اہل عقل یقین کر سکتا ہے

کہ محاربہ بھی جناب امیر کے ساتھ کفر نہیں ہے چہ جائیکہ انکار امامت اور مطلق مخالفت کفر ہو نہج البلاغۃ[له] میں جناب امیر کا قول ہے

ولکنا انما اصبحنا نقاتل اخواننا فی الاسلام علی ما دخل فیھم من الزیغ والاعوجاج والشبھۃ والتاویل ۔

لیکن ہم اپنے اسلامی بھائیوں سے قتال کرتے ہیں بایں وجہ کہ ان میں کجی اور ناراستی آگئی ہے ۔ (ترجمہ از مولانا میر کھٹی)

اس قول میں حضرت اپنے محاربین کو اخوت اسلامی کے تاج سے مشرف فرماتے ہیں مگر خدا کرے بطور تقیہ کے نہ فرمایا ہو جس سے صاف واضح ہے کہ وہ کافر نہیں ہوئے اور نہ فاسق بلکہ صرف خطاء اجتہادی میں مبتلا ہیں۔ اور نیز تفسیر صافی وغیرہ میں معاملہ جناب امیر کا محاربین کے ساتھ منقول ہے عبارت تفسیر یہ ہے ۔

وکذالک قال امیرالمومنین یوم البصرۃ ونادی فیھم لا تسبوا لھم ذریۃ ولا تجھزوا علی جریح ولا تتبعوا مدبرا من القی السلاح واغلق بابہ فھو امن ۔

اور اسی طرح امیرالمومنین نے بصرہ کی لڑائی کے دن فرمایا اور منادی کرادی کہ ان کی اولاد کو قیدی نہ بناؤ اور زخمی کا کام تمام نہ کرو اور بھاگے ہوئے کا پیچھا نہ کرو اور جس نے ہتھیار ڈال دیئے اور اپنا دروازہ بند کر لیا اس کو امن ہے ۔ (ترجمہ از مولانا میرٹھی)

یہ معاملہ کہ نہ ان کی ذریت کو قید کرو اور نہ زخمی کا کام تمام کرو اور نہ بھاگے ہوئے کا پیچھا کرو صاف صریح معاملہ اسلام کا ہے نہ کفر و ردت کا کیونکہ بموجب ارشاد من بدل دینہ فاقتلوہ (جو شخص اپنا دین اسلام بدل ڈالے اس کو مار ڈالو) مرتد کا قتل کرنا واجب تھا اور اگر کفار سے جنگ ہو تو اس کا حکم صاحب جامع عباسی نے لکھا ہے کہ

له ص ۳ جلد ۲ طبع جدید مطبوعہ بیروت ۱۲ شیر محمد علوی غفرلہ

"قسم سیوم اسیرانے اند کہ در جنگ گاہ بدست افتند و اطفال و زنان بمجرد اسیر گشتن ملک کسے می شوند کہ ایشان را گرفتہ باشد ۔

اور نیز لکھا ہے ۔

اما مردان بالغ ایشان اگر در وقت جنگ بدست افتند امام مخیر ست میانہ کشتن ایشاں و بریدن دست و پائے ایشان و انداختن تا خون ایشاں بزور تا بمیرند ۔

یہ معاملہ کہ بعد قتال ان کے اور ان کی اولاد کے جان و مال محفوظ ہیں ۔ صاف شاہد ہے کہ باوجود انکار امامت و قتال و محاربہ امام نہ مرتد ہوئے نہ کافر بلکہ اسلام پر باقی ہیں ورنہ اس تفرقہ کی کوئی وجہ نہیں جو فیما بین محاربین کفرہ و محاربین بغات بروئے مذہب کیا گیا ۔ بعض علماء شیعہ کو جب یہ مشکل پیش آئی کہ مذہب تو محاربین کے کفر کو مقتضی ہے اور معاملہ جناب امیر ان کے اسلام کو مستلزم ہے اور فعل جناب امیر تو غلط اور ناحق نہیں ہو سکتا ورنہ تمام مذہب ہی برباد ہو جائے اور ہر مذہب کا اجماعی مسئلہ بھی باطل نہیں ہو سکتا کیونکہ صحت اجماع میں امام معصوم کا داخل ہونا شرط ہے اگر اس کو غلط کہا جائے تو بھی تکذیب امام معصوم کی لازم آتی ہے اور وہ بھی مذہب کے لئے سم قاتل ہے تو اس گرداب بلا سے نجات کے لئے یہ تنکے کا سہارا نکلا کہ جناب امیر کا معاملہ محاربین و بغات کے ساتھ عدم تعرض جان و مال بعینہٖ وہ تھا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے ساتھ کیا تھا تو اس معاملہ سے گویا کفر بغات ثابت ہوتا ہے ۔ چنانچہ تفسیر صافی[له] میں ہے ۔

وکانت السیرۃ فیھم من امیرالمومنین ما کان من رسول اللہ فی اھل مکۃ یوم فتح مکۃ فانہ لم یسب لھم ذریۃ وقال من اغلق بابہ فھو امن ومن القی السلاح فھو امن

له تفسیر صافی صفحہ ۵۰۲ پارہ ۲۶ سورہ حجرات طبع طہران ۱۲۳۴ھ ۔ علوی غفرلہ

ومن دخل دار ابی سفیان فهو امن۔

اُن کے بارے میں امیرالمومنین کا معاملہ وہ تھا جو رسول اللہ نے فتح مکہ کے دن اہل مکہ کے ساتھ فرمایا تھا کہ اُن کی اولاد کو قیدی نہیں بنایا اور حکم دے دیا کہ جو اپنا دروازہ بند کرلے وہ امن میں ہے اور جو ہتھیار ڈالدے وہ امن میں ہے اور جو ابو سفیان کے گھر میں داخل ہوگیا وہ امن میں ہے ۱۲۔ (ترجمہ از مولانا عاشق الٰہی میرٹھی)

تو جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کفار مکہ کی ذریت کو سبی بنایا اور نہ بھاگے ہوئے کا پیچھا کیا اور نہ زخمی کا کام تمام کیا حالانکہ وہ بالاتفاق کافر تھے تو یہی معاملہ جناب امیرؓ کا اپنے محاربین کے ساتھ مثبت کفر محاربین ہوگا۔

اے صاحبو خدا کے لئے ذرا ہوش میں آؤ ذرا تو عقل سے کام لو آسمان و زمین کو ایک کئے دیتے ہو روز روشن اور شب تاریک کو اکٹھا کرتے ہو کہاں معاملہ فتح مکہ کہاں جنگ جمل و صفین کوئی ناواقف یا فریفتہ مذہب دھوکہ کھاجائے تو مضائقہ نہیں پر ناقد مبصر تو ان چکنی چپڑی ابلہ فریب باتوں سے قیامت تک بھی دھوکا نہیں کھا سکتا۔

اوّل تو ذرا یہی خیال فرمائے کہ حق جل وعلا فرماتا ہے فقاتلوا التی تبغی حتی تفیء الی امر اللہ رجوع الی امر اللہ تک قتال مفروض ہے امام کو جائز نہیں کہ جب تک بغاۃ اپنا خروج و بغاوت ترک نہ کریں اور اللہ تعالیٰ کے حکم کی طرف نہ لوٹیں تلوار ان پر سے اٹھائے اور قتال ترک کرے چنانچہ تفسیر صافیؒ میں ہے

ولو لم یفیئوا لکان الواجب علیه فیما انزل الله ان لا یرفع السیف عنهم حتی یفیئوا و یرجعوا عن رایهم لانهم بایعوا طائعین غیر کارهین

اگر وہ رجوع نہ کرتے تو موجب حکم الٰہی آپ پر واجب تھا کہ رجوع کرنے تک ان سے تلوار نہ اٹھاتے کیونکہ انہوں نے بیعت بلا اکراہ بخوشی کی تھی۔ (ترجمہ از مولانا میرٹھی)

[illegible] پارہ ۲۶ [illegible]

اور حسب مذہب تشیع کفار مشرکین و ملحدین سے جب تک کفر سے باز نہ آویں اور ایمان قبول نہ کریں قتال ترک نہیں کیا جاتا چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کفار مکہ سے بجز ایمان کے کچھ اور قبول نہیں فرمایا پس جناب امیرؓ نے بھی اس پر عمل فرمایا یا نہیں اور اہل بغی و خروج کے ساتھ رجوع الی امر اللہ تک قتال فرماتے رہے یا نہیں۔ مگر اہل علم تاریخ پر روشن ہے کہ اہل جمل کے ساتھ بعد جنگ جمل کوئی قتال نہیں ہوا اور نہ اُن کو بعد اس کے داعیہ خلاف پیش آیا تو اگر انہوں نے رجوع الی امر اللہ کیا تو وہ مومن ہوگئے پھر مومن کی تکفیر کرنا اپنی تکفیر کرنا ہے اور اگر رجوع الی امر اللہ اُن کو حاصل نہیں ہوا تو ترک قتل و قتال معصیت کبیرہ ہے جس کا امام مرتکب ہوا۔ اور اہل صفین کے ساتھ بعد تحکیم کوئی قتال نہیں ہوا اور امیر معاویہؓ شام میں مسند خلافت پر دندناتے رہے اور امام کی تحریرات کا ایسا جواب دیتے رہے کہ بالتزام مذہب تشیع امام سے اُس کا جواب ناممکن ہے چنانچہ یہ بحث مفصل ہم ہدایات الرشید میں ہدیہ ناظرین کرچکے ہیں۔ مگر امام نے کبھی قتال کا نام تک نہ لیا فقاتلوا التی تبغی پر عمل تو درکنار شاید وسوسہ بھی دل میں نہ آیا ہو پھر امام ثانی نے بجائے قتال خلعت خلافت ہی ایک باغی کے حوالہ فرما دیا حالانکہ بوجہ بغاوت و قتال امام اوّل بوجہ بغاوت و ارادہ قتال امام ثانی بقول شیعہ مرتکب کفر و ارتداد ہو چکا تھا تو اس صورت میں بوجہ اس عنایت اور اعانت کے جو امام ثانی نے ارتداد اور مرتد کی فرمائی جو کچھ امام ثانی پر لازم آتا ہے اور جس کے وہ مستحق ہوتے ہیں میری زبان و قلم میں تو طاقت نہیں کہ میں اُس کو ادا کرسکوں ہاں حضرات شیعہ کی زبان و قلم لعن و تکفیر کی مشتاق ہے اُس کو بھی بخوبی ادا کرسکیں گے جس پر امام ثالث نے بگڑ کر کلمات تلخ و ترش مثبت تخطیہ امام فرمائے اور فرمایا

لو جز انفی لکان احب الی مما فعله [illegible]

اگر تیری ناک کٹ جاتی تو یہ میرے نزدیک اُس سے پسندیدہ تھا جو میرے
بھائی نے کیا۔ (ترجمہ از مولانا میر تقی)

اور خلافت ہائے سابقہ کے زمانہ میں امام زماں بالکل ہم پیالہ وہم نوالہ اور مدبر و مشیر ہی بنے رہے حالانکہ بروئے مذہب وہ خلافتیں بھی چونکہ ان میں امام حق کی اطاعت سے خروج تھا باغی تھیں اور موافق حکم نص صریح قتال ان سے بھی واجب تھا پس اس سے صاف معلوم ہوا کہ اگر یہ بغی اور خروج تھا تو وہ امام حق نہ تھے اور اگر وہ امام حق تھے تو یہ بغی وخروج نہ تھا۔

دوسرے یہ کہ فتح مکہ میں ائمہ مجتہدین کا اختلاف ہے کہ عنوۃً فتح ہوا ہے یا صلحاً جو ائمہ صلح کے قائل ہوئے ہیں بموجب ان کے مذہب کے تو کسی قسم کا اشتباہ و التباس ہی نہیں اور نہ فتح مکہ جنگ جمل وصفین کا مقیس علیہ ہو سکتا ہے اور جن ائمہ کے نزدیک مکہ عنوۃً فتح ہوا ہے وہ کسی قدر محل اشتباہ ہو سکتا ہے لیکن اگر ذرا تدبر کی نظر سے دیکھا جائے تو فرق ظاہر اور بین ہے فتح مکہ میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دفعۃً مکہ پر چڑھ آئے کہ کفار مکہ کو قتال کی ہمت وجرات اور گنجائش ہی نہ رہی اور امن حاصل کرنے کے لئے مجبور ہوئے اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کو بجز چند مرد اور عورتوں کے امن عطا فرمایا اور کفار مکہ نے اپنے دروازے بند کر لئے اور ہتھیار ڈال کر حرم محترم میں جائے پناہ سمجھ کر گھس گئے اور بعد ازاں آپ کے دست مبارک پر سب نے بیعت اسلام کر لی اور سب دین اسلام کے حلقہ میں داخل ہو گئے اور جنگ حنین میں ہمرکاب جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شریک ہوئے اور جن کے قتل کا حکم فرمایا تھا اُن میں سے بعض جیسے ابن خطل مقتول ہوئے اور بعض مثل عکرمہ وغیرہ کے بھاگ گئے اور مسلمان ہو کر حاضر حضور ہوئے اور بعض نے [illegible] قبول کیا اور حروب جمل وصفین وغیرہ میں دست بدست قتال واقع ہوا اور

صدہا آدمی طرفین کے مارے گئے نہ انہوں نے امن مانگا اور نہ بعد میں انہوں نے امام حق کی طرف رجوع کیا اور نہ امام کی امامت پر ایمان لائے نہ آپ کو امام حق تسلیم کیا بلکہ صاف کہتے رہے کہ آپ میں لیاقت امامت نہیں اہل حل وعقد کی بیعت آپ کو اُس وقت مفید ہوتی کہ آپ مثل خلفاء سابقین لائق خلافت ہوتے اور مظلوم کا حق ظالم سے دلوا سکتے اور جب حق مظلوم نہیں دلوا سکتے اور اہل فتنہ سے ڈرتے ہیں تو آپ لائق امامت نہیں کیونکہ

الجبان لا یستحق الامامۃ — بزدل امامت کا مستحق نہیں ہے۔ (ترجمہ حضرت میر تقی)

مسلمات شیعہ سے ہے تو ایسی حالت میں محاربین وبغات کی رعایت کرنا اور لا تسبوا ھم ذریۃ الخ کلمات کہنا عقلاً وشرعاً قبیح اور ناجائز ہے لہٰذا اس کا قیاس فتح مکہ پر کسی طرح درست نہیں علاوہ ازیں یہ بعض علماء کا قیاس کہ معاملہ حروب بغات فتح مکہ جیسا ہے بداہۃً اس کو تقاضا کرتا ہے کہ حکم بغات حکم کفار ہے اور بغات کفار ہیں بلکہ اسی وجہ سے فتح مکہ پر قیاس کیا ہے تاکہ دائرہ کفر سے خارج نہ ہوں مگر حسب مثل مشہور دروغ گو را حافظہ نباشد ان حضرات کو اپنا مذہب ہی یاد نہ رہا مذہب کو اگر دیکھا جاتا ہے تو معاملہ بغات کفار سے بالکل جدا ہے جامع عباسی کے باب جہاد میں مذکور ہے کہ تین فرقوں کے ساتھ جہاد واجب ہے اول غیر اللہ کی پرستش کرنے والے اور ملحدین ان سے جزیہ قبول نہ ہوگا اُن کے لئے صرف اسلام ہے یا سیف دوسرے اہل کتاب اور مجوس ان کے ساتھ قتال واجب ہے یہاں تک کہ اسلام لائیں یا جزیہ قبول کریں

وطائفہ سوم کہ قتال کردن با ایشان واجب ست و باغیان و
خوارج اند و ایشان طائفہ کہ از امام زمان روے گردان وباغی
شدہ باشند وقتال با ایشان واجب ست تا آنکہ با امام بگردند

یا کشتہ شوند وہرگاہ متفرق شوند خالی ازاں نیست گروہے دیگر سوائے

آنہائے کہ بہ جنگ آمدہ باشند خواہد بود یا نہ بر تقدیر اوّل واجب ست

کہ ایشاں را بکشند وگریختہائے ایشاں را از عقب بروند و بگیرند و

بکشند و بر تقدیر ثانی احتیاج بایں ہا نیست بلکہ در وقتے کہ شکست

خوردند دگر بگذرند کافی است و باجماع مجتہدین ذریّت ایں طائفہ

را و زنان ایشاں را مالک نمی شوند وہمچنیں مالک نمی شوند چیزے

از مالہائے ایں طائفہ را کہ در لشکر گاہ نباشد خواہ قابل نقل و

تحویل باشد وخواہ نباشد و در مالہائے ایشاں کہ در لشکر گاہ ست

میانِ مجتہدین خلاف است کہ آیا لشکری مالک آں میشوند یا نہ

اصح آنست کہ مالک آں نمی شوند۔ انتہی"

یہ عبارت صاف دلالت کرتی ہے کہ بغات وخوارج کے ساتھ یہ رعایت

ومروت جو جناب امیرؓ سے حروب بغات میں واقع ہوئی یہ کوئی بطور امر اتفاقی اور خلاف

قیاس کے واقع نہیں ہوئی جیسا کہ فتح مکہ میں بحکم نص واقع ہوئی تھی کیونکہ قیاس تو

اس کو مقتضی تھا کہ جب عنوۃً فتح ہُوا تو اُن کے اموال ملک فوج اسلام ہوتے بلکہ یہ

رعایت ومروت بطور قاعدہ کلیہ کے ہے کہ ہمیشہ بغات کے ساتھ یہی معاملہ کرنا حکم

شرعی ہے جو ہمیشہ ان کے ساتھ کیا جائے گا اور اس کا خلاف حرام ہوگا اور اگر ان کو

کافر قرار دیا جاتا تو یہ رعایت ومروت تو اتفاقی وخلاف قیاس ہوتی اور اصل یہ تھا کہ

اُن کیساتھ معاملہ کفار کیا جاتا اور اُن کے اموال منقولہ حلال ہوتے پھر اور طرفہ تماشا سُنئے کہ

یہ حضرات باایں ہمہ تہافت وتناقض آیت یا ایھا الذین امنوا من یرتد منکم عن

دینہ الخ کی تفسیر[1] میں تحریر فرماتے ہیں:۔

القمی ھو مخاطبۃ لاصحاب رسول اللہ الذین غصبوا آل محمد

[1] تفسیر صافی ص۱۵۱ پارہ ملا طبع طہران ۱۲ شیر محمد علوی غفرلہ

حقھم وارتدوا عن دین اللہ

تفسیر قمی میں ہے کہ یہ خطاب اصحاب رسُول کو ہے جنہوں نے آل محمدؐ کا حق

چھینا اور اللہ کے دین سے پھر گئے۔

اور فرماتے ہیں:۔

فی المجمع عن الباقرؑ والصادقؑ ھم امیر المؤمنینؑ واصحابہ

حین قاتل من قاتلہ من الناکثین والقاسطین والمارقین۔

مجمع میں امام باقرؑ اور امام صادقؑ سے مروی ہے کہ یہ لوگ امیر المومنین اور

آپ کے اصحاب ہیں جب کہ آپ نے بیعت توڑنے والوں اور ظالموں اور

دین سے نکلنے والوں سے قتال کیا تھا۔ (ترجمہ از مولانا عاشق الٰہی میرٹھیؒ)

اَے صاحبو یہ تیشہ تو تم خود اپنے ہی پاؤں پر مارتے ہو تم اپنے غیظ سے اپنے

اوپر مصیبت ڈھا رہے ہو کسی کا کچھ نہیں بگڑتا جب تم ارتداد کے قائل ہوئے تو لوازم

ارتداد تو ثابت کرو کیونکہ قاعدہ ہے الشی اذ اثبت ثبت بلوازمہ ورنہ یا اپنے

ائمہ کی تکذیب کرو گے یا اپنے مذہب کو جھوٹا اور باطل بناؤ گے بجز اس کے

اور کچھ حاصل نہ ہوگا۔

تیسری دلیل جناب امیر وائمہ نواصب واہل سنت کو اپنی بیٹیاں دیتے اور ان کی بیٹیاں لیتے تھے

اگر ہم ان دلائل سے درگذریں اور قطع نظر کریں اور تسلیم کر لیں کہ

انکار امامت امام کفر ہے تو مذہب تشیع پر اتنی بڑی خرابی لازم آتی ہے کہ بدون استیصال

مذہب کا پیچھا ہی نہیں چھوڑتی وہ یہ کہ جناب ائمہ منکرین امامت کے ساتھ معاملہ اتحاد و

یگانگت فرماتے تھے اپنی لڑکیاں اُن کے حبالہ نکاح میں دیتے تھے اور اُن کی لڑکیاں

اپنے نکاح میں لاتے تھے چنانچہ جناب رسُول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ابوبکرؓ و

عمرؓ و ابوسفیانؓ کی بیٹیوں سے نکاح کیا اور اپنی دو بیٹیوں کو عثمانؓ کے نکاح میں دیا[1]

[1] ملاحظہ ہو حیات القلوب اردو [illegible] جلد ۲ نیز نہج البلاغۃ [illegible] جلد ۲ [illegible] حضرت علیؓ نے حضرت عثمانؓ کو خطاب [illegible] وقد نلت من [illegible] علیہما [illegible]

ام کلثوم جناب فاروقؓ کے نکاح میں داخل ہوئیں[1] حضرت سکینہ بنت حسین کا نکاح مصعب بن الزبیر کے ساتھ ہوا ام فروہ والدہ ماجدہ امام جعفر الصادق بنت قاسم بن محمد بن ابی بکر امام محمد باقر کے نکاح میں داخل ہوئیں لبابہ بنت عبداللہ بن جعفر بن ابی طالب عبدالملک بن مروان کے نکاح میں تھیں۔ ام اسحٰق بنت طلحہ بن عبیداللہ کے ساتھ امام حسن کا نکاح ہوا۔ امام علی رضا نے ام حبیب دختر مامون کے ساتھ نکاح کیا امام محمد تقی نے ام الفضل کے ساتھ کہ جس سے بقول بعض امام علی نقی پیدا ہوئے نکاح کیا۔ تو اگر انکار امامت کفر قرار پایا جاوے تو اس کا فساد کہاں تک پہنچے گا اور کون کون مرتکب معاون حرام اور کون کون حرامی قرار پاویں گے نعوذ باللہ من ذالک اور نیز صدہا سادات حسنیہ وحسینیہ علی الخصوص وہ حضرات کہ جن کو شیعہ اپنے بزرگان دین میں شمار کرتے ہیں اور ادب وتعظیم سے ان کا نام لیتے ہیں اس عقیدہ مخترعہ کے موافق کافر مطلق ٹھہریں گے چنانچہ محمد بن علی ابن ابی طالب کہ اس بزرگ نے امام زین العابدین کی امامت کا انکار کیا یہاں تک کہ حجر اسود کے محاکمہ کی نوبت پہنچی اور حجر اسود نے امام زین العابدین کی امامت کی شہادت دی تاہم اپنے دعوے سے دست بردار نہ ہوئے اور اپنی اولاد کو امامت کی وصیت کی اور جو کچھ اموال نذر ونیاز وخمس وغیرہ مختار کی طرف سے آتا تھا خود اپنے قبضہ اور تصرف میں کر لیتے تھے اور امام کو اس میں شریک نہیں کرتے تھے اگرچہ قطب راوندی نے خرائج وجرائح میں رجوع محمد بن الحنفیہ کا اپنے دعوے سے نقل کیا ہے مگر غلط ہے اس لئے کہ اگر رجوع صحیح ہوتا تو آئندہ اُن کی اولاد میں سلسلہ امامت جاری نہ ہوتا اور حضرت زید شہیدؒ اپنی امامت کے مدعی ہوئے اور امام محمد باقر کی امامت کا انکار کیا اور امام جعفر صادق نے ہرچند منع کیا نہ مانا۔ خرائج وجرائح میں ہے:

عن الحسن بن راشد قال ذکرت زید افتنقصته عند ابی

عبد اللہ فقال لا تفعل رحم اللہ عمی زید وانہ اتی الی

[1] عقد ام کلثومؓ کے متعلق شیعہ کی معتبر کتاب کافی میں ہے عن ابی عبد اللہ علیہ السلام فی تزویج ام کلثوم فقال ان ذالک فرج غصبناہ۔ فروع کافی کتاب النکاح ص ۳۴۶ ج ۲ طبع جدید مطبوعہ تہران ۱۲ علوی عفی عنہ

فقال انی ارید الخروج علی ھذہ الطاغیۃ فقلت لا تفعل،

حسن بن راشد سے روایت ہے وہ کہتا ہے کہ میں نے ابو عبداللہ کے سامنے زید کا ذکر کیا اور اس کی تنقیص کی۔ فرمایا ایسا نہ کر۔ اللہ تعالےٰ میرے چچا زید پر رحم کرے میرے پاس آیا اور کہا کہ میں اس سرکش گروہ پر خروج کا ارادہ کرتا ہوں۔ میں نے کہا ایسا نہ کر۔ (ترجمہ از مولانا عاشق الٰہی میرٹھیؒ)

بعد ازاں یحیٰی بن زید اور متوکل بن زید نے امام جعفر صادق کی امامت کا انکار کیا۔ بعد ازاں امام جعفر صادق کی اولاد میں عبداللہ افطح اور اسحاق بن جعفر مدعی امامت ہوئے اور نیز عبداللہ برادر امام جعفر مدعی امامت ہوئے اور اگر اسی طرح سادات حسنیہ کو جیسے مثل نفس زکیہ کے جنھوں نے اپنی امامت کا دعویٰ کیا اور امامت ائمہ سے منکر ہوئے شمار کیا جائے تو کوئی حد وحساب ہی نہ رہے گا پس اگر انکار امامت کفر ہو تو یہ تمام آل رسولؐ کافر ہوں گے پس اس وقت اہل تشیع کے ولاء وتمسک کا تماشا قابل دید ہے کہ اس ظاہری ولاء وتشیع کے پیرایہ میں صدہا اہل بیت رسولؐ کو کافر وبد دین بنا ڈالا اور شیعان پاک بنے رہے اور اپنے اس سفینہ نجات میں صدہا سوراخ کر دیئے اور پھر بھی اسی کشتی میں سوار ہو کر نجات کے امیدوار رہے طرفہ تماشا ہے کہ بیچارے خوارج تو صرف ایک دو ہی حضرات کو کافر کہہ کر کافر وملعون ٹھہرائے جائیں اور یہ جھوٹے مدعیان تشیع وولاء صدہا اہلبیت کبار اور ہزارہا صحابہ ابرار کو مرتد وکافر کہیں اور پھر بھی تشیع وولا میں فرق نہ آئے اور ذرا بھی مطعون نہ کئے جائیں ان ھٰذا لشئ عجاب۔ کبرت کلمۃ تخرج من افواھھم ان یقولون الا کذبا۔

چوتھی دلیل — اکثر مرویات شیعہ کا مدار بد مذھبوں پر ہے

سب کے آخر میں ایک یہ امر بھی قابل غور ہے کہ اکثر مرویات شیعہ کا مدار منکرین امامت اور بد مذہبوں پر ہے باوجودیکہ مذہب میں مصرح موجود ہے کہ کافر کی روایت بالاتفاق قابل قبول

نہیں۔ ابھی عنقریب عرض کر چکا ہوں کہ تمام کتب صحاح کلینی وغیرہ واقفیہ، نادسیہ، فطحیہ، جارودیہ، باطنیہ، قرامطہ، اسمٰعیلیہ وغیرہ منکرین امامت اور فاسدین مذہب سے پُر ہیں پس اگر انکار امامت کفر ہو تو یہ سب مرویات جن پہ مدار دین ہے باطل ہوں گی اور اگر انکار کفر نہ ہو تو امامت اصول اعتقادیات میں نہ رہے گی بلکہ مثل مذہب اہل حق کے فرعیات میں سے ہوگی۔ اور واقفانِ مذہب پہ مخفی نہیں کہ یہ اکثر مرویات طوائف شیعہ منکرین امامت کے ناقدانِ روایات اور محققانِ مذہب کے نزدیک معتبر اور قابل قبول ہیں۔ پس ثابت ہوا کہ امامت کا اصول دین میں سے کہنا اور اس کو اصول دین میں شمار کرنا محض ایک ظاہری اور سرسری بات ہے جو کسی خاص مصلحت کی وجہ سے کہی جاتی ہے ورنہ مذہب تشیع میں امامت دراصل اصُول دین میں سے نہیں ہے اور ہمارا مدعا تھا جو بدلائل قاطع مذہب ثابت ہو گیا والحمد للہ علی ذالك۔

پانچویں دلیل | حسب اعتقاد شیعہ حضرت عائشہؓ کے دل میں جناب امیرؓ کا بغض تھا پھر بھی جناب امیرؓ ان کی تعظیم واجب سمجھتے تھے | آپ کے خطبہ نہج البلاغت[1] کا ایک ٹکڑا ہے جس میں آپ نے اہل بصرہ کو خطاب فرمایا ہے۔

واما فلانة فادرکها رای النساء وضغن علی فی صدرها
کمرجل القین ولودعیت لتنال من غیری ما انت الی
لم تفعل ولها بعد حرمتها الاولی والحساب علی الله۔

اس جملہ میں جناب امیر نے حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا حال ذکر کیا ہے۔ حاصل مطلب اس جملہ کا یہ ہے کہ بصرہ کی لڑائی کے بارے میں عائشہ رضی اللہ عنہا کو عورتوں والی عقل چڑھ گئی اور کینہ نے جو لوہار کی ہنڈیا کی طرح اس کے سینہ میں جوش مار رہا تھا دبا لیا اگر وہ اس لئے بلائی جاتی کہ جو کام میرے ساتھ کیا کسی دوسرے کے ساتھ کرے تو ہرگز قبول نہ کرتی اور اس کی اتنی

[1] صفحہ جلد ۲ طبع جدید مطبوعہ بیروت ۱۲ علوی غفرلہ

پہلی ہی سی عزت و احترام ہے اور حساب اللہ کے یہاں ہوگا۔ اس آپ کے کلام ہدایت نظام سے ہمارا مُدعا بخوبی ثابت ہے کیونکہ اس سے ثابت ہے کہ حضرت ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا کے دل میں جناب امیر کی طرف سے کینہ و بغض تھا۔ اور اسی عداوت و حقد کی وجہ سے یہ قتال واقع ہوا جو جنگ جمل کے نام سے مشہور ہے تو لامحالہ یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ حضرت عائشہؓ کے نزدیک حضرت علیؓ امام حق نہ تھے کیونکہ امامت تو مثل نبوت ہے بایں وجہ کہ اگر جناب امیرؓ ان کے نزدیک امام حق ہوتے تو اُن کے ترک قصاص کو جو خلیفہ مقتول کے بارہ میں ہوا ہے خلافِ حق پہ ہرگز محمول نہ فرماتیں اور حضرت امیر سے لڑائی کے لئے امادہ نہ ہوتیں اور بغض و عداوت ان کی طرف سے اپنے دل میں نہ ٹھہراتیں اور جب اُن کو مبغوض سمجھا اور اُن کے افعال کو خلاف حق پر محمول سمجھ کر انکار کیا اور قتال پہ آمادہ ہو گئیں تو لامحالہ اُن کو امام حق اعتقاد نہ کیا۔ باایںہمہ انکار اور خلاف جناب امیر اُن کے تمام حالات پر نظر فرما کر فرماتے ہیں کہ اُن کے لئے وہی احترام و تعظیم سابق ہے اُس میں ذرا بھی فرق نہیں آیا اور وہ احترام ام المومنین زوجہ محبوبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہونے کا ہے معاذ اللہ اگر انکار امامت کفر ہوتا یا قتال امام کے ساتھ کفر ہوتا تو وہ احترام کیونکر باقی رہتا اور ان معاملات کا حساب جناب امیرؓ خدا تعالیٰ کے حوالہ کیوں فرماتے ہم کو ضروری معلوم ہوتا ہے کہ ہم اس کے متعلق جو کچھ شارح کمال الدین ابن میثم نے اپنی شرح کبیر میں ملخصاً لکھا ہے نقل کر دیں تاکہ ناظرین کو بہت سے مواقع میں مفید ہو۔

وفلانة کنایة عن عائشة وادراك رای النساء لها بالبصرة
وقد علمت ان رای النساء یرجع الی افن وضعف واما
الضغن فقد نقل له اسباب عدة منها ما کان بینها وبین
فاطمة بسبب تزویج الرسول لها عقیب موت خدیجة

ام فاطمة واقامتها مقامها واما من جهته البنت فتخيلها
انها ضرة امها ويتأكد ذلك بالميل المنقول عن الرسول في حق
عائشة وايثارها على سائر نسائه والنفوس البشرية خصوصاً
نفوس النساء تغيظ على عادون ذلك فكيف بذالك منه ولاشك
في تعدى ذالك الى بعلها عليه السلام فان النساء كثيراً ما يحصل
بسببهن الاحقاد في قلوب الرجال ومنها ما كان من امر قذف عائشة
ونقل ان علياً كان من المشيرين بطلاقها وقال لها ان هي الا شسع
نعلك وبلغها كل ذالك ونقل اليها النساء ان علياً وفاطمة اسرا
بذالك فتفاقم وغلظ ثم لما نزلت برائتها وصالحها الرسول
ظهر منها ما جرت العادة ممن انتصر بعد ظلمه من بسط
القول والتبجح بالبراءة وفلتات القول وبلغ ذالك علياً وفاطمة
قوله ولها بعد حرمتها الاولى وجه اعتذاره في الكف عن اذاها
بعد استحقاقها للاذى في نظره وحرمتها بنكاح رسول الله
صلى الله عليه وسلم وقوله والحساب على الله ولعل هذا
الكلام منه قبل اظهارها التوبة وعلمه بذالك۔

حاصل یہ ہے کہ لفظ فلانہ سے حضرت عائشہ رض کی طرف اشارہ ہے اور عورتوں
والی عقل کا چڑھ جانا اُس وقت ہوا جبکہ آپ بصرہ میں حضرت کے قتال کے لئے آئیں اور
ظاہر ہے کہ عورتوں کی عقل ضعیف ہوتی ہے اور باہمی عداوت اور کینہ کے لئے بہت
سے اسباب منقول ہوئے ہیں ازاں جملہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا بعد خدیجہ رض
حضرت عائشہ سے نکاح کرنا اور صاحبزادی کی طرف کینہ کی یہ وجہ ہوئی کہ انہوں نے
حضرت عائشہ کو اپنے ماں کی سوکن سمجھا پھر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت نے

جو عائشہ کے ساتھ آپ کرتی تھی یہاں تک کہ تمام ازواج پر اُن کو فوقیت دے رکھی تھی اس کینہ کو دوبالا
کردیا اور انسانی نفوس کو اس سے بھی تھوڑی سی بات پر غیظ ہوتا ہے خصوصاً عورتوں کو رسول اللہ
صلعم کی محبت تو بہت بڑی بات ہے اور رفتہ رفتہ اس کینہ کی نوبت آپ کے شوہر تک بھی پہنچی
چنانچہ بسا اوقات مردوں کے دلوں میں عورتوں کی وجہ سے بھی کینہ پیدا ہوجاتا ہے ازاں جملہ حضرت
عائشہ کی تہمت کا قصہ ہے اس قصہ میں منقول ہوا ہے کہ حضرت علی رض نے آپ کو عائشہ کے طلاق کا
مشورہ دیا تھا اور کہا تھا کہ آپ کی جوتی کا تسمہ ہے (بدل ڈالئے) مگر آپ نے قبول نہ فرمایا اور اسکی خبر حضرت
ام المومنین کو پہنچ گئی اور نیز عورتوں نے یہ بھی اُن کو پہنچایا کہ علی اور فاطمہ در پردہ طلاق
کی تدبیر کررہے ہیں اس پر حضرت عائشہ کا غیظ اور بھی بڑھ گیا۔ پھر جب ان کی برأت
نازل ہوئی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم راضی ہوگئے تو دستور کے موافق اُنہوں
نے اس میں گفت وشنید کی اور کہنے والوں کے خوب لتے لئے اور اس کی خبر علی و
فاطمہ کو پہنچی تو ناخوشی اور بھی بڑھ گئی۔ آپ کا قول ولها بعد حرمتها الاولی الخ آپ
پر یہ الزام تھا کہ آپ نے حضرت عائشہ کو باوجودیکہ وہ سزا کی مستحق تھیں کیوں سزا نہ دی
آپ نے بدین وجہ عذر کیا کہ میں کیونکر اُن کو سزا دے سکتا تھا اُن کی پہلی عزت اور احترام
تعظیم وتکریم باقی ہے کیونکہ آپ کے نکاح و زوجہ محبوبہ ہونے کی حرمت ہے اور اس وجہ
سے آپ ام المومنین ہیں تو اپنی ماں کو میں کیونکر سزا دے سکتا تھا قولہ والحساب
علی اللہ شاید یہ آپ کا قول اس سے پیشتر ہوگا کہ حضرت عائشہ رض کی توبہ ظاہر ہو اور
اُن کی توبہ کا آپ کو حال معلوم ہو شارح کے اس کلام سے اوّل تو ہمارا مدعا بدلیل ثابت
ہُوا کہ امامت اصول دین میں سے نہیں ہے اگر امامت اصول دین سے ہوتی تو محاربہ
جمل نہیں نہیں بلکہ وہ حقد اور کینہ جو حیات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عائشہ رض
کے دل میں تھا جس کا اطفا نتیجہ یہ ہے کہ کبھی وہ آپ کو امام نہ جانتی تھیں موجب
کفر ہوتا لیکن وُہ فسق بھی نہ ہُوا بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے میل خاطر کا بھی

موجب نہ ہُوا۔ اگر وُہ کفر ہوتا تو اس سے جو الزام خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر عاید ہوتا ہے وہ آپ سمجھ سکتے ہیں تعجب ہے کہ انبیاء تو ذرا سے حسد سے جو عرش پر ائمہ کا مرتبہ دیکھ کر فرمایا اپنے مرتبہ سے گر جائیں اور حضرت عائشہ رض باوجود اس غیظ و غضب کے اور کینہ او حقد اور جدال و قتال کے زوجہ محبوبہ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ام المومنین بنی رہیں اور آپ کی عزت و حرمت میں ذرا بھی فرق نہ آئے اس سے صاف واضح ہے کہ امامت کا اصول دین میں قرار دینا اور قتال امام کو کفر کہنا خلاف عقل و نقل محض ایک لغو اور بیہودہ بات ہے دُوسرے اس عبارت سے یہ بھی ثابت ہُوا کہ حضرت فاطمہ رض اور جناب امیر رض کے دل میں بھی حضرت ام المومنین زوجہ محبوبہ رسول رب العالمین صلی اللہ علیہ وسلم عائشہ صدیقہ رض کا بغض تھا جن کی عزت اور حرمت آپ کے اعتراف سے اُسی طرح باقی ہے اور یہ صریح کبیرہ گناہ ہے جب حضرات شیعہ نے آپ کو اُس کا مرتکب قرار دیا تو نہ عصمت باقی رہی نہ امامت نہ عدالت و دیانت کیونکہ جب آپ نے خبر سنی اور آپ سے مشورہ لیا گیا تو آپ نے کیوں بھلائی کا گمان نہ کیا اور کیوں آپ نے ھذا افك مبین نہ فرمایا کیوں جلدی سے یہ جملہ نہ بولے سبحانك ھذا بھتان عظیم اور کیوں ایسی رائے پیش کی جس سے بہتان کی تقویت ہوئی چنانچہ اس لئے آپ کا مشورہ قبول نہ ہُوا اور آیات میں تکذیب کے مستحق ہوئے۔ تیسرے اس عبارت میں یہ بھی فائدہ ہُوا کہ جو بعض عقل اور انصاف اور دین اور دیانت کے دشمنوں نے یہ کہدیا ہے کہ ازواج رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے طلاق کا اختیار بعد آپ کے حضرت علی کو تھا اور آپ نے بعد وفات رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عائشہ رض کو طلاق دے دی تھی محض گوز شتر ہے چوتھے اس عبارت سے یہ بھی ثابت ہُوا کہ حضرت عائشہ رض کو برا کہنا اور ان پر تبرا کرنا سخت بد دینی اور توہین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہے پانچویں یہ ثابت ہُوا کہ حضرت عائشہ رض سے جنگ جمل کے متعلق جو خطا واقع ہوئی تھی اُس سے آپ نے توبہ

کر لی ہے اور جب توبہ سے پیشتر اُن کو اذیت دینا ناجائز اور حرام تھا تو اب بعد توبہ اُن کو اذیت دینا اور لعن طعن کرنا اور اس کو حلال سمجھنا کفر اور ارتداد ہوگا۔

دوسری اصل جناب امیر رض کی خلافت بلا فصل کا ابطال

بعد ازاں دُوسری اصل جو متفق علیہ طوائف شیعہ ہے وُہ جناب اسد اللہ الغالب امیر المومنین علی رض بن ابی طالب کی امامت اور خلافت بلا فصل ہے اس اصل مذہب کے ابطال کی نسبت زیادہ کنج وکاؤ اور تتبع اور تلاش کی ضرورت نہیں ہے ہم نے کچھ پیشتر جو سوال نقل کیا ہے اس سے بخوبی ثابت ہو چکا ہے کہ اُن کی شان میں تو یہ حضرات محبان لسانی وہ کفریات ثابت کرتے ہیں کہ خوارج نہروان اور نواصب شام بھی شرما جائیں پس کفر و امامت یعنی چہ مگر ہاں جب ابوطالب وغیرہ جاہلین اوصیاء میں سے ہوتے اور ان کا کفر مانع وصایت نہ ہُوا۔ اور بی بی اہلبیت میں ہوئی تو پھر امامت کا کفر کے ساتھ جمع ہونا بر مذہب شیعہ کچھ مستبعد نہیں معلوم ہوتا یہ بحث نہایت طویل اور عریض ہے دل چاہتا ہے کہ اس کو مفصل لکھا جاوے اور اس کے متعلق ہر پہلو پر گفتگو کی جائے مگر یہ مختصر رسالہ اس کا نہ متحمل ہے اور نہ گنجائش وقت ہے لہٰذا بالاجمال اس کے متعلق عرض کیا جاتا ہے۔ اگر خدا تعالےٰ کو منظور ہُوا تو پھر کسی موقع پر کسی تقریب سے مفصل و مدلل عرض ہوگی

دلائل اجمالی

اوّل معاملہ کتاب اللہ قابل غور ہے کہ اصلی غیر محرف کتاب اللہ کو ایسا مخفی کیا جس کے وجُود کا نام لینا بھی موجب تضحیک ہے پھر خیال فرمائیے کہ اب اس صورت میں چھپانے والے بموجب آیت ان الذین یکتمون الایہ کیسے ہوں گے اور تمام عالم کی گمراہی کس کے نامہ اعمال میں ہوگی پھر اس کے علاوہ ہمیشہ قرآن کی مخالفت پر کمربستہ ہے۔ چنانچہ سوال مذکور میں یہ امر بخوبی ثابت کیا گیا ہے۔ اور نیز آیات مثبتہ خلافت خلفاء رضی اللہ عنہم جیسی آیت سورۂ نور وغیرہ وعد اللہ الذین امنوا منکم وعملوا الصالحات الایہ مثبت بطلان خلافت جناب امیر رضی اللہ عنہ ہیں۔ کیونکہ یہ

آیات مکذب خلافت بلافصل ہیں ہاں موافق مذہب اہل حق خلافت سابقہ ثابت ہوتی ہے اگر اس پر حضرات شیعہ راضی ہوں تو صورت نجات ہوسکتی ہے ورنہ یاد رہے کہ مذہب تشیع پر تو انشاء اللہ خلافت تو خلافت ایمان بھی ہاتھ نہ آئے گا اور نیز آیات مدح صحابہ رضی اللہ تعالےٰ جنسے کتاب اللہ تعالیٰ مملو ہے مبطل خلافت جناب امیرؓ ہیں واقفان مذہب واقف ہیں کہ بروے مذہب شیعہ جناب امیرؓ کی امامت اُسی وقت ثابت ہوسکتی ہے کہ صحابہ مرتد قرار دئے جائیں اور اگر صحابہ کرام ہوں چنانچہ کتاب اللہ شاہد ہے تو پھر کسی طرح امامت جناب امیرؓ ثابت نہیں ہوسکتی حضرات شیعہ میں سے اگر کسی کو ہمت وحوصلہ ہو تو میدان میں آوے اور اس اجتماع ضدین کو پایۂ ثبوت تک پہنچادے ورنہ یا کتاب اللہ سے دست بردار ہو یا امامت سے ہاتھ دھولے اور نیز آیات مبشر ظہور وغلبہ دین مبطل خلافت جناب امیرؓ ہیں کیونکہ امامت جناب امیرؓ ارتداد صحابہ پر موقوف ہے اور ارتداد صحابہ غلبۂ کفر ومغلوبیت دین کو مستلزم ہے پس در صورت امامت جناب امیرؓ کذب وعدۂ صادقہ لازم آتا ہے جو محال اور ناممکن ہے تو امامت محال وناممکن ہوئی۔ بعد ازاں جو معاملہ عترت کیساتھ کیا وہ محتاج شرح وبیان نہیں چنانچہ بتقریب سوال یہ امر بھی مجملاً عرض خدمت ہوچکا ہے کہ حسب تصریحات اکابر شیعہ کوئی دقیقہ توہین وتذلیل اہل بیت رسالت کا اٹھا نہیں رکھا جس کی تفصیل کتب مذہب شیعہ میں بالالتزام علیہ موجود ہے اور ظاہر ہے کہ یہ معاملہ مضاد ایمان ہے اسی وجہ سے شیعہ صحابہ کو ایمان سے خارج کہتے ہیں تو اُسی کے موافق جناب امیرؓ کے حق میں بھی مناقض ایمان ہوگا تو مناقض امامت ضرور ہوگا۔

پھر وُہ معاملات جو جناب نے خلفاء ثلثہ کے زمانہ خلافت میں ان کے ساتھ کئے حضرات شیعہ پر خصوصاً اور تمام عالم پر عموماً مخفی نہیں وہ معاملات کچھ خلافت کے خلاف بھی شہادت نہیں دیتے کچھ راستی ومروت شجاعت وغیرت وحمیت بلکہ ایمان ودیانت کے خلاف پر پوری پوری شہادت علی الاعلان دے رہے ہیں جن کو اساطین شیعہ نے اپنی کتب دین وایمان میں بکمال فرحت وبشاشت صرف اس غرض سے جمع کیا ہے کہ چند حمقاء کوتاہ اندیش خلفاء سے متنفر اور بدظن ہو جائیں اور یہ خیال نہ فرمایا کہ جسقدر خلفاء پر الزام ہوگا اس سے زیادہ اپنے جناب امیرؓ پر الزام عاید ہوگا۔ مہلت نہیں ورنہ ایک ایک کو نقل کرکے دکھلاتا کہ ان حضرات محبان لسانی نے اس جھوٹی محبت کے پردہ میں خوارج کو بھی طاق میں بٹھلا دیا ہے؎

تیغ ہندی وخنجر رُومی … نکند آنچہ شیعیاں کردند

بالجملہ خلفاء جور کے ساتھ آپ کا ربط وضبط محبت وملاقات نشست وبرخاست رشتہ وقرابت اکل وشرب رضا وتسلیم امداد واعانت مدح وثنا اقتدار واتباع گو حسب زعم شیعہ بوجہ تقیہ ہی ہوں نہایت ہی قبیح اور شنیع ہے نہ عقل ان کے حسن کی شہادت دیتی ہے نہ نقل زیادہ نہیں صرف دو روایتیں اصول کافی کلینی کی باب من اطاع المخلوق فی معصیۃ الخالق صفحہ ۴۶۰ کی ملاحظہ فرمالیجئے۔

عن محمد بن مسلم قال قال ابو جعفر لا دین لمن دان بطاعۃ من عصی اللہ ولا دین لمن دان بفریۃ باطل علی اللہ ولا دین لمن دان بجحود شیٔ من آیات اللہ

محمد بن مسلم سے روایت ہے وہ کہتا ہے کہ ابو جعفر نے فرمایا جس نے اللہ کے نافرمان کی فرمانبرداری کی اُس کا دین نہیں اور جس نے اللہ پر جھوٹ باندھا اُس کا دین نہیں اور جس نے اللہ کی نشانیوں کا انکار کیا اس کا دین نہیں (ترجمہ ختم ہوا)۔

عن جابر بن عبد اللہ قال قال رسول اللہ صلے اللہ علیہ والہ من ارضی سلطانا بسخط اللہ خرج من دین اللہ

جابر بن عبد اللہ سے روایت ہے کہا فرمایا رسول اللہؐ نے جس نے اللہ کو

ناخوش کرکے بادشاہ کو خوش کیا وہ اللہ کے دین سے نکل گیا۔ (ترجمہ از مولانا میرٹھی)
بعد ملاحظہ روایات فتویٰ دیویں کہ ایسے شخص کو کیسا سمجھنا چاہیئے۔ طرفہ تماشا ہے کہ جب آپ کو علم ما کان و ما یکون حاصل موت وحیات آپ کے قبضہ قدرت و اختیار میں اور باد آپ کے زیر فرمان پھر تقیہ کا کیا محل اور تقیہ کی کہاں گنجائش اور آیت ،

ان الذین توفٰھم الملائکۃ ظالمی انفسھم قالوا فیم کنتم قالوا کنا مستضعفین فی الارض قالوا الم تکن ارض اللہ واسعۃ فتھاجروا فیھا فاولٰئک ماوٰھم جھنم وسآءت مصیرا الا المستضعفین من الرجال والنساء والولدان لا یستطیعون حیلۃ ولا یھتدون سبیلا۔

وہ لوگ جن کی فرشتے ایسی حالت میں جان نکالتے ہیں کہ وُہ اپنے اوپر ظالم ہیں فرشتے پوچھیں گے تم کس حال میں تھے وہ جواب دیں گے کہ ہم اُس زمین میں بے بس تھے۔ فرشتے کہیں گے کیا اللہ کی زمین فراخ نہ تھی کہ اس میں کسی طرف نکل جاتے یہ لوگ ہیں جن کا ٹھکانا دوزخ ہے اور وہ بہت ہی بُری جگہ ہے۔ (ترجمہ از مولانا میرٹھی)

نے تو ائمہ کے حق میں تقیہ کا فیصلہ ہی کر دیا اور اس کی تفسیر میں مفسرین شیعہ نے جو کچھ استنباط فرمایا ہے وہ بھی ہمارے اثبات مدعا کے لئے واضح دلیل ہے علامہ صافی اپنی تفسیر[1] میں لکھتے ہیں۔ اقول وفی الآیۃ دلالۃ علی وجوب الھجرۃ من موضع لا یتمکن الرجل فیہ من اقامۃ دینہ۔

میں کہتا ہوں اس آیت میں ایسی جگہ سے جہاں آدمی اپنے دین کی بجا آوری پر قادر نہ ہو ہجرت کے واجب ہونے پر بڑی دلالت ہے۔

الغرض جناب اوّل الائمہ وافضلھم کے یہ تعجب انگیز معاملات جو آخر عمر تک علی الدوام بلا انقطاع جاری رہے حتیٰ کہ اپنے زمانہ خلافت میں بھی آپ نے ان کا خلاف نہ فرمایا اور باوجود ظاہری و باطنی قوت و شوکت اُسی قاعدہ پر ثابت قدم رہے نہ بالکل

[1] تفسیر صافی ص۱۳۰ پارہ ۵ طبع طہران ۱۳۳۲ھ علوی غفرلہ

دین و دیانت اور خلافت و امامت کے منافی و مضاد ہیں اور زیادہ تعجب انگیز یہ ہے کہ آپ نے معاملات و مذہبیات میں صرف اہل خلاف کے ساتھ موافقت فرمانے پر ہی اکتفا نہیں فرمایا بلکہ اہل وفاق اور شیعان جانثار پر ہمیشہ تبرّا بھی پڑھتے رہے۔ چنانچہ خطبات نہج البلاغت اس گزارش پر شاہد عدل ہیں اور کسی قدر شروع رسالہ میں عرض بھی کر چکا ہوں تو اب انصاف سے فرما دیجئے کہ نائب نبی کا یہی کام ہے اور امام اور نفس رسُول اسی کا نام ہے عقل و انصاف تو کہتے ہیں کہ ایسے خلیفہ و امام اور خلافت و امامت کو دونوں ہاتھوں سے سلام ہے۔

علیٰ ہذا القیاس مرویات ائمہ کرام جو اصح الکتب کلینی وغیرہ میں مذکور ہیں، اور جن سے بالتصریح خلافت خلفاء حقّ ثابت ہوتی ہے جیسے روایت کتاب الجہاد کلینی جس کو ہم ہدایات الرشید میں نقل کر چکے ہیں یا جن سے ثنا و صفت صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم ثابت ہوتی ہے امامت جناب امیر کو مبطل ہیں جس کے لئے احتیاج تصریح و توضیح نہیں۔

دلائل تفصیلی

ان سب کو ایک طرف رکھو خود جناب امیرؓ کے خطبات جو نہج البلاغت میں بتواتر منقول ہیں خلافت و امامت کے دعوے کے بطلان پر شہادت دے رہے ہیں۔

پہلی دلیل جناب امیرؓ کو معلوم تھا کہ میں خلیفہ بلا فصل نہیں ہوں

منجملہ اُن کے وہ کلام ہے جس کو شریف[1] رضی نے بدیں عنوان نقل کیا ہے

ومن کلام لہ لما قبض رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وخاطبہ العباس وابو سفیان بن حرب ان یبایعا لہ بالخلافۃ ایھا الناس شقوا امواج الفتن بسفن النجاۃ وعرجوا

[1] نہج البلاغت ص۴۶ جلد ۱ طبع جدید مطبوعہ بیروت ۱۲ علوی غفرلہ

عن طریق المنافرة وضعوا تیجان المفاخرة افلح من نهض
بجناح او استسلم فاراح هذا ماء اجن ولقمة یغص بها اکلها ومجتنی
الثمرة لغیر وقت ایناعها کالزارع بغیر ارضه فان اقل
یقولوا حرص علی الملك وان اسکت یقولوا جزع من
الموت هیهات بعد اللتیا والتی والله لابن ابی طالب آنس
بالموت من الطفل بثدی امه بل اندمجت علی مکنون علم
لوبحت به لاضطربتم اضطراب الارشیة فی الطوی البعیدة۔

اور آپ کے کلام کا ٹکڑا جب رسول اللہ کا قبض روح ہوا اور عباس اور
ابوسفیان نے آپ سے بیعت خلافت کی درخواست کی۔ اے لوگو نجات کی
کشتیوں کے ساتھ فتنوں کی موجوں کو پھاڑو اور باہم نفرت کے طریق سے کچے
رہو اور فخر و تکبر کے تاج سر سے اتار رکھو جو بازو کے ساتھ اٹھا کامیاب ہوا
یا مطیع ہو گیا۔ یہ چین کا یہ تلخ پانی ہے جو کھانے والے کے گلے میں پھنستا ہے
اور پختگی کے وقت سے پیشتر میوہ کا چننے والا اپنی زمین سے جدا زمین میں
کھیتی کرنے والا جیسا ہے اگر میں بولتا ہوں تو کہیں گے سلطنت کی حرص کی
اور نہیں بولتا ہوں تو کہیں گے موت سے ڈر گیا یہ سب دور کے خیالات ہیں
چھوٹی بڑی باتوں کے بعد بخدا ابن ابی طالب اس بچہ کی نسبت جو اپنی ماں کے
پستان کا مشتاق ہے موت کا شائق ہے بلکہ اصل بات یہ ہے کہ میں ایسے پوشیدہ
علم پر مطلع ہوں کہ اگر اس کو ظاہر کروں تو تم ایسے کانپنے لگو جیسے گہرے کنوؤں
میں رسیاں۔ (ترجمہ از مولانا میرٹھی مرحوم)

خلاصہ کلام یہ ہے کہ عباس اور ابوسفیان نے جناب امیرؓ سے بیعت خلافت
کی درخواست کی تو آپ نے بدیں خلاصہ فرمایا کہ اگر میں مدعی خلافت ہوتا ہوں تو لوگ

کہیں گے کہ ملک اور سلطنت پر حرص کی اور اگر سکوت کرتا ہوں تو کہیں گے کہ موت سے
ڈر گیا۔ بخدا میں اس بچہ سے جو اپنی ماں کے پستان کا شائق ہوتا ہے موت کا زیادہ شائق
ہوں، دونوں باتیں نہیں نہ خلافت کی حرص ہے اور نہ موت کا ڈر ہے بلکہ میں ایسے مخفی
علم پر مطلع ہوں کہ اگر اس کو ظاہر کروں تو تم ایسے کانپنے لگو جیسے گہرے کنوؤں میں رسیاں
کیونکہ میری خلافت کا وقت نہیں آیا اور میوہ چننے والا پکنے کے وقت سے پیشتر بیفائدہ
سعی کرنے اور نفع نہ اٹھانے میں ایسا ہے جیسا کسی دوسرے کی زمین کھیتی کرنے والا یہ
بے وقت خلافت بدمزہ پانی ہے جو پینے والے کے گلے میں پھنس جاتا ہے کامیاب وہ
شخص ہے جو حقانیت کے بازو کے ساتھ اٹھا یا امام حق کا مطیع ہو گیا اور آرام سے
رہا تو اے لوگو دریائے فتن کی موجیں نجات کی کشتیوں سے پھاڑو اور باہمی نفرت کے
راستہ سے بچو۔ اس کلام ہدایت نظام سے صاف ظاہر ہے کہ جناب امیر کو معلوم تھا کہ
میں خلیفہ بلافصل نہیں ہوں اور میری خلافت کا وقت نہیں آیا اور وقت خلافت سے
پیشتر خلافت طلب کرنا محض حرص و طمع دنیاوی ہے جس کی خرابی و تباہی عند اللہ سے
میں واقف ہوں اگر تم پر بھی واضح کر دوں تو تم بیچین ہو جاؤ بالجملہ جناب نے چند
وجوہ طلب خلافت سے انکار کیا اول تو یہ ہے کہ اس وقت طلب خلافت فتنوں
کا برانگیختہ کرنا ہے جو دنیا و اخری کی ہلاکت کا موجب ہے دوسرے خلافت کا طلب
کرنا بے وجہ باہمی نفرت پیدا کرنا ہے۔ تیسرے طلب خلافت بے محل محض بڑائی اور
فخر ہے جو مسلمان کو زیبا نہیں ہے۔ چوتھے اگر طالب خلافت کے لئے حقانیت کی
بازو ہو تو طلب خلافت کے لئے اٹھنا چاہیئے ورنہ مطیع اور منقاد ہو کر اپنے آپ کو
اور خلق اللہ کو دنیا اور دین کی بربادی سے راحت و آرام دینا چاہیئے چنانچہ میں نے
ایسا ہی کیا کہ جب حقانیت کی بازو نہ دیکھی تو طلب خلافت کے لئے نہ اٹھا اور
خلیفہ برحق کی ربقہ اطاعت گلے میں ڈال کر راحت دی۔ پانچویں یہ خلافت بلا استحقاق

وہ بدمزہ پانی ہے جو پینے والے کے گلے میں پھنس جاتا ہے تو اگر میں اس وقت خلافت طلب کروں تو میرے گلے میں بھی پھندا پڑ جائے گا چھٹے بے وقت خلافت طلب کرنا ایسا بے سود اور بربادی بخش ہے جیسا پختگی سے پیشتر میوہ چننا اور دوسرے کسی مستحق کی زمین میں زراعت کرنا سا تو یں اگر اس وقت میں خلافت طلب کروں تو لوگ یہ کہیں گے کہ ملک وسلطنت کا حریص ہے اور اگر سکوت کروں تو کہیں گے کہ موت سے ڈر گیا اور درحقیقت نہ سلطنت کی حرص وطمع ہے اور نہ موت سے خوف ہے کیونکہ ابن ابی طالب کو موت تو پستانِ مادر سے بھی زیادہ مرغوب ہے بلکہ اصل وجہ عدم طلب خلافت کی یہ ہے کہ میں ایسے پوشیدہ علم کا واقف ہوں کہ اگر تم پر واضح کر دوں تو تم نہایت مضطرب ہو جاؤ جیسے گہرے کنوؤں میں رسیاں اور وہ یہ کہ ابھی تک میری خلافت کا وقت نہیں آیا تو اگر اب مدعی خلافت ہوں جیسا تمہارا منشا ہے تو امام برحق اور خلیفہ مستحق کی خلافت کا غاصب ہوں او فتنہ پھیلاؤں اور باہم نفرت پیدا کردں اور فخر وکبر کا تاج سر پر رکھ کر سردار متکبر بنوں اور اپنے گلے میں بدمزا پانی کا پھندا ڈالوں اور کسی غیر کی زمین زراعت کرنے والے جیسا کج رفتار ہو جاؤں اور ان امور کی بدانجامیوں کا جس قدر میں واقف ہوں تم واقف نہیں ہو اس خطبہ سے جناب امیرؓ نے اپنی خلافت کا بطلان صراحتہً اور ابوبکر صدیقؓ کی خلافت کا ثبوت اور تمام صحابہ اور مہاجرین وانصار کی حقانیت کا ثبوت ضمناً اس شد ومد کے ساتھ فرمادیا کہ عاقل منصف متدین کے لئے چون وچرا کی گنجائش نہیں چھوڑی اور ابطال مذہب امامیہ میں کوئی دقیقہ باقی نہیں رکھا۔

منتہائے جد وجہد علماء امامیہ کا اس کی توجیہہ بلکہ تحریف میں یہ کہ جناب امیر جانتے تھے کہ ابوسفیان کا یہ کلام اس غرض سے تھا کہ مسلمانوں میں لڑائی کی آگ مشتعل ہو جائے اور دین درہم و برہم ہو جائے۔ چنانچہ ابن میثم اپنی شرح کبیر مصباح السالکین میں لکھتے ہیں۔

اقول سبب هذا الکلام ما روی انه لما تمت فی سقیفة بنی ساعدة البیعة لابی بکر امر البیعة اراد ابوسفیان بن حرب ان یوقع الحرب بین المسلمین یقتل بعضهم بعضاً فیکون ذلك دمار للدین الخ

میں کہتا ہوں کہ اس کلام کا سبب وہ ہے جو مروی ہوا ہے کہ جب بنی ساعدہ کے چھتہ میں ابوبکر کی بیعت کامل ہو گئی تو ابوسفیان نے چاہا کہ مسلمانوں میں لڑائی ڈالے کہ ایک دوسرے کو قتل کرے اور اس طرح دین تباہ ہو۔ (ترجمہ از مولانا میرٹھی)

تو اس لئے آپنے اس کی درخواست کو قبول نہیں فرمایا اس کا جواب اولاً یہ ہے کہ علماء امامیہ کے نزدیک بیعت وخلافت ابی بکر بغاوت اور خروج امام برحق تھا اور حق تعالےٰ ارشاد فرماتا ہے فان بغت احدٰهما علی الاخری فقاتلوا التی تبغی حتی تفئ الی امر الله تو ابوسفیان کا درخواست بیعت کرنا اور مسلمانوں میں لڑائی کا بھڑکانا مطابق امر الٰہی کے ہے اور جناب امیرؓ کا لڑائی بھڑکانے سے انکار کرنا اور اس سوءظنی سے بیعت کو قبول نہ کرنا سراسر امر الٰہی کے مخالف ہے تو ایسا جواب دینا کہ جس میں جناب امیرؓ پر مخالفت امر الٰہی اور معصیت کا الزام عاید ہوتا ہو بلکہ جبان ہونے کے الزام کا بھی اندیشہ ہو حضرات شیعہ کے تشیع کو ہی شایان ہے یہ وہی مثل ہوئی فر من المطر و وقف تحت المیزاب، اور ثانیاً پہلے کسی دلیل سے یہ ثابت تو فرمادیں کہ آپ عالم ماکان و مایکون اور علیم بذات الصدور تھے کہ ابوسفیان کے ارادہ قلبی کو معلوم کرلیا اور عباس کو باین ہمہ زیرکی وتجربہ کاری اطلاع تک نہ ہوئی اور ثالثاً یہ تو فرما دیجئے کہ جب تمام صحابہ معاذ اللہ مرتد ہو گئے تھے اور دین درہم برہم ہو گیا تھا تو وہ کونسے مسلمان باقی رہ گئے تھے جن میں لڑائی بھڑکانے سے آپ کا دل کڑھتا تھا اور وہ کون سا دین باقی رہ گیا جس کے

برباد ہو جانے کا آپ کو اندیشہ تھا اور رابعاً اگر اسی وجہ سے اپنے بیعت سے انکار کیا تھا تو جنگ جمل و صفین میں اُنہی مسلمانوں میں آتش حرب کو کیوں اشتعال دیا اور کیوں دین کی بربادی کا باعث ہوئے اور وہاں اعوان و انصار کہاں سے پیدا ہو گئے اور تقیہ کہاں جاتا رہا اور خامساً اگر عمیق نظر سے دیکھا جائے تو ابن میثم اور دیگر شراح خود ہی اس توجیہ کو باطل کر رہے ہیں نہج البلاغت مطبوعہ بیروت کے حاشیہ پر بہجۃ الحدائق سے نقل کیا ہے۔

ای یمنعنی عن المنافسة فی الخلافة شغلی بما انطویت علیه من العلم بالاخرة ومشاهدتی نعیمها ولو کشفتها لکم لاضطربتم خوفاً من الله وشوقا الی ثوابه ولذهلتم عن المنافسة فی الدنیا۔

یعنی خلافت کی رغبت سے مجھ کو روکتی ہے میری مشغولی اُس علم کے ساتھ جو آخرت کے متعلق مجھ کو حاصل اور آخرت کی نعمتوں کا پیش نظر رہنا اور اگر میں ان کو تم پر ظاہر کر دوں تو تم اللہ کے ڈر سے اور اس کے ثواب کے شوق میں بے قرار ہو جاؤ اور دُنیا وی حرص کی تم کو خبر نہ رہے (از ترجمہ جعفر مرحوم)

اگرچہ اس عبارت سے جو کچھ محشی صاحب کا دلی منشا ہے وہ اُن کے پیچدار الفاظ سے واضح ہوتا ہے کہ آپ در پردہ ایک دوسرے جواب کیطرف ارشارہ فرما رہے ہیں چنانچہ یہ عبارت لکھ کر جب آپ کی آنکھیں کھلیں اور تنبیہ ہوا تو بطور اعتراض کے لکھا۔

ویخدشه ان ذلك العلم لا یوجب القعود عن طلب الخلافة التی امره الله بها

اس پر یہ اعتراض ہے کہ یہ علم اس کو مقتضی نہیں کہ خلافت و طلب سے

بیٹھ رہے۔ جس کا خدا تعالیٰ نے حکم فرمایا ہے۔ (ترجمہ از مولانا میرٹھی)

اور جواب سے سکوت کیا، مگر اس سے ہمارا مدعا بخوبی ثابت ہے کہ وہ توجیہ جس کی علامہ ابن میثم بحرانی نے اشارہ کیا تھا قبول کے قابل نہ تھی اور نیز بعد اس کے خود صاحب بہجۃ الحدائق نے بصیغہ تمریض اُس جواب کو بھی لکھا۔

ویحتمل ان یراد بالعلم ما یؤل الیه الامر علی تقدیر المنازعة من ذهاب الاسلام واستیصال اهله وغلبة الکفار۔

اور احتمال ہے کہ علم سے اُن امور کا علم مراد ہو جو جھگڑے کی صورت میں پیدا ہوں گے وہ اسلام کی تباہی اور اہل اسلام کی تباہی اور کفار کا غلبہ ہیں اور شاید اگر پورے کلام دستیاب ہو جاتے تو اس میں کوئی ایسا لفظ ہو جس سے مُدعا واضح ہو جائے پر میں اس پر مطلع نہیں ہوا) (ترجمہ از مولانا میرٹھی)

تو اس سے صاف واضح ہے کہ نہ یہ جواب صحیح ہے اور نہ جواب سابق، بلکہ صحیح مطلب اس عبارت کا وہی ہے جو ہم نے عرض کیا ہے لیکن شراح معذور ہیں اُس کو کیونکر لکھیں اگر اپنے مصنوعی تشیع سے فارغ خطی لکھ دیں تو البتہ لکھ سکتے ہیں۔ علامہ ابن میثم بھی اس گرداب میں مبتلا ہو کر ہاتھ پاؤں مار رہے ہیں اور ساحل نجات تک راستہ نہیں پاتے اور یہ دونوں توجیہات لکھ کر جب تسلی و تشفی نہیں ہوئی تو مایوس ہو کر لکھتے ہیں ولعل فی تمام هذا الکلام لو وجد ما یوضح المقصود منه ولم اقف علیه اے صاحبو ذرا تو عقل سے کام لو کچھ تو اپنی دیانت و انصاف کو اس کی طرف توجہ کی تکلیف دو اگر اس وقت علامہ صاحب بقید حیات ہوتے اور اس خاکسار کو اُن کی خدمت تک رسائی ہو جاتی تو با دب عرض کرتا کہ حضرت تمام خطبہ کی تو آپ نے شرح کر ڈالی مگر اپنے ایمان سے فرمایئے آپ کو آپ کے تشیع کی قسم دیکر پوچھتا ہوں کہ کیا واقعی آپ کے نزدیک اس خطبہ کے الفاظ کا یہی مطلب ہے جو آپ نے تحریر فرمایا ہے۔ اگر یہی مطلب ہے تو

ذرا یہ بھی فرما دیجئے کہ اس خطبہ میں جو یہ جملہ ہے ومجتنی الثمرة لغیر وقت اینا عھا کالزارع بغیر ارضہ اس کا کیا مطلب ہے کیا باوجود منصوبیت خلافت کے آپ کے لئے ثمرہ خلافت کی پختگی کا وقت نہیں پہنچا تھا کیا آپ باوجود امام برحق اور خلیفہ مطلق ہونے کے بھی غیر کی زمین میں زراعت کرنے والے کے مشابہ ہوتے خدا کے لئے ذرا تو سوچئے ثمر خلافت کا پختگی سے پہلے توڑ چننا اسی وقت ہو سکتا ہے جبکہ آپ کی خلافت کا وقت نہ آیا ہو اور غیر کی زمین میں زراعت کرنے والے کے مشابہ اسی وقت ہو سکتے ہیں جبکہ دوسرے خلیفہ برحق کے زمانہ خلافت میں آپ طلبگار خلافت ہوں پس اس سے صاف ظاہر ہے کہ اُس وقت آپ ہرگز خلیفہ نہیں تھے اور آپ بالیقین جان رہے تھے کہ میری خلافت کا وقت نہیں پہنچا اور ابوبکر صدیق خلیفہ برحق ہیں اگر میں اسوقت مدعی خلافت ہوں تو ابوبکر صدیق کی ارض خلافت میں زراعت کروں جس کا مجھ کو کسی طرح استحقاق نہیں ہے لہٰذا میں خلافت کسی طرح اُس وقت طلب نہیں کر سکتا کیونکہ ابوبکر صدیق کی خلافت بیعت اہل حل وعقد سے منعقد ہو چکی چنانچہ دوسرے خطبوں سے یہ مدعا بخوبی ثابت ہے اور ہم ہدایات الرشید میں مفصل لکھ چکے ہیں پھر معلوم نہیں کہ علامہ اس کا جواب کیا دیتے اور اُن کے حواریین اس وقت اُن کی طرف سے کیا جواب دیں گے۔ میں یقین کرتا ہوں کہ اگر علامہ اپنے انصاف و دیانت سے کام لیتے تو اس مضمون کا اعتراف فرماتے اور اصطلاحی تشیع سے دست بردار ہوتے ورنہ شرما کر سر جھکا لیتے اور اپنے دل میں تلقین حجت کے بارہ میں امام کو سچا یقین کرتے۔

دوسری دلیل جناب امیرؓ خلفائے ثلاثہ کو حق سمجھتے تھے | ازاں جملہ وہ خطبہ ہے جو نہج البلاغت میں[1] منقول ہے۔ ولعمری ما علی من قتال من خالف الحق وخابط الغی من ادھان ولا ایھان فاتقوا اللہ عباد

[1] ص۱۰۸ جلد۱ طبع جدید مطبوعہ بیروت ۱۲ شبیر محمد علوی غفرلہ

عبـــاد اللہ وامضوا فی الذی نھجہ لکم وقوموا بما عصبہ بکم فعلی ضامن لفلجکم اجلا ان لم تمنحوہ عاجلا حضرت رضی اللہ تعالیٰ بحلف فرماتے ہیں کہ مخالف حق اور گمراہ کے قتال کے بارہ میں مجکو ذرا ضعف و مداہنت نہیں تو تم اے اللہ کے بندو اللہ سے ڈرو اور ترک قتال کو ضعف و مداہنت پر محمول نکرو اور خدا کے عقاب اور غصہ سے اُس کی رحمت اور رضا کی طرف دوڑو اور جو راستہ خلافت کا تمہارے لئے واضح کر دیا ہے اُس پر چلتے رہو اور جو امر اتباع خلفاء کے تمہارے متعلق کر دیا ہے اُس کو برپا رکھو پھر علی ابن ابی طالب تمہاری اُخروی کامیابی کا کفیل ہے اگر بالفعل دنیا میں تم کو حاصل نہ ہوگی اس خطبہ کی عبارت میں دیکھنے سے یہ مضمون تو واضح ہے کہ یہ کلام حضرت رضی اللہ عنہ کا اُن شیعہ لوگوں کے مقابلہ میں ہے جو آپ پر درباب قتال ضعف و مداہنت کا الزام لگاتے تھے اور آپ کو مداہن اور منافق اور دشمن دوست نما ٹھہراتے تھے اور جو شخص نہج البلاغت کے خطبوں کو سرسری نظر سے بھی پڑھ سکے اُس پر واضح ہو سکتا ہے کہ اپنے زمانہ خلافت سے آخر حیات تک حضرت سے بغات کے ساتھ نفاق و مداہنت ظہور پذیر نہیں ہوئی بلکہ ہمیشہ حضرت اپنے لوگوں کے ضعف و سستی کا شکوہ فرماتے رہے چنانچہ اس کے بعد کا خطبہ جس کے عنوان میں شریف رضی فرماتے ہیں[1] فقام علیہ السلام الی المنبر ضجرا بتثاقل اصحابہ عن الجہاد ومخالفتھم لہ فی الرای اور اس کے بعد کے دوسرے خطبات علی الخصوص وہ خطبہ[2] جس کے یہ کلمات قابل ملاحظہ اولو الالباب ہیں۔

واللہ یمیت القلب ویجلب الھم اجتماع ھؤلاء القوم علی باطلھم وتفرقکم عن حقکم فقبحا لکم وترحا حین صرتم غرضا یرمی یغار علیکم ولا تغیرون وتغزون ولا تغزون

[1] نہج البلاغہ ص۱۰۸ جلد۱ ۔ [2] نہج البلاغہ ص۱۸ تا ۱۸ جلد۱ طبع جدید مطبوعہ بیروت ۱۲ الاحقر علوی غفرلہ

ویعصی اللہ وترضون فاذا امرتکم بالسیر الیھم فی ایام الحر قلتم ھذہ حمارۃ القیظ امھلنا یسبخ عنا الحر واذا امرتکم بالسیر الیھم فی الشتاء قلتم ھذہ صبارۃ القر امھلنا ینسلخ عنا البرد کل ھذا فرارا من الحر والقر فاذا کنتم تفرون من الحر والبرد فانتم واللہ من السیف افر یا اشباہ الرجال ولا رجال حلوم الاطفال وعقول ربات الحجال لوددت انی لم ارکم ولم اعرفکم معرفۃ واللہ جرت ندما واعقبت سدما قاتلکم اللہ لقد ملئتم قلبی قیحا وشحنتم صدری غیظا وجرعتمونی نغب التھمام انفاسا وافسدتم علی رائی بالعصیان والخذلان الی اخر ما قال۔

اور مجھ کو دل کو مردہ کرتا ہے اور اندوہ دلاتا ہے مخالفوں کا باطل پر اتفاق اور تمہارا اپنے حق سے اختلاف۔ بس تمہارا برا ہو تم تیروں کا نشانہ بن گئے۔ وہ تم پر لوٹ مار کرتے ہیں اور تم اُن پر نہیں کرتے اور وہ تم پر چڑھائی کرتے ہیں اور تم اُن پر نہیں کرتے۔ اللہ کی نافرمانی ہوتی ہے اور تم اُس پر راضی ہو۔ اگر میں تم کو موسم گرما میں اُن کی طرف چلنے کا حکم کرتا ہوں تو کہتے ہو کہ موسم شدت گرمی کا ہے۔ ذرا مہلت دیجئے کہ گرمی ہلکی ہو جائے۔ اور اگر موسم سرما میں تم کو اُن کی طرف چلنے کا حکم کرتا ہوں تو کہتے ہو اس وقت سخت سردی ہے اتنی مہلت دیجئے کہ سردی اتر جائے اور یہ سب گرمی اور سردی سے بھاگنا ہے۔ پھر جبکہ گرمی اور سردی سے بھاگتے ہو تو بخدا تم تلوار سے زیادہ بھاگو گے۔ اے مردوں کی صورتو اور مرد نہیں۔ اور بچوں اور عورتوں کی عقل والو میں دوست رکھتا ہو

کہ کاش نہ میں تم کو دیکھتا اور نہ تم سے تعارف پیدا کرتا خدا کی قسم میں پشیمانی کا جلیس اور غم و غصہ کا ہم نشین ہو گیا۔ خدا تمہیں ہلاک کرے تم نے میرے دل میں پیپ اور سینہ کو غصہ سے بھر دیا اور مجھ کو غم گھونٹ گھونٹ پلایا اور بوجہ نافرمانی اور ترک اعانت میری رائے بگاڑ دی۔ (ترجمہ از مولانا میر محمد)

اس مدعا کو کالشمس فی رابعۃ النہار ثابت کر رہے ہیں تو اگر حضرت کی نسبت ضعف و مداہنت اور نفاق و مصانعت کی شکایت ہو سکتی ہے تو خلفائے ثلاثہ کے بارہ میں ہو سکتی ہے کہ اُس زمانہ میں آپ نے باوجود دیکہ وہ خلافتیں بزعم شیعہ ظلم اور عدوان تھیں تاہم حضرات امام برحق غاصبین اور ظالمین کے ساتھ شیر و شکر رہے تو اس پر اگر کوئی شیعہ شکوہ و شکایت مداہنت اور مصانعت کی کرے تو بجا ہے اور مستحق جواب ہے ورنہ تکذیب ہی کافی ہے۔ پس واضح ہو کہ بعض پیشوایان اکابر شیعہ نے زمانہ خلفائے ثلاثہ کے مصانعت و مداہنت کی نسبت حضرت رضی اللہ عنہ پر اعتراض کیا تھا جس کا جواب حضرت نے بایں کلمات فرمایا جس کا مطلب صاف لفظوں میں یہ ہے کہ اللہ کی قسم مجھ کو مخالفان حق اور کجرفتاران گمراہی کے قتال میں ضعف و کاہلی نہیں ہے پر جن کو تم نے مخالف حق اور کجرفتار اور گمراہ خیال کر رکھا ہے وہ ہرگز گمراہ اور مخالف حق اور کجرفتار نہ تھے بلکہ کجی کے سیدھا کرنے والے بیماری کے علاج کرنے والے سنت نبوی کے قائم کرنے والے فتنہ سے محفوظ رہنے والے خداوند تعالےٰ کی اطاعت بجالانے والے خدا تعالےٰ سے ڈرنے والے اور تقوےٰ کرنے والے جو حق تقوےٰ ہے تھے جیسا کہ خطبہ للہ بلاد فلان سے ثابت ہے تو مقتدایان دین اور پیشوایان اسلام کی نسبت ایسی سخت بدگمانی کرنا خدا کی لعنت اور اُس کے غضب و عقاب میں داخل ہوتا ہے پس یہ بدگمانی کرنے کی لعنت اور غضب کا طوق نہ پہنا بلکہ حسن ظن کے ساتھ خدا کی رحمت میں داخل ہوا اور طریق مستقیم خلافت پر جس کو خود

خداوندکریم جل شانہٗ نے تمہارے لئے بنایا ہے چلتے رہو اور خلفائے برحق کا اتباع جوتم پر لازم کیا ہے قائم رکھو پھر علی ابن ابی طالب تمہاری کامیابی کا ضامن ہے، خواہ دُنیا میں ہو ورنہ عقبیٰ میں ہوگی پس اس جواب سے ہر شخص بخوبی سمجھ سکتا ہے کہ حضرت خلفائے ثلثہ کو حق سمجھتے تھے اور اپنے کو اُس وقت خلیفہ نہیں جانتے تھے تو خلافت بلافصل کا دعویٰ حضرت کی نسبت حضرت ہی کے قول سے باطل ہوگیا

تیسری دلیل جناب امیرؓ کے خطبہ سے خلافتِ صدیقی کی حقانیت کا اظہار

ازاں جملہ آپ کے اُس کلام کا ایک ٹکڑا ہے جس کی ابتدا یہ ہے فقمت بالامر حین فشلوا وہ ٹکڑا یہ ہے فنظرت[1] فی امری فاذا طاعتی قد سبقت بیعتی واذا المثیاق فے عنقے لغیری حاصل مطلب یہ ہے کہ بعد وفات رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم میں نے اپنے معاملہ میں سوچا تو ناگاہ معلوم ہُوا کہ میرا فرمان بردار ہونا رسُول اللہ کا ابُوبکر صدیق کے اقتدار اور ترک منازعت میں یا میرا فرمان بردار رہنا ابوبکر صدیق کا میری بیعت صدیقی سے پیشتر مجھ پر لازم ہوچکا تھا اور میثاق بیعت صدیقی کا یا میثاق امر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اتباع اور عدم مخالفت ابوبکر الصدّیق کے بارہ میں ابوبکر صدیق کے لیے میری گردن میں پڑ چکا تھا اس عبارت سے ہمارا مدعا بکمال وضاحت ثابت ہوتا ہے علی الخصوص شراح کے کلام سے تمام خلجانات اور شکوک دفع ہوجاتے ہیں لہٰذا ابن میثم کی شرح کبیر اور بہجۃ الحدایق سے نقل کرتے ہیں تاکہ موجب طمانیت ہوجائے۔ شارح ابن میثم لکھتا ہے۔

قوله فنظرت فی امری الخ فیه احتمالان احدهما قال بعض الشارحین انه مقطوع من کلام یذکر فیه حاله بعد وفات الرسول صلی الله علیه وسلم وانه کان معهودا الیه ان لا ینازع فی امر الخلافة بل ان حصل

[1] نہج البلاغت ص۱۱۱ ج ۱ طبع جدید مطبوعہ بیروت ۱۲ شبیر محمد علوی غفرلہ

له بالرفق والا فلیمسك فقوله فنظرت فاذا طاعتی قد سبقت بیعتی ای طاعتی لرسول الله صلی الله علیه وسلم فیما امرنی به من ترك القتال قد سبقت بیعتی للقوم فلا سبیل الی الامتناع منها وقوله واذا المیثاق فی عنقی لغیری ای میثاق رسول الله صلی الله علیه وسلم وعهده الی بعدم المشاقة وقیل المیثاق ما لزمه من بیعة ابی بکر بعد ایقاعها ای فاذا میثاق القوم قد لزمنی فلم یمکننی المخالفة بعده - الاحتمال الثانی ان یکون ذلك فی تضجره وتبرئه من ثقل اعباء الخلافة وتکلف مداراة الناس علی اختلاف اهوائهم ویکون المعنے انی نظرت فاذا اطاعة الخلق لی واتفاقهم علی قد سبقت بیعتهم لی واذا میثاقهم قد صار فی عنقے فلم اجد بدا من القیام بامرهم ولم یسعنی عند الله الا النهوض بامرهم ولو لم یکن کذلك لترکت - الی ان قال والاول اشهر بین الشارحین۔

فنظرت فی امری الخ اس میں دو احتمال ہیں پہلا احتمال بعض شارحین کا قول ہے کہ یہ اُس کلام کا ٹکڑا ہے جس میں آپ نے حال حضرتؐ کی وفات کے بعد کا ذکر کیا اور یہ کہ آپ سے عہد لیا گیا تھا کہ خلافت کے بارہ میں جھگڑا نہ کیجو اگر بہ نرمی ہاتھ لگ جائے تو فبہا ورنہ جھگڑے سے باز رہیں پس معنی کلام یہ ہوئے کہ میں نے اپنے معاملہ میں سوچا تو رسُول اللہ کی فرمان برداری ترک قتال کے بارہ میں قوم کی بیعت سے پیشتر مجھ پر لازم ہوچکی تھی اور اُس سے انکار کا راستہ مسدود تھا اور آپ کا عہد ترک قتال کی نسبت اور بعض کہتے ہیں کہ ابُوبکر صدیق کی بیعت کے واجب الاطاعت ہونے کا عہد و میثاق جو اہل حل وعقد کی بیعت کے بعد مجھ پر بھی لازم ہوگیا تھا۔ لہٰذا اُس کے بعد مجھ سے مخالفت نہ ہوسکی۔ دوسرا احتمال یہ ہے کہ یہ کلام بسبب خلافت کے

بوجہ دل تنگی اعدگرانباری اور تکلیف لوگوں کی دلداری سے بیزاری کی صادر ہوئی
اس وقت معنی یہ ہوئے کہ میں نے سوچا تو جب لوگ بیعت سے پیشتر بالاتفاق میری
بیعت میں داخل ہوئے اور ان کا میثاق میری گردن پر پڑ چکا تھا تو اس لئے
مجھ کو بر مجبوری ان کی سرداری سے انکار نہ ہو سکا۔ (ترجمہ از مولانا میر ثنی)

اور بہجۃ الحدایق کی عبارت یہ ہے:۔

ھٰذہ الکلمات مقطوعۃ من کلام یذکر فیہ حالہ علیہ
السلام بعد وفات الرسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم انہ
کان معہودا علیہ ان لا ینازع فی الامر بل یطلب بالرفق
فان حصل لہ والا امسک وقولہ علیہ السلام طاعتی ای
وجوب طاعتی لرسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ قد سبقت
بیعتی للقوم فلا سبیل الی الامتناع من البیعۃ لانہ
امرنی بھا واذا المیثاق فی عنقی لغیری ای المیثاق بترک
المنازعۃ کان قد اخذہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
فلم یجز لی ان اتعدی امرہ۔

یہ کلمات اس کلام کے ٹکڑے ہیں جس میں اپنا وہ حال بیان فرماتے ہیں
جو رسول اللہ کی وفات کے بعد پیش آیا اور یہ کہ آپ سے عہد لیا گیا
تھا کہ خلافت کی نسبت [illegible] نزاع نہ کرنا [illegible] جائے پھر اگر
حاصل ہو تو بہتر ورنہ [illegible] اور طاعتی یعنی رسول اللہ صلعم کے لئے میری
اطاعت کا واجب ہونا [illegible] بیعت پر سبقت ثابت ہو چکا
[illegible]
سے مجھ کو [illegible]

تھا یعنی ترک منازعت کا میثاق جو رسول اللہ نے مجھ سے لیا تھا میری
گردن میں تھا تو مجھ کو جائز نہ تھا کہ حضرت کے امر سے تجاوز کروں۔ (ترجمہ از مولانا میر ثنی)

یہ دونوں عبارتیں نہایت بلند آواز کے ساتھ بلا تقیہ و تودیہ حکم کر رہی ہیں کہ ابوبکر
صدیقؓ امام حق اور خلیفہ بلا فصل واجب الاطاعت من اللہ و من الرسول ہیں اور جناب
امیر ہرگز خلیفہ بلا فصل نہیں وہو المدعا تفصیلی بحث اس جملہ کے متعلق ہم ہدایات الرشید
الی افحام العنید میں لکھ چکے ہیں من شاء فلیرجع الیہ لیکن یہاں بھی مختصراً عرض کئے دیتے
ہیں اگر کسی کو ہدایات دستیاب نہ ہو تو حسرت باقی نہ رہے۔ شراح نہج البلاغت نے جب
اس جملہ کی شرح کا ارادہ کیا تو ان کو اول یہ مشکل پیش آئی اور اس مصیبت کا سامنا
ہوا کہ انہوں نے دیکھا جناب امیرؓ کا یہ کلام جو یقیناً جناب امیرؓ کا کلام ہے۔ ابوبکر صدیقؓ
کی امامت حقہ اور خلافت راشدہ کو مثل آفتاب روشن کر رہا ہے اور جناب امیرؓ کی خلافت
و مذہب تشیع کے ابطال اور اس کے استیصال میں کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا لہٰذا اس کلام
کی تاویل بلکہ تحریف میں نہایت خبط اور اختلاف ہوا اور اس بلائے بے درمان سے نجات
کی صورت نظر نہ آئی علامہ کمال الدین ابن میثم بحرانی نے اپنی شرح کبیر میں فرمایا کہ اس کلام
کے معنی میں دو احتمال ہیں یعنی شارحین تو یہ فرماتے ہیں کہ جملہ اس کلام کا ٹکڑا ہے کہ جس میں
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد کا اپنا حال ذکر کرتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ
مجھ سے عہد لیا گیا تھا اور حکم و وصیت ہوئی تھی کہ اگر خلافت بسہولت و نرمی حاصل ہو
تو نبہا ورنہ سکوت کیجیو اور حصول خلافت میں نزاع نہ کیجو تو اس کے مطابق اس جملہ
کے یہ معنی ہوئے۔ فنظرت بعد وفات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی
امری یعنی فی تحصیل الخلافۃ لی فاذا طاعتی لامر رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم فی ترک القتال وانقیاد الخلیفۃ قد سبقت بیعتی لہ فلا
سبیل لی الی الامتناع من الانقیاد واذا میثاق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

وعهده الی بعدم المشاقة والمنازعة فی عنقی لغیری یعنی ابی بکر حاصل مطلب
ان شراح کا یہ ہے کہ میں نے بعد وفات رسول اللہ صلعم اپنے لئے حصول خلافت کے امر
میں سوچا تو اس سے پیشتر کہ میں ابوبکر صدیقؓ کی بیعت کروں ابوبکر صدیقؓ کی اطاعت
اور انقیاد اور عدم منازعت اور ترک قتال کے بارہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا
امر اور عہد واجب الاطاعت پایا اور ابوبکر صدیقؓ کی عدم مخالفت کا میثاق جو رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے تھا۔ میں نے اپنی گردن میں پڑا ہوا دیکھا تو اس لئے مجھ کو ابوبکر صدیقؓ
کی بیعت سے باز رہنے کا کوئی راستہ نہ ملا اور مخالفت اور چون و چرا کی ذرا گنجائش نہ ہوئی

حضرات شارحین کے ہم نہایت ممنون احسان اور شکر گزار ہیں کہ انہوں نے
اگرچہ اس جملہ کی تقدیر نکالنے میں چالاکی فرمائی اور ایسی تقدیر نکالی جو بظاہر مخالف نہ ہو
تاہم اس جملہ کا ایسا مضمون بیان کر دیا کہ جس سے ہمارا مدعا بخوبی ثابت ہو گیا انہوں نے
تو اپنی عادت شریفہ کے موافق لفظ طاعتی کا مفعول اور میثاق کا مضاف الیہ رسول اللہ کو
اس لئے قرار دیا تھا کہ اگر بجائے لفظ رسول اللہ کے لفظ ابوبکر یا خلیفہ کا ذکر کرتے تو
صریح طور پہ ثابت ہو جاتا کہ جناب امیر ابوبکر صدیقؓ کے مطیع ہوں اس لئے لفظ رسول اللہ
کی تقدیر نکالی کہ ذرا تو کانا پردہ باقی رہے اور ہر ایک خاص و عام بے تامل متنبہ نہ ہو جائے
مگر عدو شود سبب خیر گر خدا خواہد یہ ہمارے لئے نہایت مفید ہوئی کیونکہ اگر تقدیر لفظ
ابوبکر نکالی جاتی تو صرف اطاعت ابی بکر اور میثاق ابی بکر ہی ثابت ہوتا جو بظاہر بامر
رسول اللہ یا بلا امر رسول اللہ سے ساکت تھا اور جب تقدیر رسول اللہ کی نکالی تو
[illegible] اطاعت اور میثاق ابی بکر بامر رسول اللہ ثابت ہو گیا اور مدعا مبرہن ہو گیا
اس لئے جب دوسرے بعض شراح نے دیکھا کہ اس کانے پردہ سے کچھ
نفع نہیں تو انہوں نے دوسرے جملہ میں ظاہر کر دیا جس کو شارح ابن میثم نے بھی مجبور
ہو کر ظاہر فرمایا وقیل المیثاق ما لزمہ من بیعة ابی بکر بعد ایقاعہا ان حضرات

نے بھی اتنی کوتاہی فرمائی کہ یہ تقدیر صرف دوسرے جملہ میں ظاہر کی اور وہ بھی صرف
میثاق کے متعلق اور لفظ غیر کا مدلول بیان فرمایا کہ غیر سے کون مراد ہے اور پہلے جملہ واذا
طاعتی کو بالکل ہی مبہم چھوڑ دیا ورنہ ایمانداری اور انصاف کا تو یہ مقتضی تھا کہ صاف
اس کی تقدیر بھی ظاہر کر دیتے کہ فاذا طاعتی لابی بکر بامر رسول اللہ صلی اللہ علیہ
وسلم لکونہ اماما حقا قد سبقت بیعتی لہ بالجملہ چونکہ ان ہر دو تقدیرات کے
موجب ہر دو معنی میں کچھ فرق نہیں تھا اور دونوں تقدیروں پر معنی متحد تھے لہذا علامہ
ابن میثم نے ان دونوں کو ایک ہی احتمال کے نیچے داخل رکھا۔

بعد اس کے دوسرا احتمال جو بعض شارحین نے بیان کیا وہ لکھا حاصل اس کا
یہ ہے کہ یہ کلام آپ نے اپنے زمانہ خلافت میں مہمات خلافت کی گرانباری اور مختلف
لوگوں کی مدارات سے دل تنگ ہو کر فرمائی کہ جب لوگوں نے میری بیعت کا ارادہ
کیا تو میں نے سوچا کہ کسی طرح میرا پیچھا بھی اس سے چھوٹ سکتا ہے تو میری اطاعت ان
پر بیعت سے پہلے ہی لازم ہو چکی اور سرانجام امور کا میثاق میری گردن میں پڑ چکا تھا تو
اس لئے خلافت کا انکار ممکن نہ ہوا۔ یہ معنی ان حضرات کے ایجاد طبع ہیں جنہوں نے عقل
اور انصاف کے ساتھ علم و تدین کو بھی خیرباد کہہ دیا ہے اس لئے علامہ ابن میثم نے اس
احتمال کو پیچھے ذکر کیا اور آخر میں فرما دیا والاول اشہر بین الشارحین آخر کوئی تو وجہ
ہے کہ احتمال مؤید مذہب تو شارحین میں مشہور نہ ہو اور مبطل مذہب شارحین میں مشہور ہو
جائے چنانچہ صاحب بہجة الحدائق نے اس احتمال کو بالکل ذکر تک نہیں کیا اس سے
صاف واضح ہے کہ شراح کے نزدیک یہ احتمال غلط اور ناقابل اعتماد ہے اور غلط ہونا
اس کا خود بدلائل واضح ہے اول تو یہ جملہ عبارت سابقہ کے جس کو شریف رضی نے
بہ نظر مصلحت حذف کر دی جس پہ یہ قول دال ہے فان بعض الشارحین انہ
مقطوع من کلام یذکر فیہ حالہ بعد وفات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

بالکل خلاف ہے۔ دوسرے جب آپ خلافت کے لئے منصوص من اللہ ہو چکے اور رسول اللہ
نے بھی وصیت فرمائی اور بعد وفات حضرت کے غصب خلافت کے شکوہ و شکایات کرتے
رہے اور متمنی رہے کہ کسی طرح مجھ کو خلافت مل جائے بایں ہمہ پھر جب خلافت آپ کی
طرف متوجہ ہوئی اس وقت دل تنگ ہونا اور بیزار ہونا عجیب امر ہے یہ تو بے عقل اور
بچوں کی باتیں ہوتی ہیں کہ ایک امر کی نسبت بدون انجام سوچے خواہشمند ہو جاتے ہیں
اور جب سر پڑتی ہے اور بدانجامی معلوم ہو جاتی ہے اس وقت اس سے بیزار
ہوتے ہیں۔ اگر شیعہ نے اپنے جناب امام الائمہ کو ایسا ہی سمجھ رکھا ہے تو ان کو اختیار
ہے۔ تیسرے اس احتمال میں اضافت مصدر الی المفعول ہوتی ہے جو خلاف اصل ہے تو
جو تقدیر موافق اصل ہے اُس کو چھوڑ کر تقدیر خلاف اصل کا بلا قرینہ ارتکاب کیونکر
جائز ہو سکتا ہے۔

بالجملہ جب احتمال ثانی عقلاً اور نقلاً عند اہل المذہب غلط ہوا اور پہلا احتمال
صحیح ہوا تو ہم تمام علمائے تشیع سے سوال کرتے ہیں کہ جب جناب امام معصوم کسی کو اپنے لئے
واجب الاطاعت فرماتے ہیں اور واجب الاطاعت ہونا کیسا کہ بیعت کرنے سے پیشتر
وہ شخص آپ کا واجب الاطاعت ہو چکا ہو اور بعد ازاں اس کی پختگی آپ نے بیعت
سے فرمائی ہو تو فرمائیے کہ وہ شخص کون ہوگا وہ شخص افضل الامت اور کامل الایمان ہوگا یا
کوئی بد دین اور بے ایمان اگر وہ افضل الامت اور کامل الایمان ہے تو بھی تشیع باطل ہوا
چنانچہ ظاہر ہے اور اگر وہ شخص بد دین اور بے ایمان ہے تو اس سے زیادہ تشیع کے لئے
بربادی بخش ہوا کیونکہ جب آپ امام حق ہیں اور وہ آپ کے لئے بیعت کرنے سے پہلے
واجب الاطاعت ہو چکا تو یہ فضیلت اور سابقیت وجوب اطاعت یا روز ازل سے
بحکم خداوند عالم ہوئی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ سے بامر شریف حضرت
صلی اللہ علیہ وسلم ہوئی تھی چنانچہ عبارت شرح سے مفہوم ہوتی ہے یا بعد وفات حضرت[۲]

بیعت اہل حل وعقد کی وجہ سے ہوئی۔ اگر بارشاد حضرت یا بیعت اہل حل وعقد سے
سابقیت وجوب اطاعت ہوئی تو بھی ضرور ہے کہ بحکم الٰہی ہوئی بہر صورت اگر وہ
شخص جس کا ربقۂ اطاعت امام معصوم مفترض الطاعت کی گردن میں بیعت کرنے
سے بھی پہلے پڑ چکا امام معصوم مفترض الطاعت سے افضل ہے تو ہمارا مدعا ثابت
ہے کہ اُس وقت وہ مطاع امام مفترض الطاعت ہے نہ مطیع اور اگر وہ معاذ اللہ
بد دین و بے ایمان ہے تو پھر آپ ہی اپنے ایمان سے فرمائیں کہ ایسا خدا جو خلاف
وجوب لطف و عدل امام معصوم مفترض الطاعت کو ایک بد دین بے ایمان کا مطیع بنا
دے اور ایسے شریر ولئیم کی اطاعت و انقیاد کی رسی ایسے شریف و کریم کے
گلے میں ڈالے کہ جدھر چاہے اُس کو کھینچے شایان خدائی ہے معاذ اللہ لاحول ولا قوۃ
الا باللہ پس اس صورت میں یا تو وہ خدا جس کو خدائے عدل ولطیف تجویز کر رکھا
ہے خدا نہیں اور اگر وہ خدا ہے تو جس کو امام معصوم مفترض الطاعت اعتقاد کر رکھا
ہے وہ امام معصوم مفترض الطاعت نہیں بلکہ وہ بھی اپنے مطاع اور متبوع کا اُس
کے اوصاف میں سہیم و شریک ہے۔

اگر بپاس خاطر حضرات تھوڑی دیر کے لئے تسلیم کر لوں کہ یہ حکم الٰہی بنظر
مصلحت تھا کہ فتنے نہ اُٹھیں اور دین درہم و برہم نہ ہو جائے اس لئے خداوند لطیف و
خبیر نے آپ کو حکم فرما دیا تھا کہ بد دینوں کی اطاعت اور چاپلوسی کرتے رہنا تو پھر بھی
مذہب تشیع کی کسی طرح دنبال گزاری نہیں ہو سکتی کیونکہ اوّل تو بعد وفات رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم جب سب مرتد ہو گئے اور دین کو درہم و برہم کر دیا۔ قرآن کو تحریف
کر ڈالا اہل بیعت رسالت کی بے حرمتی کی تو وہ کونسا اسلام باقی تھا جس کی حفظ و
نگہداشت خداوند عالم کو مدنظر تھی اور وہ کون سے مسلمان تھے جن کے فیما بین فتنوں

کا ثوران ناپسند خداوند رب العزت تھا دوسرے اگر یہ ہی علت تھی تو پھر اپنے ایام خلافت میں جو وقائع جمل وصفین وغیرہ کے پیش آئے وُہ بالکل خلاف حکم الٰہی اور معصیت ہوئے اور اگر بحکم الٰہی تھے تو مابہ الفرق تبلایئے اہل حل وعقد سے پیشتر تو آپ کو قتال ونزاع حرام ہو جائے اور بعد بیعت اہل حل وعقد حلال بلکہ واجب ہو یہ تفرقہ سراسر خلاف عقل ہے اور نیز امام حسین رضی اللہ عنہ کا نزاع و قتال بھی بموجب اس قاعدہ مخترعہ کے حرام اور خلاف امر الٰہی ہوتا ہے پس اس جواب کی صورت میں حضرات متشیعین کو دو اماموں کی طرف سے مصیبت پیش آتی ہے اور کھاتے سے نکل کر کوئیں میں گرنے کی مثل صادق آتی ہے بہر حال یہ وُہ عجیب وغریب خطبہ ہے جس کے جواب سے حضرات متشیعین کو قیامت تک بھی سبکدوشی ناممکن ہے اور حق تعالےٰ شانہ نے یہ استدلال اور نیز اسی قسم کے دُوسرے استدلال جو اس رسالہ اور نیز ہدایات الرشید میں ہدیہ ناظرین کر چکا ہوں بطفیل حضرت مخدوم العالم سیدی ومولائی مولانا رشید احمد صاحب دامت برکاتہم خاص اس عبد ضعیف پر ہی منکشف فرمائے ہیں اُس سے پیشتر کہیں نظر سے نہیں گزرے۔ و للہ الحمد علی ما الھم وعلم۔

چوتھی دلیل جناب امیرؓ نے صحابہؓ کے ایمان و اخلاص کی مدح فرمائی ہے

ازاں جملہ آپ کا یہ کلام مبارک[1] ہے۔

ومن کلام له علیه السلام ولقد کنا مع رسُول الله صلی الله علیه وسلم نقتل آباءنا وابناءنا واخواننا واعمامنا ما یزیدنا ذلك الا ایمانا وتسلیما مضیا علی اللقم وصبرا علی مضض الالم وجداً فی جهاد العدو ولقد کان الرجل منا والاخر من عدونا یتصاولان تصاول

[1] نہج البلاغت ۱۲۹/۱۳۰ جلد ۱ طبع جدید مطبوعہ بیروت ۱۲ شیر محمد علوی غفرلہٗ

الفحلین یتخالسان انفسهما ایهما یسقی صاحبه کاس المنون فمرة لنا من عدونا ومرة لعدونا منا فلما رای الله صدقنا انزل بعدونا الکبت وانزل علینا النصر حتی استقر الاسلام ملقیا جرانه ومتبوء اوطانه ولعمری لو کنا ناتی ما اتیتم ما قام للدین عمود ولا اخضر للایمان عود وایم الله لتحتلبنها دما ولتتبعنها ندما انتهی بلفظه الشریف۔

اور آپ کے کلام میں سے ہے۔ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اپنے باپ اور بیٹوں اور بھائیوں اور چچوں کو قتل کرتے تھے اور یہ ہم کو ایمان اور تسلیم اور راہ روی اور الم وتکلیف پر صبر اور دشمن کے جہاد میں کوشش کو ہی بڑھاتا تھا اور ایک شخص ہم میں سے اور دوسرا ہمارے دشمنوں میں سے باہم نرستکی طرح حملہ کرتے تھے اور حیات کو چھینا چاہتے تھے کہ ایک دُوسرے کو موت کا پیالہ پلا دے پس کبھی ہم اپنے دشمن پر غالب ہوتے اور گاہ وہ ہم پر غالب ہو جاتے تھے۔ پھر جب اللہ نے ہمارا سچ دیکھ لیا تو ہمارے دشمن پر خواری بھیجی اور ہم پر امداد نازل فرمائی یہاں تک کہ شتر اسلام نے اپنا سینہ ٹھہرا کر اور اپنے وطن میں ٹھہر کر قرار پکڑا اور مجھ کو اپنی زندگانی کی قسم اگر ہم کرتے جو تم نے کیا تو دین کا ستون قائم نہ ہوتا اور ایمان کی لکڑی سرسبز نہ ہوتی اور بخدا تم اپنے اعمال کا برا نتیجہ دیکھو گے اور پھر پشیمان ہو گے۔ (ترجمہ از مولانا عاشق الٰہی میرٹھیؒ)

جناب امیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس خطبہ میں فصیح وبلیغ الفاظ کے

ساتھ اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایمان اور صدق اور اخلاص اور
جہاد دشمنان کی مدح فرمائی اور اپنے اصحاب کو فرمایا کہ تم ان کی سیرت اور طریقہ پر
نہیں ہو۔ ان کے صدق و اخلاص کی وجہ سے خدائے تعالیٰ نے اس قدر امداد
نازل فرمائی کہ شترِ اسلام نے اپنا سینہ ٹھہرا کر قرار پکڑا اور اپنے وطن میں جگہ پکڑی
اگر صحابہ بھی ایسا ہی کرتے جو تم نے کیا تو دین کا ستون قائم نہ ہوتا اور ایمان کی
شاخ سرسبز نہ ہوتی ظاہر ہے کہ ضمائر جمع متکلم سے مراد صرف نفس نفیس حضرت رضی اللہ
عنہ یا اور چند رجال اہلبیت نہیں ہیں بلکہ تمام صحابہ ہیں جن کے صدق و اخلاص پر
کتاب اللہ اور احادیث رسول اللہ اور خطبات امیر شاہد ہیں چنانچہ شارح ابن میثم
کہتا ہے ۔ قولہ ولقد کنا بیان لفضلہ وکیفیۃ صیغہ ھو وسائر الصحابۃ
فی الجہاد بین یدی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لغرض قیام الاسلام
وظہور امر اللہ اور جب وہ ایسے صدیقین اور مخلصین تھے کہ حق تعالے
علیم وخبیر نے ان کے صدق و اخلاص کی بدولت اسلام کو عالم میں جاگزین فرما دیا اور
دین کا ستون قائم کر دیا اور ایمان کی شاخ سرسبز وشادات فرما دی تو ایسی حالت میں
بعد ف حکم کتاب اللہ اور احادیث رسول اللہ اور خطبات حضرت کرم اللہ وجہہ
عقل سلیم اور فکر مستقیم کیونکر یقین کر سکتی ہیں کہ ایسے ممدوحان کبریا کا اسلام
خد[illegible]ن ونفاق آمیز ہوا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رحلت فرماتے ہی دین سے
مرتد ہو گئے ہوں اور حق نفس رسول کا امامت وخلافت غیر مستحق کے دینے پر
[illegible]ئی ہو گئے ہوں اور اہل بیت رسالت پر ظلم اور زیادتیاں کی ہوں اور دشمنان
[illegible] سیدہ رضی کی بے حرمتی کی ہو اور نواسی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو چھین کر سالہا
سال تک [illegible] تصرف میں رکھا ہو اگر بالفرض یہ باتیں صحیح ہوں جیسا حضرات شیعہ کا
زعم ہے تو کتاب اللہ اور احادیث رسول اللہ اور خطبات جناب امیر کذب محض اور

دوزخ قبیح ہوں کیونکہ جب وہ ایسے بددین اور دشمنانِ اسلام ہوں تو خدا تعالے
کا نصرت وامداد نازل فرمانا اور اسلام کا جمنا اور جاگزین ہونا اور دین کے ستون
کا قائم ہونا اور ایمان کی شاخ کا سرسبز ہونا اور صحابہ کا اپنے آباء اور ابناء اور اعمام
کو ایماناً وتسلیماً قتل کرنا بالکل لغو اور غلط ہوگا۔

پس خدا کے لئے حضرات شیعہ ذرا تو انصاف سے فرمائیں کہ وہ کونسا اسلام
ہے جس کے درہم وبرہم ہونے کی وجہ سے حضرت نے سکوت فرمایا تھا کیا وہی ہے
جو اس وقت عالم میں حسب وعدہ صادقہ لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ تمام ادیان پر
غالب ہے یا وہ دین تشیع ہے جو قیامت تک سرداب تقیہ میں مخفی رہا اور رہیگا
اور جس کے بموجب نہ خدا تعالیٰ کی خدائی اور نہ رسول کی رسالت اور نہ ائمہ کی امامت
اور نہ قرآن کی قرآنیت باقی رہ سکتی ہے ۔

پانچویں دلیل خلفائے ثلاثہ راشد اور برحق تھے۔

از انجملہ آپ کا یہ کلام ہے۔ ومن کلام لہ[1] لما عزموا
علی بیعۃ عثمان لقد علمتم انی احق الناس بہا من غیری
واللہ لاسلمن ماسلمت امور المسلمین ولم یکن فیہا جور الا علی خاصۃ
التماسا لاجر ذلک وفضلہ زہدا فیما تنافستموہ من زخرفہ وزبرجہ ۔ حاصل مطلب
کلام یہ ہے کہ تم جانتے ہو کہ میں بنسبت غیر کے خلافت کے لئے زیادہ مستحق ہوں باوجود
اس کے تم نے غیر کو خلیفہ بنایا۔ واللہ میں اس خلافت کو قبول کروں گا اور چون وچرا نہ
کروں گا جب تک مسلمانوں کے معاملات ٹھیک ٹھیک موافق قواعد شرعیہ عدل وانصاف
کے ساتھ رہیں گے اور بجز میرے نفس خاص کے اس میں کسی دوسرے پر جور وظلم نہ
ہوگا اس کے اجر کی خواہش اور اس کے زیب وزینت میں تم نے حرص کی ہے اس
میں بے خواہشی اور بے رغبتی کی غرض سے اس کلام میں حضرت نے اپنے آپ کو
بہ نسبت دوسروں کے احق فرمایا اور ظاہر ہے طفل کافیہ خواں بھی جانتا ہے کہ اہل تفضیل

[1] نہج البلاغۃ ص۱۵۳ ج ۱ طبع جدید مطبوعہ بیروت ۱۲ شیر محمد علوی غفرلہ

باعتبار اصل وضع علی الخصوص جبکہ لفظ من کے ساتھ مستعمل ہو نفس فعل کے ثبوت کو مفضل علیہ میں اور زیادتی کو مفضل میں مقتضی ہے تو اس سے یہ ثابت ہوا کہ آپ کے غیر بھی حقیق بالخلافۃ ہیں اور شارح نہج البلاغت ابن میثم بحرانی نے اس کی شرح میں استحقاق خلافت اغیار نہایت وضاحت اور صفائی کے ساتھ ثابت فرمایا چنانچہ فرماتے ہیں۔

قولہ واللہ لاسلمن ما سلمت امور المسلمین ای لاترکن المنافسۃ فی ھذا الامر مھما سلمت امور المسلمین من الفتنۃ وفیہ اشارۃ الی ان غرضہ علیہ السلام من المنافسۃ فی ھذا الامر ھو صلاح حال المسلمین استقامۃ امورھم وسلامتھم عن الفتن وقد کان لھو ممن سلف من الخلفاء قبلہ استقامۃ امر وان کانت لایبلغ عندہ کمال استقامتھا لو ولی ھو ھذا الامر فلذلک اقسم لیسلمن ذلک الامر ولاینازع فیہ اذ لو نازع فیہ لثارت الفتنۃ بین المسلمین وانشقت عصا الاسلام وذلک ضد مطلوب الشارع وانما یتعین علیہ النزاع عند خوف الفتنۃ رتیامھا۔

قولہ۔ بخدا میں تسلیم کروں گا جب تک مسلمانوں کے حقوق سلامت رہینگے یعنی میں خلافت خلفاء کو تسلیم کروں گا اور میں رغبت نہ کرونگا جب تک مسلمانوں کے حقوق و معاملات سلامت رہیں گے اور کلام میں اس طرف اشارہ ہے کہ آپ کی خلافت میں رغبت کرنے سے غرض صرف مسلمانوں کے حال کی درستی اور ان کے معاملات کی راستی اور فتنوں سے ان کی

حفاظت ہے اور بیشک خلفاء پیشین کو خلافت کی راس اور درستی حاصل تھی اگرچہ آپ کے نزدیک کمال استقامت آپ کی برابر، اگر آپ خود متولی خلافت ہوتے ان کو حاصل نہ ہوا اس لئے آپ نے بقسم فرمایا کہ ان خلفاء کو تسلیم کریں گے اور ان میں چون و چرا نہ کریں گے۔ کیونکہ اگر آپ اس میں جھگڑا کریں گے تو مسلمانوں میں فتنے اٹھیں گے اور مسلمانوں میں تفریق ہو جائے گی اور یہ مطلب شارع کے مخالف ہے اور آپ کے نزدیک نزاع صرف اسی وقت ہے جب فتنوں کا خوف ہو یا فتنے قائم ہوں۔

(ترجمہ از حضرت مولانا عاشق الٰہی میرٹھیؒ)

اس عبارت سے واضح ہے کہ دیگر خلفاء حقیق بالخلافت تھے اور استقامت امر ان کو حاصل تھا گو بزعم حضرت کمال استقامت نہ ہوا اور واقعات زمانہ خلافت شاہد عدل موجود ہیں کہ جس قدر اقامت امور خلفاء کو تھا حضرت کو ہرگز نصیب نہ ہوا تو اس عبارت سے بعبارت النص زیادتی استحقاق خلافت حضرت کے لئے اور نفس استحقاق خلافت غیروں کے لئے ثابت ہوا۔ دوسرے جب زیادتی استحقاق اور نفس استحقاق ثابت ہوئے تو اس سے واضح ہوگیا کہ بالفعل کوئی خلیفہ نہیں ہے بلکہ فعلیت خلافت کا مدار کسی اور امر پر ہے اور اس کو یہاں بالتصریح اول تو بوجہ ظہور کے بیان نہیں فرمایا اور دوسرے آپنے اس کو بصراحۃ دوسرے خطبات میں ظاہر کیا۔ چنانچہ ارشاد ہے وانما الشوریٰ للمھاجرین والانصار[1] اور یہاں بھی وہ امر چونکہ عاقل فہیم پر بوجہ ظہور قرآن مخفی نہ تھا اس لئے تصریح کرنے کی ضرورت نہ ہوئی۔

قرینہ اول یہ ہے کہ بیعت عثمان رض کے وقت اس کلام کا اہل حل و عقد خواص اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کر کے فرمانا اس پر دلیل ہے کہ فعلیت خلافت کا مدار بیعت اہل حل و عقد پر ہے اور بالفعل خلیفہ بنانے والے یہ حضرات ہیں

[1] نہج البلاغۃ [illegible] طبع جدید مطبوعہ بیروت ۱۲ خادم اہل سنت الاحقر شیر محمد علوی غفرلہ

جس مستحق کو یہ حضرات خلیفہ بنائیں گے وہ بالفعل خلیفہ ہو جائے گا اور جس کے ہاتھ پر بیعت کریں گے وہی خلیفہ حق کہلائے گا۔ احقیت یا استحقاق خلافت فعلیت خلافت کے لئے کچھ قابل اعتبار نہیں۔ دوسرا قرینہ یہ ہے کہ حضرت کا یہ جملہ واللہ لاسلمن ماسلمت امور المسلمین موکد بہ قسم صریح فرمانا بدلالت واضحہ ثابت کرتا ہے کہ اہل حل وعقد جب عثمانؓ سے بیعت کر کے اُن کو خلیفہ بنا دیں گے تو اُن کی خلافت حق ثابت ہوگی اور میں اُس کو تسلیم کروں گا اور اُس میں چون وچرا نہ کروں گا۔ بشرطیکہ امور مسلمین سلامت رہیں گے اور اُس میں بجز میرے کسی پر جور نہ ہوگا تو فعلیت خلافت کا مدار اہل حل وعقد کی بیعت پر ہوا اور بدون بیعت اہل حل وعقد فعلیت خلافت باطل ہوئی اور نیز تسلیم اور عدم انکار امام معصوم بالبداہت مثبت حقیقت خلافت ہے۔

پس ثابت ہوا کہ خلافت عثمانی کے زمانہ تک جناب امیرؓ خلیفہ بالفعل نہیں تھے۔ گو بموجب اپنے گمان اور رائے کے حضرت عثمانؓ کی بہ نسبت احق بالخلافت ہوں لیکن شیخین رضی اللہ عنہما کی نسبت تو یہ وسوسہ بھی دل میں نہیں گزرا اور احقیت بالخلافت کا خیال بھی نہیں آیا چنانچہ اس خطبہ کی شرح میں علامہ ابن میثم جو کچھ لکھتے ہیں اُس سے بخوبی ثابت ہے اُس کی عبارت ہم آئندہ نقل کریں گے۔

باقی رہی یہ بات کہ آپ نے یہ وعدہ موکد بہ قسم پورا فرمایا یا نہیں پس حضرات شیعہ کے مذہب کے مطابق حضرت نے یہ وعدہ ہرگز پورا نہیں فرمایا، بلکہ خلاف وعدگی فرمائی اور سخت جھوٹ بولا کیونکہ آپ نے قسم شدید کھا کر یہ فرمایا تھا کہ بجز میرے نفس خاص کے اگر کسی دوسرے پر جور وظلم نہ ہوا تو میں اس خلافت کو تسلیم کرونگا اور باجماع شیعہ ثابت ہے کہ اس خلافت میں صدہا بلکہ ہزارہا اہل ایمان کے حقوق غصب ہوئے اور صدہا پہ جور وظلم ہوا۔ چنانچہ اوّل غصب خلافت ہی تمام اسلام اور اہل اسلام کی حق تلفی اور اُن پر ظلم ہے غصب خلافت کو خاص جناب امیرؓ کے

نفس نفیس پر ظلم کہنا سراسر غلط اور خلاف عقل ونقل ہے ورنہ پھر تمام شیعہ کی تبراگوئی اور نوحہ خوانی کی کوئی وجہ نہیں پھر محقق طوسی اپنی تجرید میں لکھتے ہیں۔

ولی عثمان من ظهر فسقه حتی احدثوا فی المسلمین ما احدثوا ووقع منه اشیاء منکرة فی حق الصحابة فضرب ابن مسعود حتی مات واحرق مصحفه وضرب عمارا حتی اصابه فتق وضرب اباذر ونفاه الی الربذة واسقط القود عن ابن عمر واسقط الحد عن الولید مع وجوبهما۔

عثمان نے ایسے لوگوں کو حاکم بنایا جن کا فسق ظاہر تھا اُس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اُنہوں نے مسلمانوں میں بری باتیں پیدا کیں اور صحابہ کے حق میں عثمان سے ناشایاں حرکتیں سرزد ہوئیں ابن مسعود کو اتنا مارا کہ مر گئے اور اُن کا قرآن جلا دیا اور عمار کو اس قدر مارا کہ اُن کو فتق کی بیماری ہو گئی اور ابوذر کو مارا اور ربذہ کی جانب جلا وطن کر دیا اور ابن عمر سے قصاص واجب اور ولید سے حد لازم کو ساقط کر دیا۔ (ترجمہ از مولانا میرٹھی)

اس سے ثابت ہے کہ حضرات شیعہ کے نزدیک خلافت عثمانی میں صحابہ پر جور وظلم ہوئے بلکہ تینوں خلافتوں میں ہزارہا مسلمانوں کے حقوق تلف ہوئے اور ہزارہا مسلمانوں پر ظلم ہوئے اور نیز باجماع حضرات شیعہ بلکہ باتفاق فریقین ثابت ہے کہ جناب امیرؓ نے تینوں خلافتوں کو تسلیم فرمایا اور منازعت نہیں کی بلکہ نیک مشوروں سے امداد فرماتے رہے۔ چنانچہ خطبات نہج البلاغت سے یہ امر واقف پر مخفی نہیں ہے پس جب یہ دونوں امر ثابت ہو گئے تو بروئے مذہب تشیع وولا ثابت ہوا کہ حضرت افضل الائمہ نفس رسول امام معصوم نے قسم کھا کر

دروغ فرمایا جزاکم اللہ خوب اپنے امام کی قدر فرمائی اور اہل سنت کے مذہب کے موافق حضرت نے اپنا وعدہ پورا فرمایا اور جو کچھ فرمایا تھا اُس کو سچ کر دکھلایا اور وجہ یہ کہ بروئے مذہب حق زمانہ خلافت ہائے ثلاثہ میں امور مسلمین علی وجہ الکمال استقامت و اعتدال پر رہے اور کسی پر اُن میں ظلم و جور نہیں ہوا اور نہ کسی کی حق تلفی ہوئی کیونکہ خلافت راشدہ علی منہاج النبوۃ تھی کیونکر ممکن تھا کہ منہاج النبوت سے اُن میں سرمو فرق آنے پاتا اس وجہ سے جناب امیرؓ نے اُن میں ذرا بھی چون وچرا نہ فرمائی اگر اُن میں طریق نبوت سے ذرا بھی اعوجاج و انحراف ہوتا تو ہرگز حضرت سکوت نہ فرماتے اور کسی سے ذرا بھی نہ ڈرتے اور نہ تقیہ فرماتے چہ جائیکہ جھوٹی پڑنگ مارتے اور خلاف و عدگی کرتے پس اس خطبہ کی عبارت سے جناب امیر کا بالفعل خلیفہ نہ ہونا دو وجہ سے ثابت ہوا اوّل تو لفظا حقیت سے دوسرے آپ کے سکوت اور تسلیم سے چنانچہ عرض ہو چکا پس ثابت ہوا کہ زمانہ خلافت عثمانی تک جناب امیرؓ امام بالفعل اور خلیفہ نہیں تھے اور سہ خلفاء رضی اللہ عنہم خلیفہ راشد اور امام برحق تھے شارح ابن میثم نے اس کلام کی شرح میں دو اعتراض کرکے دونوں کا جواب دیا ہے چونکہ ہمارے مفید مطلب ہے لہذا ہم اس کو بھی نقل کرکے ناظرین حق پسند کو فوائد پر مطلع اور متنبہ کرتے ہیں۔

فان قلت السؤال من وجهين الاول ما وجه منافسته في
هذا الامر مع انه منصب متعلق بامور الدنيا وصلاحها
مع ما اشتهر عنه من الزهد فيها والاعراض عنها
وذمها ورفضها الثاني كيف سكت فيها خوف الفتنة
ولم يسكت في معاوية وطلحة والزبير حتى قيام الفتنة
في مدة خلافته قلت الجواب عن الاول ان منصب رسول الله

ليس منصبا دنياويا وان كان متعلقا باصلاح احوال الدنيا لكن لا لكونها دنيا بل لانها مضمار الاخرة ومزرعتها والغرض من اصلاحها انما نظام احوال الخلق في معاشهم ومعادهم فمنافسته في هذا الامر على هذا الوجه من الامور المندوب اليها اذا علم ان غيره لا يغني غناءه في القيام به فضلا ان يقال انها لا يجوز وعن الثاني ان الفرق بين الخلفاء الثلثة وبين معوية في اقامة حدود الله والعمل بمقتضى اوامره ونواهيه ظاهر انتهى۔ پہلے اعتراض کا خلاصہ یہ ہے کہ آپ کو خلافت میں حرص اور رغبت کرنے کی کیا وجہ تھی۔ خلافت تو ایک دنیاوی منصب ہے جو دنیاوی امور کی اصلاح کے متعلق ہے حالانکہ دُنیا سے آپ کی بے رغبتی اور روگردانی اور اُس کی مذمت اور ترک مشہور ہے۔ اِس کا جواب یہ دیا کہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا منصب ہے اور آپ کا منصب کوئی دنیاوی منصب نہیں ہے اگرچہ اصلاح امور دنیا کے متعلق ہے مگر اس وجہ سے کہ دنیا مزرعہ آخرت ہے اور اس کی اصلاح سے غرض مخلوق کی معاش و معاد کا انتظام ہے اس سوال و جواب سے ظاہر ہے کہ حضرت نے امر خلافت کے حاصل ہونے کی حرص و رغبت فرمائی گو کسی وجہ سے کیوں نہ ہو اور حرص اُسی امر کی جاتی ہے جس کا حصول نہ ہوا ہو بلکہ متوقع الحصول ہو پس ثابت ہوا کہ خلافت آپ کو بالفعل حاصل نہ تھی بلکہ متوقع تھے کہ اگر بیعت اہل حل و عقد آپ کے ساتھ واقع ہوتی تو آپ کو خلافت حاصل ہوتی دوسرے سوال و جواب کا حاصل یہ ہے کہ حضرت نے فتنہ کے خوف سے خلفا ثلثہؓ کے زمانہ میں تو اُن کی خلافت کو تسلیم کیا اور ترک منازعت فرمائی اور امیر معاویہؓ اور طلحہؓ و زبیرؓ کے مقابلہ میں باوجود قیام فتنہ سکوت نہ فرمایا اور آمادہ پیکار و کارزار ہو گئے۔ اِس کا جواب یہ دیا کہ ابوبکرؓ و عمرؓ و عثمانؓ اور

معٰویہؓ کے درمیان اقامہ حدود اللہ اور اوامر و نواہی خداوندی کے مقتضی کی موافق عمل کرنے میں فرق ظاہر اور بدیہی ہے کہ ابوبکرؓ و عمرؓ و عثمانؓ کے یہاں اقامت حدود اللہ میں سرمو مداہنت اور کوتاہی نہ ہوتی تھی اور پاسداری کا شائبہ بھی نہ ہوتا تھا اور اوامر و نواہی کی بجا آوری میں کمر ہمت چست باندھ رکھی تھی اُس میں ذرا بھی انحراف نہ ہونے پاتا تھا بخلاف امیر معٰویہؓ کے کہ اُن کے یہاں نہ کامل طور پر اقامت حدود اللہ تھا اور نہ بجا آوری اوامر و نواہی تھی۔ لہٰذا آپ نے امیر معٰویہؓ سے قتال کیا اور ابوبکرؓ و عمرؓ و عثمانؓ سے قتال نہ فرمایا بلکہ اُن کی خلافتوں کو تسلیم کر لیا۔

اِس جواب کے صحیح و غلط ہونے کی نسبت تو ہم بعد میں عرض کریں گے اس وقت صرف اِس قدر عرض کرتے ہیں کہ یہ جواب ہمارے مفید مطلب اور مثبت مدعا ہے اور حضرات شیعہ کے مفسد مذہب اور مخرب مدعا ہے علامہ نے بہت کچھ زور لگایا اور داؤ پیچ کھیلا پر کچھ کام نہ چلا اِس جواب سے صاف یہ ثابت ہُوا کہ ابوبکر و عمر و عثمان رضی اللہ عنہم امام حق اور خلیفہ راشد تھے اور ان کی خلافتیں علی منہاج النبوّت تھیں۔ انہوں نے امتثال اوامر و نواہی اور اقامت حدود اللہ میں کوتاہی نہیں فرمائی اور فرائض منصبی خلافت کو کما ینبغی ادا کیا اور نیز یہ بھی ثابت ہو گیا کہ جو کچھ تودہ تودہ مطاعن خلفاء ثلثہ جور و ظلم وغیرہ امور کے متعلق شیعہ اپنی دینی کتابوں میں نقل فرماتے ہیں محض کذب و زور اور دروغ بے فروغ ہے ہم علامہ کو اُن کی اس حق گوئی پر آفرین اور شاباش کہتے ہیں اور داد دیتے ہیں۔ اگرچہ دبی زبان سے ہی فرما رہے ہیں لیکن اس میں ہم اُن کو معذور سمجھتے ہیں۔

اب اگر اس جواب کو اس کے دوسرے رُخ سے پلٹ کر دیکھا جاوے

تو یہ جواب بالکل غلط اور ملمع کاری ہے اوّل تو علامہ کا یہ دعوٰے کہ ابوبکرؓ و عمرؓ و عثمانؓ اور امیر معٰویہؓ کے درمیان باعتبار اقامت حدود اللہ اور امتثال اوامر و نواہی کے فرق بدیہی ہے صرف علامہ کی خیالی پلاؤ ہے علامہ یا علامہ کے ہم خیال کسی مذہبی دلیل سے تو ثابت کر دکھائیں کہ ابوبکرؓ و عمرؓ و عثمانؓ اور معٰویہؓ میں باعتبار اقامت حدود اللہ اور امتثال اوامر و نواہی فرق ہے اُس کی بداہت کا غلط دعوٰے تو کر گئے پر یہ خیال نہ کیا کہ اگر کوئی گھر کا بھیدی گلوگیر ہُوا تو کیا جواب ہوگا۔ کیا علامہ کی نظر اُن مظالم تک نہیں پہنچی جو جناب فاطمہ اور دیگر اہل بیت نبوت اور صحابہ متشیعین پر سہ خلافتوں کے زمانہ میں نازل ہوئے کیا واقعی علامہ کے کان اُن مالا یطاق مظالم سے بالکل ناآشنا ہیں۔ سچ پوچھو تو امیر معٰویہؓ کے تمام عمر کے مظالم اُن کے مظالم میں سے ایک ظلم کی برابر بھی نہیں ہو سکتے کبھی امیر معٰویہؓ نے بنت رسول اللہ کو ظلماً غصب کیا، کبھی جناب فاطمہ کے پہلو پر ضرب کا صدمہ پہنچایا یا گھر جلایا یا تہمتیں لگائیں۔ کوئی ایسا فعل کیا ہے اور اگر انصاف سے نظر کی جائے تو امیر معٰویہؓ مع اپنے تمام اعمال کے بروئے مذہب شیعہ حسنۃ من حسنا تہم ہیں کیونکہ امیر معٰویہؓ کو کس نے امیر شام مقرر کیا اور کس نے اُن کو قدرت اور مکنت عطا فرمائی پھر باایں ہمہ بمقابلہ امیر معٰویہؓ خلفاء کی مدح کرنا اور امیر معٰویہؓ میں قدح کرنا صرف عقل و انصاف سے ہی روگردانی نہیں ہے بلکہ اپنی مذہبی روایات کو بھی پس پشت ڈالنا ہے علاوہ ازیں ہم علامہ کے اولیائے پوچھتے ہیں کہ سوال تو یہ تھا کہ ابوبکرؓ و عمرؓ و عثمانؓ کے تو آپ بخوف فتنہ گلوگیر نہ ہوئے اور امیر معٰویہؓ اور طلحہؓ و زبیرؓ کے ساتھ باوجود قیام فتنہ گلوگیر ہوئے اور جواب میں صرف امیر معٰویہؓ میں اور ابوبکرؓ و عمرؓ و عثمانؓ میں فرق بیان فرمایا صرف اس فرق سے وہ اعتراض جو طلحہؓ و زبیرؓ کے بارہ میں واقع ہُوا تھا کیونکر رفع ہو گیا پس اصل یہ ہے کہ علامہ کو بروئے اپنے مذہب کے اس سخت اعتراض کا جواب نہیں آیا لہٰذا اُس کو ٹال گئے

اور وجہ یہ کہ طلحہؓ و زبیرؓ سے غصب خلافت واقع نہیں ہوئی حکومت اُن کے ہاتھ میں نہیں آئی امت کی سیاست اُن کے تفویض نہیں ہوئی بجز اپنے نفس یا اپنے اہل کے کسی کے حاکم نہیں ہوئے دوسروں کے زیر حکومت مثل دیگر صحابہ رہے تو ابوبکرؓ عمرؓ و عثمانؓ کے ساتھ اُن کا کیونکر علامہ تقابل کر سکتے تھے۔ یہ بھی علامہ کی چالاکی ہے جب دیکھا کہ یہاں کسی توجیہ کے ناخن سے اعتراض کی گُتھی نہیں کھل سکتی تو ٹال گئے مگر یہ خیال نہ کیا سے

خوردہ بینا نند در عالم کسے　　　واقف انداز کار و بار ہر کسے

واقعہ یہ ہے کہ اس اعتراض کا جواب باعتبار مذہب شیعہ محال ہے اور بلا اختیار مذہب اہل سنت ناممکن چنانچہ ہم نے جواب کے دونوں رخوں کو ظاہر کر دکھایا۔ اب بھی علماء شیعہ میں سے کسی کو حوصلہ و ہمت ہو تو مرد میدان بنے اور جواب دہی کے لئے تیار ہو جائے دافی لکھے اور مذہب حق پر اس کا جواب نہایت سہل ہے بلکہ اعتراض ہی واقع نہیں ہوتا کیونکہ ابوبکرؓ و عمرؓ و عثمانؓ خلیفہ راشد اور امام حق تھے۔ اُن کی خلافت کو تسلیم فرمایا اور طلحہ و زبیر اور امیر معاویہؓ نے بغاوت کی اُن سے قتال فرمایا اس کے بموجب جناب امیر کی حقانیت و عظمت میں بھی فرق نہیں آتا اور ہر ایک ذی حق اپنے حق کو پہنچ جاتا ہے اور یہ ہی حقانیت مذہب کی دلیل ہے و الحمد للہ علی احقاق الحق وابطال الباطل بلسان القرآن الناطق۔

چھٹی دلیل خلافت ثالی نبوت نہیں ہے

ازاں جملہ آپ کا یہ خطبہ[1] ہے ومن خطبۃ لہ علیہ السلام لما ارید علی البیعۃ بعد قتل عثمان دعونی والتمسوا غیری فانا مستقبلون امرا لہ وجوہ والوان لا تقوم لہ القلوب ولا تثبت علیہ العقول وان الآفاق قد اغامت والمحجۃ قد تنکرت واعلموا انی ان اجبتکم رکبت بکم ما اعلم ولم اصغ الی قول القائل وعتب العاتب

[1] نہج البلاغۃ ص۲۲۸ ج ۱ طبع جدید مطبوعہ بیروت ۱۲ ارشید محمد علوی غفرلہ

وان ترکتمونی فانا کاحدکم ولعلی اسمعکم واطوعکم لمن ولیتموہ امرکم وانا لکم وزیرا خیر لکم منی امیرا یہ خطبہ آپ نے اُس وقت فرمایا جبکہ بعد قتل عثمانؓ کے آپ کی بیعت میں داخل ہونے کی درخواست کی گئی۔ حاصل یہ کہ آپ نے اُس وقت بیعت کرنے والوں کو فرمایا مجھ کو چھوڑ دو اور (اس کام کے لئے) کوئی دوسرا ڈھونڈھو کیونکہ ہم ایسے امر کی طرف متوجہ ہیں جس کے رُخ مختلف اور رنگ جدا جدا ہیں نہ دل اُس کو سنبھال سکتے ہیں اور نہ عقول اُس پر ثابت قدم رہ سکتی ہیں اور تحقیق عالم تاریک ہو گیا اور شاہراہ متغیر ہو گیا اور تم کو معلوم رہے کہ اگر میں تمہاری درخواست بیعت کو قبول کروں گا تو تم کو اُس راستہ پر سوار کر دوں گا جس کو میں پہچانتا ہوں اور کسی قائل کے قول اور شاکی کی شکایت کی طرف متوجہ نہ ہوں گا اور شاید میں اُس کا جس کو تم اپنا امیر بناؤ تم سے زیادہ حکم سننے والا اور زیادہ اطاعت کرنے والا ہوں اور اس سے کہ میں تمہارا امیر بنوں تمہارے لئے یہ بہتر ہے کہ تمہارا وزیر و مشیر رہوں اور میرا تمہارے اوپر امیر بننے سے تمہارے لئے تمہارا وزیر ہونا زیادہ بہتر ہے۔ چونکہ جناب امیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ جانتے تھے کہ بعد وفات جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خلافت راشدہ میں اوّل زمانہ خیر و برکت کا ہے اُس زمانہ میں جس کو تاج خلافت نصیب ہوگا وہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مہمات نبوت اور اشاعت دین میں جارحہ ہوگا اور ہزاراں ہزار کفار کا ربقہ اسلام اور ہزاراں ہزار بلدان کفر کا دار الاسلام میں داخل ہونا اُس کے نامۂ اعمال میں درج ہوگا اس لئے ابتداءً جناب امیر کو بجانب خلافت منافسہ اور استشراف تھا اور چاہتے تھے کہ خلافت جس کے منافع اس قدر بیشمار خارج از حد احصاء و احصار ہیں مجھ کو حاصل ہو جائے چنانچہ ابحاث سابقہ میں اس کی طرف اشارہ ہو چکا ہے لیکن چونکہ مقدر نہ تھی اور کاتب ازل دوسروں کی تقدیر میں اُس نعمت

کو لکھ چکا تھا لہٰذا آپ اُس سے محروم رہے۔ اب جبکہ وہ وقت گزر گیا اور مہات خلافت سرانجام ہو چکے بحکم ہر کمالے را زوالے وہ وقت آگیا کہ فتنوں کا دروازہ کھلے اور باہمی قتل و قتال کی آگ مشتعل ہو اور امام کو اہل قبلہ کے قتال میں مشغول ہونا پڑے اس وقت اہل حل و عقد نے آپ کو امام وقت بنانا چاہا اور آپ کے ہاتھ پر بیعت کا ارادہ کیا چونکہ آپ اس کو بھی جانتے تھے کہ وہ وقت خیر و برکت کا مقتضی اور زمانہ صلاحیت و خیریت کا منقرض ہو گیا ہے تو اس لئے آپ نے بیعت سے انکار فرمایا اور صاف فرمایا کہ مجھ کو اس کام سے معاف رکھو اور مجھ کو چھوڑ دو اور کسی دوسرے کو اس کام کے لئے تلاش کرو اور وجہ یہ فرمائی کہ وجہ یہ ہے کہ امر پیش آئندہ کو نہ دل متحمل ہو سکتے ہیں اور نہ عقل اس پر ثابت قدم رہ سکتی ہے کیونکہ عالم تاریک ہو گیا اور شاہراہ اوپرا ہو گیا۔ اس کلام سے ہر عاقل منصف سمجھ سکتا ہے کہ جناب امیرؑ کو اس کلام سے واقعی انکار مقصود تھا یہ نہیں تھا کہ آپ کے دل میں تو بیعت کی حرص و رغبت تھی اور بظاہر بطریق تکلف و تصنع انکار فرما رہے تھے جیسا کہ شارح ابن میثم کا گمان ہے کہ لوگوں کو پختہ کرنے کی غرض سے بطور تکلف یہ کلمات آپ نے فرمائے تھے۔ بہرکیف خواہ ہماری تحقیق صحیح ہو یا علامہ ابن میثم کا خیال ہر دو صورت میں ہمارا مدعا ثابت ہے تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ باجماع اثنا عشریہ ثابت ہے کہ خلافت تالی نبوت ہے خلافت اور نبوت میں کوئی فرق نہیں مگر صرف اطلاق اسم نبوت اور نزول وحی میں۔ چنانچہ شیعہ ... نے اپنی مجالس میں اس کی تصریح کر دی ہے اور نیز اصول کافی کی روایت سے بھی ثابت ہے کہ امامت و رسالت میں تھوڑا ہی فرق ہے۔ روی بسندہٖ عن محمد بن مسلم قال سمعت ابا عبد اللہ یقول الائمۃ بمنزلۃ رسول اللہ الا انھم لیسوا بانبیاء ولا یحل لھم من النساء ما یحل للنبی فاما ما خلا ذالک فھم بمنزلۃ رسول اللہ

لہ اصول کافی صفحہ ... جلد ا کتاب الحجۃ طبع جدید مطبوعہ طہران ۱۳۸۸ھ ۱۲ از علوی غفرلہٗ

اور نیز باتفاق فریقین ثابت ہے کہ رد رسالت جائز نہیں تو رد خلافت بھی جائز نہ ہوگا اور جناب امیر کے اس کلام میں دونوں تقادیر پر بالتصریح رد خلافت ثابت ہے کہ جب آپ کو خلیفہ بنانا چاہا تو آپ نے فرمایا کہ مجھ کو چھوڑ دو اور کسی دوسرے کو خلافت کے لئے ڈھونڈو سو یہ صریح رد خلافت ہے خواہ یہ کلام آپ نے واقعی طور پر فرمایا ہو جیسا کہ ہم کہتے ہیں یا لوگوں کی ترغیب کے لئے فرمایا جیسا کہ شارح ابن میثم کا گمان ہے اور رد خلافت کا حرام اور ناجائز ہونا ثابت و مسلم ہو چکا ہے تو اگر آپ کو خلیفہ منصوص تسلیم کر لیا جاوے اور خلافت کو تالی نبوت مانا جاوے جس کے حضرات شیعہ مدعی ہیں تو جناب امیرؑ کے اس کلام سے لازم آتا ہے کہ آپ مرتکب حرام اور امر ناجائز کے ہوں پس ثابت ہوا کہ نہ آپ اُس وقت تک خلیفہ منصوص تھے اور نہ خلافت تالی نبوت ہے۔ باقی رہا اس کلام کی توجیہ میں علامہ کا خیال تو وہ بالکل لغو اور غلط ہے اگر کوئی تھوڑی سمجھ کا آدمی اُس کو دیکھے وہ بھی سیاق عبارت سے سمجھ سکتا ہے چہ جائے کہ علامہ جیسا شخص اور پھر طرفہ یہ کہ جس غرض سے اس عبارت کے مضمون کی تحریف فرماتے ہیں وہ حاصل شدنی نہیں۔

اور دلیل علامہ کے اس خیال کے غلط ہونے کی یہ ہے کہ حضرت رضی اللہ عنہ نے اپنے انکار کی جو دلیل ذکر فرمائی ہے فانا مستقبلون امرا الخ صاف دلالت کرتی ہے کہ آپ کی غرض واقعی انکار ہے۔ تصنع کے طور پر آپ ہرگز انکار نہیں فرماتے کیونکہ آپ نے امر واقعی پیش آئندہ کو انکار کی علت قرار دیا جو صلاحیت واقعی انکار کی علت ہونے کی رکھتا ہے اور ظاہری انکار سے کچھ ارتباط نہیں رکھتا اور نیز عقلاء کے نزدیک ایسی ضعیف تدابیر کے ساتھ استحکام خلافت کرنا محض طفل تسلی ہے جو آپ جیسے دانشمند سے نہایت بعید ہے چنانچہ بالآخر باوجود اس پختگی کے اس کا کچھ ثمرہ اور نتیجہ ظاہر نہ ہوا وجری فیہ ما جری۔

بعد ازاں اس خطبہ کے یہ جملے واعلموا انی ان اجبتکم الخ اور ان
ترکتمونی فانا کاحدکم شیعہ کی نقیض مدعا کے مثبت ہیں اور شہادت دے رہے
ہیں کہ حضرت امیرؓ خلیفہ بلا فصل نہیں تھے جملہ اولیٰ میں آپ فرماتے ہیں کہ تم کو معلوم
رہے اگر میں تمہاری بات مان لوں گا اور حسب تمہاری درخواست کے تمہاری بیعت
قبول کر لوں گا تو تم کو اپنی رائے کے موافق چلنے دوں گا اور اس میں کسی کہنے والے اور
کسی ناخوش ہونے والے کی پرواہ نہ کروں گا۔ اس جملہ میں حضرت رضی اللہ عنہ نے
امت کی شریعت پہ چلانے کی اجابت بیعت پر معلق فرمایا اور ظاہر ہے کہ عقد
عاقدین کی جانب سے تام ہوتا ہے اور امت کی طرف سے تو درخواست بیعت ہو چکی
تھی۔ آپ کی طرف سے اُس کی اجابت باقی تھی جب آپ کی طرف سے اجابت اور
قبولیت ہو جاتی تو عقد بیعت تمام ہو جاتا اور اُس کے لوازم پائے جاتے۔ ایک
طرف امام ہوتا اور ایک طرف ماموم، اور ایک جانب رئیس ہوتا اور دوسری جانب
مرؤس اور ایک حاکم اور امیر ہوتا اور دُوسرے مامور و محکوم تو آپ کا امام ہونا اجابت
بیعت پر معلق ہوا اور موقوف قبل از موقوف علیہ پایا نہیں جا سکتا تو امامت و امارت
آپ کی قبل بیعت تام و محقق نہ ہو گی اور اگر بیعت سے پیشتر امامت متحقق ہو جیسا حضرات
شیعہ کا عقیدہ ہے تو جبکہ امت کی طرف سے درخواست بیعت اور انقیاد و اطاعت
ظاہر ہو چکی تھی تو آپ کو جائز نہ تھا کہ طریق شرع پہ چلانے کو اپنی اجابت پر معلق فرما
کر اجابت میں تردد فرماتے کیونکہ اصل وضع لفظ اِن میں یہ ہے کہ مشکوک و محتمل پہ
داخل ہوتا ہے اور امامت تو آپ کی پیشتر سے منصوص من اللہ تھی۔ کوتاہی اگر تھی تو
امت کی جانب سے تھی کہ اُس نے امام کو چھوڑ رکھا تھا اور غیروں کا ربقہ اطاعت
اپنی گردن میں ڈال رکھا تھا۔ جب اُمت امام حق کی طرف متوجہ ہو گئی تو امام تو امام
ہی تھا پھر تردد اور تامل کی کوئی وجہ نہیں۔ اس تقریر سے کمال بلاغت جناب امیرؓ

معلوم ہوا کہ آپ نے ان اجبتکم فرمایا تاکہ ثابت ہو جائے کہ میں امام بلا فصل نہیں
ہوں اور میری امامت بھی مثل ائمہ سابقین بیعت اہل حل و عقد پر منحصر ہے ورنہ جملہ آئندہ
میں جو لفظ وان ترکتمونی واقع ہو رہا ہے اُس کا تقابل تو اس کو مقتضی تھا کہ
ان قبلتمونی اماما فرماتے لیکن چونکہ آپ کو باعتبار علم ما کان وما یکون معلوم ہو چکا
تھا کہ بعض تشیع کے جھوٹے مدعی میری امامت منصوصہ بلا فصل کا جھوٹا دعوے کریں گے
اس لئے آپ نے یہ کلام فرمایا۔ مگر واہ رے تشیع کہ اپنی دھن میں امام کی بھی نہیں سنتے۔
دُوسرے جملہ میں آپ فرماتے ہیں اور اگر تم مجھ کو چھوڑ دو گے اور میرے ہاتھ پہ بیعت نہ
کرو گے تو میں تم میں سے ایک شخص جیسا ہوں گا مجھ کو تمہارے اُوپر کوئی فوقیت اور
امتیاز نہ ہو گا۔ جیسی تم پر امام وقت کی اطاعت و انقیاد لازم ہو گا میرے اوپر بھی لازم
ہو گا اور جس طرح تم امام وقت کے مطیع ہو گے اسی طرح میں بھی اُس کا مطیع ہوں گا
اس ارشاد سے کالشمس فی نصف النہار ثابت ہے کہ خلافت کا مدار اہل حل و عقد
کی بیعت پہ ہے اہل حل و عقد کی بیعت جس کے ہاتھ پہ واقع ہو گی وہ خلیفہ ہو جائے گا
ورنہ مامور اور محکوم رہے گا اور یہاں تسلط بالسیف اور نص سابق خود مفقود ہے تو اب
صرف بیعت خلافت کا مدار بیعت اہل حل و عقد پہ رہا تو اسی واسطے آپ نے فرمایا کہ
اگر تم مجھے چھوڑ دو گے اور خلیفہ نہیں بناؤ گے تو میں تمہارے جیسا محکوم ہوں گا۔ اس
مضمون پہ شارح نہج البلاغت نے مطلق چون وچرا کی گنجائش نہیں دیکھی اس
لئے سکوت فرمایا اور کوئی غلط صحیح توجیہ نہیں فرمائی بلکہ علامہ ابن میثم نے تو ہماری
تائید فرمائی ہے قولہ وان ترکتمونی الخ ای کنت کاحدکم فی الطاعۃ
لامیرکم اس جگہ شاید تشیعہ کو کوئی شخص کسی دُوسرے محمل پہ محمول کرتا اس لئے
شارح نے یہ احتمال دفع فرمایا مگر یہاں کسی کو لفظ لامیرکم مضاف بسوئے
ضمیر مخاطبین خلجان میں نہ ڈالے اضافت کا منشا صرف یہ ہے کہ جب امامت

مخاطبین اہل حل وعقد کی بیعت سے متحقق ہوئی تو اُن کی طرف امیر کو مضاف کر دیا دوسرے یہ کہ پہلے جملہ میں حضرت نے اپنے آپ کو اہل حل وعقد میں داخل فرمایا تھا اور اپنے آپ کو اُن کے مماثل بنایا تھا تو اس لئے امیرکم فرمایا آپ کا بمنزلہ امیری کے ہُوا یہ ہرگز مراد نہیں کہ صرف تمہارا امیر ہے اور میرا امیر نہیں چنانچہ شارح نے جو جملہ آئندہ کی شرح میں عبارت تحریر فرمائی ہے اُس سے یہ مدعا بخوبی ثابت ہوتا ہے۔ پس اس جملہ سے ثابت ہو گیا کہ جناب امیرؑ خلیفہ بلافصل نہیں تھے بلکہ اُس وقت بھی بیعت اہل حل وعقد سے پہلے آپ امام اور خلیفہ اپنے نزدیک نہیں ہوتے تھے۔ تیسرے جملہ میں آپ فرماتے ہیں اور مجھ کو امید یہ ہے کہ جس کو تم اپنے امر کا متولی اور حاکم بناؤ گے میں تمہاری بہ نسبت اُس کے حکم کا زیادہ سننے والا اور اُس کا تم سے زیادہ اطاعت کرنے والا ہوں گا۔ اِس عبارت نے تو رہے سہے تمام خلجانوں کا استیصال ہی کر دیا اور مذہب شیعہ کو برباد فرما دیا۔ کیونکہ اِس ارشاد میں حضرت رضی اللہ عنہ۔ زیادتی سمع اور زیادتی اطاعت اُس کی نسبت فرماتے ہیں جس کو مخاطبین اہل حل وعقد خود اپنے اختیار سے بدون کسی نص کے اپنا حاکم اور اپنا ولی امر بنا لیویں اور بدیہی ہے کہ اُس کا واجب الاطاعت بالخصوص حضرت کی نسبت ہونا بدون اِس کے ممکن نہیں کہ وُہ امام حق اور خلیفہ راشد ہو اگر وُہ جائر اور غاصب ہو تو حضرت کے لئے ہرگز واجب الاطاعت نہیں ہو سکتا چنانچہ آپ کے خطبہ گذشتہ واللہ لاسلمن ماسلمت امور المسلمین کی شرح میں ہم عرض کر چکے ہیں۔

پس اس جملہ مشکل کشا کی مشکل کشائی قابل دید ہے کہ کس وضاحت وصراحت سے ثابت کر دیا کہ نہ جناب امیر خلیفہ بلافصل ہیں اور نہ خلافت منصوص من اللہ ہے بلکہ انعقاد خلافت کا مدار بیعت اہل حل وعقد رہے جس کے ہاتھ پر اُن کی بیعت ہو گی وہ بالفعل خلیفہ ہو جاوے گا اور اگر بیعت نہ ہو گی تو اگرچہ کتنا ہی استحقاق اُس کو

حاصل ہو گا بالفعل خلیفہ نہ ہو گا لہٰذا بموجب آپ کے ارشاد کے زمانہ خلفاء ثلثہؓ میں خلفاء ثلثہؓ ہی امام وخلیفہ ہوئے اور جناب امیرؓ خلیفہ نہ ہوئے اور یہ حضرت کی کرامت ہے یا غایت بلاغت کہ شراح کو اس کی کوئی توجیہ یا تحریف بن نہ آئی اور بجز سکوت کے کوئی چارہ نہ پایا نہیں بلکہ علامہ کمال الدین ابن میثم بحرانی نے تو اس کی تائید و تقویت فرمائی۔ اور یخربون بیوتھم بایدیھم وایدی المومنین کا مضمون پورا صادق کر دکھایا وہ تحریر فرماتے ہیں۔

وقولہ وان ترکتمونی الخ ای کنت کاحدکم فی الطاعۃ لامیرکم بل لعلی اطوعکم لہ اے لقوۃ علمہ بوجوب طاعۃ الامام وانما قال لعلی لانہ علی تقدیر ان یولوا احدا یخالف امر اللہ لایکون اطوعھم لہ بل اعصاھم واحتمال تولیتھم لمن ھو کذالک قائم فاحتمال طاعتہ وعدم طاعتہ لہ قائم فحسن ایراد لعل

قولہ وان ترکتمونی الخ یعنی اگر تم مجھ کو خلافت کے لئے انتخاب نہ کرو گے تو میں تمہارے بنائے ہوئے امیر کی اطاعت میں تمہارے برابر ہوں گا بلکہ توقع تو یہ ہے کہ میں تم سے زیادہ اُس کا مطیع ہوں گا۔ آپ کا زیادہ مطیع ہونا اس وجہ سے ہے کہ آپ کو امام کے واجب الاطاعت ہونے کا زیادہ علم ہے اور اپنے لفظ لعلی اس لئے فرمایا کہ بر تقدیر کسی ایسے کو امیر بنا دیں جو اللہ کے حکم کے مخالف ہو تو اُس وقت زیادہ فرمانبردار نہ ہوں گے بلکہ زیادہ نافرمان ہوں گے اور ایسے شخص کے امیر بنانے کا احتمال قائم ہے تو آپ کی فرمانبرداری اور نافرمانی کا بھی احتمال قائم ہے تو اس لئے لفظ لعل کا لانا مستحسن ہوا۔ (ترجمہ از مولانا میرٹھی)

اس عبارت سے ایک بہت بڑا فائدہ تو یہ حاصل ہوا کہ بعض وهو کے باز شاید اس کو تقیہ پر حمل کرنے کی کوشش کرتے۔ علامہ نے اُس کا ملیامیٹ کر دیا کیونکہ ایراد لفظ لعل کے نکتہ میں بیان فرمایا کہ تو لبت اہل حل و عقد میں دو احتمال ہیں۔ ایک تو یہ کہ ایسے شخص کو امیر بنائیں جو مطیع امر اللہ ہو اور دوسرے یہ کہ ایسے شخص کو امام بنائیں جو مخالف امر اللہ ہو۔ امر اوّل میں آپ اطوع ہوں گے کیونکہ وہ امام حق ہوگا اور آپ کو امام حق کی اطاعت کے واجب ہونے کا زیادہ علم ہے۔ اور امر دوم میں آپ اطوع نہ ہوں گے بلکہ اعصی ہوں گے اور تقیہ نہ فرمائیں گے کیونکہ وہ امام حق آپ کے نزدیک نہ ہوگا اور وجہ یہ کہ آپ کا مذہب بھی اس مسئلہ میں بموجب اس عبارت کے اور رائے شارح کے وہی تھا، جو حضرت امیر معاویہؓ کا تھا کہ بیعت اہل حل و عقد غیر اہل للخلافت کو نافع نہیں ہو سکتی۔ اگر اہل حل و عقد کسی ایسے شخص کو خلیفہ کریں جو مہام خلافت کو سرانجام نہ کر سکے اور مظلوم کا حق ظالم سے نہ دلوا سکے تو وہ خلیفہ نہیں ہوگا۔ اسی لئے امیر معاویہؓ حضرت کو تسلیم نہیں کرتے تھے اور آپ کے اس خط کے جواب میں

انہ بایعنی القوم الذین بایعوا ابا بکر و عمر و عثمان

تحقیق شان یہ ہے کہ بیعت کی مجھ سے اُس قوم نے کہ جس نے بیعت کی تھی ابو بکر و عمر و عثمان سے رضی اللہ عنہم الی آخرہ ۱۲ منہ سلمہ اللہ تعالےٰ

یہ لکھ بھیجا کہ

فلو کنت علی ماکان علیہ ابو بکر و عمر و عثمان ما قاتلتك الخ

اگر آپ حضرات ثلثہ یعنی ابو بکر و عمر و عثمان رضوان اللہ علیہم کے طریقے پر ہوتے تو میں آپ سے درباب خلافت نہ لڑتا ۱۲ (ترجمہ از مولانا میر حمی)

جس کے مطاوی میں حسب مذہب شیعہ جناب امیرؓ پر ایسا الزام عاید ہوتا ہے

کہ آپ اس کے جواب سے کسی طرح سبکدوش نہیں ہو سکتے اور حق یہ ہے کہ جناب امیرؓ کا ہرگز یہ مذہب نہیں تھا بلکہ آپ کا یہ مذہب تھا کہ اہل حل و عقد جس کے ہاتھ پر بیعت کریں گے وہ اہل للخلافت ہوگا۔ امیر معاویہؓ کے اس خط کا جو جواب آپ نے تحریر فرمایا ہے جس کو بتمامہ شارح نے نقل کیا ہے اُس سے اہل فہم پر بخوبی واضح ہے۔ اس بحث کو ہم مفصل بما لا مزید علیہ ہدایات الرشید میں لکھ چکے ہیں۔ اگر کسی کو مفصل بحث کے دیکھنے کا شوق ہو تو اُس میں دیکھ لیوے۔

دُوسرا یہ فائدہ ہُوا کہ اسمع اور اطوع ہونے کی تعلیل میں شارح نے جو یہ جملہ تحریر فرمایا لقوۃ علمہ بوجوب طاعۃ الامام اِس جملہ میں جناب امیرؓ کا خلیفہ اور امام نہ ہونا اور خلفاء ثلثہ کا خلیفہ اور امام ہونا بدون کسی احتمال کے اور خلجان کے ثابت ہوگیا۔

تیسرا یہ فائدہ ہُوا کہ لفظ امیرکم میں جو اضافت بسوئے ضمیر مخاطبین خلجان پیدا کرتی تھی وہ بالکل اس جملہ نے رفع کر دیا۔

چوتھا یہ فائدہ ہُوا کہ خلفاء ثلثہ رضی اللہ عنہم مخالف امر اللہ تعالیٰ نہیں تھے بلکہ کامل مطیع تھے ورنہ حضرت امیرؓ اُن کے اسمع اور اطوع نہ ہوتے، بلکہ اعصیٰ ہوتے۔ پانچویں جملہ میں آپ ارشاد فرماتے ہیں کہ میں تمہارا وزیر ہوں یہ اس سے بہتر ہے کہ تمہارا امیر ہوں اس سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے کہ آپ اس وقت تک امیر نہیں تھے۔ اور اپنے امیر ہونے کو اہل حل و عقد کے امیر بنانے پر موقوف و منحصر سمجھتے تھے خواہ خیریت باعتبار دنیا کے سمجھی جائے یا باعتبار دین و دنیا ہر دو کے شارح ابن میثم احتمال اوّل اختیار کرتا ہے مگر نہ یہ اُس کو کچھ مفید ہے اور نہ ہم کو کچھ مضر ہم صرف اس وجہ سے عموم دین و دنیا کی خیریت اختیار کرتے ہیں کہ آپ کو معلوم تھا کہ میری امارت میں بغاوت پیش آوے گی جس میں دین و دنیا کی مضرت ہوگی۔

اِس لئے آپ فرماتے تھے کہ میرا وزیر ہونا میرے امیر ہونے سے تمہارے حق میں بہتر ہے۔ بالآخر جو کچھ حضرت اندیشہ فرماتے تھے اور جس کا خوف تھا پیش آیا بالجملہ اس خطبہ کا ہر ایک جملہ نہایت صراحت اور وضاحت کے ساتھ ثابت کرتا ہے کہ جناب امیرؑ خلیفہ بلافصل نہیں تھے۔ والحمد للہ علیٰ ذٰلک۔

ساتویں دلیل حضرت عمر فاروقؓ کی خلافت راشدہ

ازاں جملہ حضرت کی وہ کلامیں ہیں جو آپ نے اُس وقت فرمائیں جبکہ خلیفہ فاروق رضی اللہ عنہ نے غزوۂ روم اور غزوۂ فارس میں خود بنفس نفیس جانے کا ارادہ فرماکر مشورہ فرمایا چونکہ دونوں کلاموں کا مطلب ایک ہے لہٰذا ہم صرف اُس کلام کی عبارت ملخصاً نقل کرنے پر ہی اکتفا کرتے ہیں جو آپ نے غزوۂ فارس کے مشورہ میں بیان فرمائی۔[1] وھو ھذہ۔

ومن كلام له عليه السلام لعمر بن الخطاب وقد استشاره في غزاة الفرس بنفسه ان هذا الامر لم يكن نصره ولا خذلانه بكثرة ولا بقلة وهو دين الله الذي اظهره وجنده الذي اعده وامده حتى بلغ ما بلغ وطلع حيث ما طلع ونحن على موعود من الله والله منجز وعده و ناصر جنده ومكان القيم بالامر مكان النظام من الخرز يجمعه ويضمه فاذا انقطع النظام تفرق الخرز وذهب ثم لم يجتمع بحذافيره والعرب اليوم وان كانوا قليلا فهم كثيرون بالاسلام عزيزون بالاجتماع فكن قطبا واستدر الرحى بالعرب واصلهم دونك نار الحرب - الى ان قال فاما ما ذكرت من مسير القوم الى قتال المسلمين

[1] نہج البلاغۃ ص۲۵۹ تا ص۲۶۰ جلد ۲ طبع جدید مطبوعہ بیروت ۱۲ شبیر محمد غفرلہٗ

فان الله سبحانه هو اكره لمسيرهم منك وهو اقدر على تغيير ما يكره واما ما ذكرت من عددهم فانا لم نكن نقاتل فيما مضى بالكثرة وانما كنا نقاتل بالنصر والمعونة۔

حاصل مطلب موافق بیان شارح ابن میثم یہ ہے کہ یہ امر اسلام نہ اس کے غلبہ کا مدار کثرت پر ہے اور نہ مغلوبی قلت کی وجہ سے ہے کیونکہ یہ اللہ کا دین ہے جس کو (تمام ادیان پر) غالب کیا اور یہ اللہ کا لشکر ہے جس کو تیار کیا اور (ملائکہ کے ساتھ) اُس کی امداد فرمائی یہاں تک کہ پہنچا (آفاق بلاد میں) جہاں تک پہنچا اور چمکا جس جگہ چمکا (پھر ہم سے نصر اور غلبہ اور استخلاف کا وعدہ فرمایا چنانچہ ارشاد ہے وعد الله الذين امنوا منكم وعملوا الصلحت ليستخلفنهم في الارض الاية)۔ اُس وعدہ کے پورا ہونے کے ہم منتظر ہیں بیشک اللہ تعالیٰ اپنے وعدہ کو پورا کرے گا اور اپنے لشکر کی امداد فرمائے گا (تو مومنین خواہ قلیل ہوں گے یا کثیر مظفر و منصور ہوں گے) اور امام و قیم بالامر بمنزلہ دھاگے کے ہوتا ہے لڑی میں کہ جب دھاگہ ٹوٹ جاتا ہے لڑی کے دانے متفرق ہوجاتے ہیں اور جاتے رہتے پھر تمام فراہم نہیں ہو سکتے۔ اور عرب اِس وقت اگرچہ (تعداد میں قلیل ہیں) پر اسلام کی وجہ سے کثیر ہیں اور اجتماع (رائے اور اتفاق قلوب) کی وجہ سے صاحب عزت (اور شوکت) ہیں تو آپ مرکز کی طرح (اپنی دارالخلافت ہی میں) قائم رہئیے اور لڑائی کی چکی عرب سے چلوائیے اور نہ خود بلکہ اُن سے لڑائی کی آگ بھڑکائیے الی ان قال اور جو کچھ تم نے کفار کا مسلمانوں کے قتال کی طرف سبقت کرنا اور اُس کی کراہت ذکر کی پس اللہ سبحانہ تعالیٰ تمہاری بہ نسبت کفار کی سبقت کو زیادہ مکروہ جانتا ہے اور جس کو وہ مکروہ جانتا ہے اُس کے رد کرنے پر زیادہ قدرت رکھتا ہے اور جو آپ نے کفار کی کثرت تعداد

کا ذکر کیا سوئم زمانہ گذشتہ (ابتداء اسلام) میں کثیر تعداد کے ساتھ مقاتلہ نہیں کیا کرتے تھے بلکہ اللہ تعالیٰ کی نصرت اور معونت کے ساتھ مقاتلہ کیا کرتے تھے (تو اب بھی اسی طرح ہونا چاہیئے)

یہ تمام کلام ہمارے مدعا کے مثبت اور مدعائے شیعہ کے مبطل ہے اس سے عاقل منصف سمجھ سکتا ہے کہ حضرت خلیفہ فاروق رضؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سچے خلیفہ اور امام برحق تھے اور امیر المومنین علیؓ بن ابی طالب خلیفہ بلا فصل نہیں تھے تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ حضرات شیعہ نے حسب مصرع

ع کیا کیا نہ کیا عشق میں کیا کیا نہ کریں گے

اثبات خلافت بلا فصل جناب امیرؓ کے لئے کیا کیا کچھ نہیں کیا خلفاء رضی اللہ عنہم کو غاصب اور جائر قرار دیا اور تمام اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مرتد اور بددین ٹھہرایا۔ بجائے ظہور اسلام کے مغلوبی اسلام اور ظہور کفر کے قائل ہوئے اور مجاہدین غزوات اسلام کو نافرمان اور لشکر شیطان بنایا۔ حق تعالیٰ کے صاف اور سچے وعدہ کے (جو استخلاف کے بارے میں ہوا تھا) جھوٹا بنانے کی بہت کوشش فرمائی۔ اہل بیت نبوت کی تذلیل وتوہین میں کوئی دقیقہ اُٹھا نہ رکھا کبھی اُن کو تقیہ کے پردے میں چھپایا کبھی گدھے پر سوار کرا کے دربدر خوار و ذلیل پھرایا کبھی اوّل[1] فرج غصبناہ فرما کر بیحیائی اور بے عزتی کو انتہا درجہ پر پہنچایا۔ انبیاء علیہم السلام کے ذمہ حسد کا دھبہ لگایا۔ قرآن کو غلط اور محرف بتلایا اور صحیح قرآن کو سرداب سرمن رائے میں دبکایا بالجملہ حسب قول شاعر ؎

کافر ہوئے قشقہ کیا زنار بھی پہنا
ہم شرط محبت کو ادا کیا نہیں کرتے

سب کچھ کیا اور جو کچھ نہ کرنا تھا وہ بھی کیا مگر سب ہیچ اور بیرکت وکرامت

[1] فروع کافی ص ۳۴۶ جلد ۲ کتاب النکاح باب تزویج ام کلثوم طبع جدید مطبوعہ طہران ۱۳۹۰ھ ۱۲۔ علوی غفرلہ

حضرت مشکلکشا سب باطل اور لغو۔ حضرتؓ نے دُودھ کا دُودھ اور پانی کا پانی جُدا کر دکھایا۔ اور جن امور کو اصل اور بیخ مدعا بنا رکھا تھا سب کا استیصال فرما دیا۔ اب سنئے کہ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے اس کلام حقیقت نظام میں اُس دین کو جو اُس وقت شائع تھا اور جس کو تمام صحابہؓ نے اختیار کر رکھا تھا دین اسلام مصداق آیت ان الدین عند اللہ الاسلام اور اللہ کا دین فرمایا اور اُس کے غلبہ کو مصداق آیت لیظہرہ علی الدین کلہ قرار دے کر مطمئن کر دیا کہ اِس کے معاونین اگرچہ بہ نسبت مخالفین قلیل ہوں گے تاہم مغلوب نہ ہوں گے اور اُس لشکر کو اللہ کا وہ لشکر فرمایا جس کی اُس نے ملائکہ کے ساتھ امداد فرمائی اور جس کا خود وہ اپنے فضل و رحمت سے مددگار رہا اور اُس زمانہ کو زمانۂ موعود خدا تعالیٰ کا قرار دیا جس میں وعدۂ استخلاف مذکورہ آیت

وعد اللہ الذین اٰمنوا منکم وعملوا الصلحت لیستخلفنھم فی الارض کما استخلف الذین من قبلھم ولیمکنن لھم دینھم الذی ارتضی لھم ولیبدلنھم من بعد خوفھم امنا یعبدوننی لا یشرکون بی شیئاً ومن کفر بعد ذلک فاولئک ھم الفاسقون۔

وعدہ فرما چکا ہے اللہ اُن سے جو ایمان لائے تم میں سے اور نیک عمل کئے کہ ضرور اُن کو خلیفہ بنائے گا زمین میں جیسا خلیفہ بنایا تھا اُن کے اگلوں کو اور ضرور جمائے گا اُن کے لئے اُن کا وہ دین جس کو اُن کے لئے پسند فرمایا ہے اور بدل دے گا اُن کے خوف کو امن سے وہ میری عبادت کریں گے اور کسی کو میرا ساجھی نہ ٹھہرائیں گے اور جو ناشکری کریں گے اِس کے بعد وہ دین سے خارج ہیں۔ (ترجمہ از مولانا میرٹھیؒ)

پورا ہوگا اور تمکین دین اور تبدیل خوف بامن تام اور شیوع ایمان اور استیصال کفر و شرک حاصل ہوگا۔ اور حضرت خلیفہ فاروقؓ کو قیم بالامر فرمایا کہ اسلام اور اہل اسلام کی لڑی کے لئے بمنزلہ دھاگے کے ہیں۔ اُن کے وجود کے ساتھ نظام اسلام قائم ہے اگر خدانخواستہ وہ اس لڑائی میں شریک ہوکر درجہ شہادت پر کامیاب ہوں گے تو نظام اسلام خلل پذیر ہو جائے گا اور اجتماع اہل اسلام ایسا متفرق ہو جائے گا کہ پھر منتظم نہ ہوگا۔ پھر اسی بنا پر یہ پیشگوئی فرمائی کہ آپ کو جو یہ خوف ہے کہ کفار مسلمانوں کی طرف مبادا پیش قدمی کریں، یہ گذشتہ دلائل کی وجہ سے ناممکن ہے کیونکہ بوجوہ مذکورہ خدا تعالیٰ اُن کی پیش قدمی کو ناپسند کرے گا اور جس کو وہ پسند نہیں کرے گا اُس کے تغیر پر اُس کو پوری قدرت حاصل ہے تو ممکن نہیں کہ کفار پیش قدمی کر سکیں۔ پھر آپ نے زیادتی تسلی اور طمانیت کی غرض سے یہ ارشاد فرمایا کہ کفار کی کثرت کا آپ کیا خیال فرماتے ہیں۔ آپ کو معلوم ہے کہ زمانۂ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں ہم اور تم کثرت کے بھروسے پر قتال نہیں کیا کرتے تھے بلکہ خدا تعالیٰ کی نصرت اور اس کی معونت کے اعتماد پر قتال کیا کرتے تھے تو اب بھی چونکہ وہی قتال لاعلاء کلمۃ اللہ ہے وہی مقاتلین اللہ تعالیٰ کا لشکر ہے اُسی طرح مقابلہ کفار کے ساتھ ہے اُسی طرح نصرت خداوند تعالےٰ موعود و شامل حال ہے اور اُس کے فضل و رحمت کی امیدواری ہے۔ پھر کیوں وہی حسن ظن اللہ تعالیٰ کے ساتھ نہ کیا جاوے اور کیوں اُسی وثوق اور اعتماد کے ساتھ قتال نہ کیا جاوے۔ اس کلام میں حضرت نے معیان تشیع کے وساوس و تخیلات کا کامل استیصال فرما دیا اور اُن کے اعتقادات باطلہ کی پوری تکذیب کر دی اور بدلائل ثابت کر دیا کہ حضرت عمر فاروقؓ اور دیگر خلفاء خلفائے راشدین اور امام برحق ہیں۔ جو اپنے زد وعدہ خدا تعالیٰ ہیں اس کے ... کے جامع ہیں اور جن کی خلافت کی بدولت دنیا اسلام کی روشنی ... [illegible] ... حضرت جناب امیرؓ کے

نزدیک امام برحق اور خلیفہ راشد نہ ہوتے بلکہ جائر اور غاصب اور بد دین ہوتے اور تمام صحابہ ان کے معاونین معاذ اللہ مرتد اور معاون ظلم و جور بلکہ معین کفر ہوتے تو ہرگز جناب امیرؓ ایسے کلمات نہ فرماتے جو اُن کے صرف مدح پر ہی دلالت نہیں کرتے بلکہ اُن کی حقانیت بھی ثابت کر رہے ہیں کہ کہیں اُن کو قیم بالامر فرماتے ہیں جو اُن کی امامت حقہ کی پوری بُرہان ہے حضرات شیعہ کہیں تو دکھا دیں کہ آپ نے کسی خلیفہ جور کے حق میں کبھی اس لفظ کا اطلاق و استعمال فرمایا ہو یہ لفظ تو اطلاقات ائمہ بلکہ عموماً استعمالات شیعہ اثنا عشریہ میں امام آخر الزمان کے لئے استعمال کیا جاتا ہے اور بجز امام آخر الزمان کے لفظ قائم بالامر کسی دوسرے امام حق پر بھی اطلاق نہیں کیا جاتا چہ جائیکہ کسی امام جائر پر اطلاق کیا جاوے پس حضرت نے اس لفظ کا استعمال فرما کر اپنی کمال فصاحت و بلاغت ہی نہیں ظاہر فرمائی بلکہ اپنی کرامت بھی دکھلادی اور وجہ یہ کہ شروع کلام میں ان ہذا الامر فرمایا جس سے باتفاق فریقین بلکہ باتفاق جمیع شراح وہ دین مراد ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور تمام اہل بیت اور تمام صحابہ کا دین تھا اور جو دین کہ مرضی اور پسندیدہ حق جل و علیٰ تھا اور جس کے اوصاف یہ تھے کہ اُس کی ترقی و تنزل کا انحصار قلت و کثرت و عدد پر نہ تھا بلکہ محض نصرت و معونت قادر قوی تعالےٰ شانہ پر تھا۔ اور اُس کو تمام ادیان پر غالب کرنیکا وعدہ فرمایا تھا اور جس کے لشکر کی ملائکہ منزل من السماء کے ساتھ امداد فرمائی تھی اور جو اطراف و آفاق عرب میں پھیل چکا تھا اور آفاق عالم میں پھیلنے والا تھا اور جس کے لئے بذریعہ استخلاف راشدہ کے اپنی پسندیدگی کا تمغہ عطا فرما کر تمکین کرنے کا وعدہ مستحکم فرمایا تھا اور اُس کے اہل کے لئے بجائے خوف کے امن کامل کی تبدیل کا وعدہ کیا تھا اور اُس کی بدولت تمام قبائل عرب کو جن میں باہمی عداوت کی آگ مشتعل تھی باہم شیر و شکر کر دیا تھا اسی امر دین کو بیان فرما کر آپ نے حضرت خلیفہ فاروق رضی اللہ عنہ

کو اُس امرِ دین کا قیم فرمایا اور اُس اسلام کی چکی کے لئے آپ کو مرکز ٹھہرایا کیونکہ اوّل تو باعتبار اصلیت لام تعریف جب اُس سے مُراد استغراق ہوگا تو دین و دُنیا کے امور کا قیم ہونا ثابت ہوگا یا عہد مُراد ہوگا اور معہود وہی امر ہوگا جو اوپر مذکور ہوچکا ہے یا جنس ہوگا۔ تو اوّل تو جنس فرد مذکور کو بھی شامل ہے پھر فرد کامل امر کا وہی ہے جو عرض ہوچکا ہے اور مدلول ہذا لامر کا ہے بہر تقدیر قیم بالامر میں لفظ امر سے امر مذکور سابق مراد ہوگا۔ دوسرے یہ کہ جس نے تخلیص المفتاح کو ذرا بھی دیکھا وہ سمجھ سکتا ہے کہ معرفہ کو جب معرفہ ہی اعادہ کرتے ہیں تو عین اوّل ہوتا ہے بشرطیکہ کوئی قرینہ اُس کے خلاف پر دلالت نہ کرے اور یہاں باوجود عدم ضرورت قرینہ متعدد قرائن دال ہیں کہ معرفہ ثانی عین معرفہ اولیٰ ہے اور معرفہ اولیٰ سے وہ دین مُراد تھا جس کے اوصاف ہم اُوپر عرض کرچکے ہیں تو جب جناب امیر نے خلیفہ فاروق رضؓ کو اُس دین کا قیم فرمایا تو آپ نے اُن کے لئے امام حق اور خلیفہ راشد ہونے کی سچی شہادت دے دی اور اپنی خلافت بلافصل مزعومی شیعہ کو باطل فرما دیا والحمد للہ علیٰ ذٰلک اور کرامت اولاً یہ ہے کہ حضرت رضؓ نے یہ کلمات حضرت فاروق رضؓ کی نسبت بطور پیشین گوئی کے فرمائے تھے اور جس طرح فرمائے تھے اُسی طرح واقع ہوئے تھوڑی سی جماعت نے کفار کی بڑی بڑی جماعتوں کو مغلوب کیا حق تعالیٰ کی نصرت پیاپے نازل ہوئی وہی حق تعالیٰ کا وعدہ استخلاف اور تمکین دین اور تبدیل خوف بامن پورا ہُوا۔ اور اسلام کے نور نے آفاق عالم کو روشن کردیا بالجملہ خلیفہ فاروق رضؓ کا قیم بالامر ہونا ایسا راست آیا کہ خود بدولت حضرت امام کو بھی نصیب نہ ہوا اور تمام فرائض منصبی قیم بالامر کے پورے ادا کئے پس حضرت کی پیشین گوئی سچی ہوئی۔ ثانیاً حضرت رضؓ کی یہ کرامت ہوئی کہ حضرت رضی اور اُن کے اکابر غلات تشیع کی عقول پر بطفیل کرامت حضرت رضؓ ایسا پردہ پڑا کہ وہ اُس کی تحریف نہ کرسکے اور اُن کی عقل ہی یہاں تک نہ پہنچی کہ یہ بطلان مذہب کے لئے حجت قاطعہ ہے۔ علاوہ ازیں حضرت امیرؓ کی اس

رائے کا ماخذ تین آیتیں ہیں۔ اور تین آیتوں سے آپ نے استدلال فرمایا ہے۔ اوّل آیت استخلاف واقعہ سورۂ نور وعد اللہ الذین امنوا منکم وعملوا الصلحٰت لیستخلفنھم فی الارض الآیۃ

اور دُوسری آیت

هو الذی ارسل رسوله بالهدٰی ودین الحق لیظهره علی الدین کله ولو کره المشرکون۔

اُسی نے بھیجا اپنا رسول ہدایت اور سچا دین دے کر تاکہ اُس کو غالب کرے ہر دین پر اگرچہ بُرا مانیں کافر (ترجمہ از مولانا میرٹھیؒ)

اور تیسری آیت کم من فئة قلیلة غلبت فئة کثیرة باذن الله والله مع الصابرین۔

اکثر تھوڑی جماعت غالب آگئی ہے بڑی جماعت پر اللہ کے حکم سے اور اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے (ترجمہ از مولانا میرٹھیؒ)

حاصل یہ ہے کہ ہر شے کے آثار بقدر اُس کے مرتبہ کے ہوتے ہیں۔ اسی طرح آثارِ نبوت و رسالت بقدر اُس کے مرتبہ کے ہوں گے اور رسالت حضرت خاتم فض رسالت باتفاق فریقین تمام انبیاء و رسل کی رسالت سے برتر و بالاتر ہے اس لئے اُس کے آثار بھی ایسے ہی ہوں گے چنانچہ آپ کو معجزہ بھی سب سے بڑھ کر عنایت ہُوا کہ وہ وحی ہے تمام انبیاء و رسل کے معجزات اُن کی حیات تک تھے اور حضرت سید الرسل کا معجزہ قیامت تک باقی رہنے والا ہے تو ضرور ہے کہ آپ کے اتباع بھی تمام اُمتوں سے زیادہ ہوں آپ کا دین تمام ادیان پر غالب ہوجائے آپ کے خلفاء بھی بقدر مرتبہ نبوت عالی رتبہ ہوں اور آپ کی مواعید کے بجا آوری کا جارحہ بنیں اور اُن کی فتح و نصرت

ہمرکاب ہو اور اُن کی جماعت قلیلہ سے جماعات کثیرہ کفار کو مغلوب کیا جاوے
اور سلطنت کسریٰ و قیصر خاک میں ملا دی جائے اور تمام عالم میں اسلام کا غلغلہ
ڈال دیا جائے۔ جگہ جگہ بجائے کنائس مساجد بنیں اور بجائے ناقوس کے
اذان کی صدائیں کانوں میں آنے لگیں اہل اسلام کی کفار کے دلوں میں یہاں تک
ہیبت غالب ہو کہ خوف کی وجہ سے نیند میں بھی چونک پڑیں۔ اگر یہ امور حاصل
نہ ہوں تو دعوئے افضلیت رسالت محض خیال خام ہی نہیں بلکہ مالیخولیا ہے۔

اور حضرات شیعہ کے مذہب اور رائے کے مطابق ان میں سے کوئی امر بھی
حاصل نہیں ہوا بلکہ برعکس اس کے سید الرسل کی تمام عمر گراں مایہ کی سعی و جانکاہی
کا یہ نتیجہ ہوا کہ معدودے چند ایمان لائے ورنہ اکثروں کا ایمان نفاق آمیز تھا۔
علی الخصوص ابتداء بعثت سے لے کر وقت وفات تک کے وہ فیض یافتہ اور تربیت
گرفتہ جنہوں نے صدہا معجزے دیکھے سفر و حضر میں ہمیشہ ہمرکاب رہے امور مہمہ کے
مشوروں میں بمنزلہ وزراء جان نثار شریک رہے جگہ جگہ خدا تعالیٰ نے اپنی کتابوں میں
اُن کی صفت و ثنا فرمائی ہمیشہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ممدوح رہے آخر
میں جناب امیر اُن کی بلیغ تعریف کے ساتھ رطب اللسان ہیں منافق دنیا طلب
طماع اور لالچی نکلے اور سب کے سب حضرت سید الانبیاء صلے اللہ علیہ وسلم کے
انتقال فرماتے ہی اُس ظاہری ایمان نفاق آمیز کو بھی جواب دے بیٹھے اور بالائے
طاق رکھ کر مرتد ہو گئے اور اپنے رسول کی صاحبزادی کے ایسے پیچھے پڑے کہ چند
بیخ حقیقت درخت کھجور کے جو اُن کے والد بزرگوار نے اُن کو دے دیئے تھے
ہر چند وہ بلبلائیں پر اُن سے چھین لئے اور اسی پر اکتفا نہیں فرمایا بلکہ اُس
مظلومہ کو اس قدر مارا کہ اُس کی جان عزیز اس صدمہ سے عالم بقا کو پرواز ہو
گئی اور اُن کا گھر جلا ڈالا اور اُس طاہرہ کو تہمت فاحشہ کے ساتھ متہم کیا اور جن

کے ایمان کامل کا دعوے کیا جاتا ہے وہ بھی بنظر حالات و آثارات غلط ثابت ہوتا
ہے بلکہ بموجب نقول و روایات اُن کی مدعیان تشیع کے اُس دعوے کی نقیض ثابت ہوتی
ہے چنانچہ ابحاثِ گزشتہ میں ہم اس مسئلہ کو طے کر چکے ہیں۔ پھر استخلاف اور ظہورِ
دین کے وعدوں کی نسبت ایک یہ خیال خام پختہ کیا جاتا ہے کہ حضرت کی وفات
سے دو ہزار سال پیچھے جب تیم بالامر سرداب سر من رائے کے پردے سے نکلیں گے
اور تقیہ کا نقاب چہرۂ انور سے اُٹھائیں گے اُس وقت یہ سچے وعدے پورے ہونگے
اے صاحبو اوّل تو ان کا وجود عنقا صفت جو سرداب میں بیان کیا جاتا ہے مثل انیاب
اغوال وہمی ہے پھر اُن کے استخلاف اور ظہور کا دعوے اُس سے بھی زیادہ لغو
اور لاطائل کیونکہ اس مدت ہزار سال میں آپ کے اِس اختفاء اور پوشیدگی کا کیا
سبب تھا کہ جو اُس وقت مرتفع ہو جائے گا۔ ظاہرا سبب اختفاء خوف اعداء سے
کہ دشمنوں کے ڈر کی وجہ سے غیبت صغریٰ سے غیبت کبریٰ کی نوبت پہنچ گئی
تو اب ظہور کی توکیا توقع ہو سکتی ہے اب تو غیبت اکبر الکبریٰ کی اگر توقع کی جائے
تو بجا ہے ایسے جبان اور خائف سے جب اِس وقت خیر کی توقع نہیں تو آئندہ
خیر کا امیدوار ہونا عقلا کا کام نہیں ہے کہ صرف اس موہوم اندیشہ کی وجہ سے
ایسا اختفا اور استتار فرمایا کہ محبین مخلصین تک دیدار سے محروم ہیں اس سے
یہ بھی معلوم ہوا کہ اُن کو اپنے دوستوں اور دشمنوں کی بھی تمیز نہیں یا یہ کہ فی الواقع
سب مدعیان محبت وولاء اپنے دعوے تشیع میں جھوٹے ہیں پھر طرفہ یہ کہ جس قدر اعداء
کی سلطنت اور سطوت کم ہوتی گئی اور اہل ولاء کی تعداد بڑھتی گئی اُسی قدر اُن کی
غیبت اور روپوشی زیادہ ہوتی گئی اور جماعت قلیل کے جماعت کثیر پر غلبہ کا وعدہ
تو بظاہر نہ پورا ہوا اور نہ آئندہ پورا ہونے کی توقع کیونکہ اوّل میں تو خلافت راشدہ
کو تمکین ہی نہیں ہوئی اور آخر میں بزمانہ قائم بالامر جبکہ ایک عالم اُن کا مطیع و منقاد

ہوگا اُس وقت جماعت قلیلہ نہ ہوگی کیونکہ امام صاحب ظاہراً جب تک کثرت افواج و سامان کا یقین نہیں فرمائیں گے خروج نہیں فرماویں گے۔ الحاصل ان آیات کے مضامین کا صدق اور جناب امیرؑ کا ان آیات سے صحتہ استدلال اسی وقت ممکن ہے کہ حضرات خلفاءؓ کو خلفاء راشدین اعتقاد کیا جائے اور اُن کے زمانہ کو زمانۂ خلافت راشدہ مانا جائے اور اگر بموافقت اعتقاد شیعہ حضرات خلفاء کو خلفاء راشدین تسلیم نہ کیا جائے بلکہ اُن کو معاذ اللہ بددین اور غاصب قرار دیا جائے تو مضمون آیات کذب و دروغ ہوگا اور جناب امیرؓ کا استدلال ان آیات سے ہرگز صحیح نہ ہوگا اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا سید الرسل ہونا تو درکنار آپ کی نفس رسالت میں خلل واقع ہوجائے گا اور اسلام میں ہر طرف سے رخنہ کا باب مفتوح ہوجائے گا۔ کیونکہ قاعدہ مسلمہ ہے

الشئی اذا ثبت ثبت بلوازمہ

جب کوئی شے ثابت ہوتی ہے مع اپنے لوازم کے ثابت ہوتی ہے

اور جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے رسالت کے علو مرتبہ کو سب سے بالاتر تسلیم کیا جاوے گا تو لامحالہ یہ بھی ماننا پڑے گا کہ آپ کے فیض صحبت اکسیر ہوگی۔ اور یہ بھی بالضرور تسلیم کرنا پڑے گا کہ آپ کی صحبت میں فیض صحبت سے مستفیذ ہونے والے کماً اور کیفاً دوسرے تمام انبیاء ورسل کے اصحاب کی نسبت باعتبار تبوئیت و تقرب عنداللہ زیادہ ہوں گے۔ چنانچہ حق جل و علا شانہٗ کا یہ ارشاد

کنتم خیر امۃ اخرجت للناس تأمرون بالمعروف وتنھون عن المنکر وتومنون باللہ

تم بہتر ہو اُن اُمتوں میں جو پیدا ہوئی لوگوں کے لئے حکم کرتے

ہو نیک کاموں کا اور منع کرتے ہو بُرے کاموں سے اور ایمان رکھتے ہو اللہ پر۔ (ترجمہ از مولانا میرٹھیؒ)

اِسی طرف مشیر ہے اور نیز تفسیر امام حسنؓ عسکری میں مصرح ہے۔

فقال یا موسیٰ اما علمت ان فضل صحابۃ محمدؐ علیٰ صحابۃ جمیع المرسلین کفضل آل محمدؐ علیٰ آل جمیع النبیین۔

فرمایا اللہ نے اے موسےٰ کیا تجھ کو معلوم نہیں کہ محمدؐ کے اصحاب کی فضیلت تمام انبیاء کے اصحاب پر ایسی ہے جیسی محمدؐ کے آل کی فضیلت تمام نبیوں کے آل پر۔ (ترجمہ از مولانا میرٹھیؒ)

اور نیز علامہ ابن میثم بحرانی نے شرح نہج البلاغت میں جناب امیرؓ کے خطبات میں نقل کیا ہے۔

وذکرت ان اجتبی لہ من المسلمین اعوانا ایدہ بھم فکانوا فی منازلھم عندہ علیٰ قدر فضائلھم فی الاسلام وکان افضلھم فی الاسلام کما زعمت وانصحھم للہ ولرسولہ الخلیفۃ الصدیقؓ وخلیفۃ الخلیفۃ الفاروقؓ ولعمری ان مکانھما فی الاسلام لعظیم وان المصائب بھما فی الاسلام لجرح شدید یرحمھما اللہ وجزاھما باحسن ما عملا

اور تو نے ذکر کیا کہ رسول اللہ کے لئے مسلمانوں میں سے مددگار چھانٹے جن سے اُس کی تائید فرمائی اور وہ اپنے اسلامی فضائل کے موافق اپنے اپنے مرتبہ پر تھے آپ کے نزدیک اور تیرے قول کے مطابق اسلام میں سب سے

افضل اور سب سے زیادہ اللہ اور اس کے رسول کا خیر خواہ آپ کا
جانشین ابوبکر صدیق اور خلیفہ کا خلیفہ فاروق تھے اور بالفرد مجھ کو
اپنی زندگانی کی قسم اُن کا مرتبہ اسلام میں بہت بڑا ہے اور اُن کی موت
کی مصیبت اسلام میں سخت زخم ہے۔ اللہ ان پہ رحم فرماتے اور ان
کو ان کے اعمال کا نیک بدلا دیوے۔ (ترجمہ از مولانا میر بھٹیؒ)

یہ سب تصریحات ہمارے مُدعا کے موید ہیں علیٰ ہٰذا القیاس صدہا نصوص
کتاب و سنت و اقوال عترت اس کی مصدق و موید موجود ہیں۔ اور ہزارہا واقعات
واقعیہ اس کے شاہد ہیں۔ اور جب یہ حضرات رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین ببرکت
فیض صحبت حضرت سید الرسل صلوٰۃ اللہ علیہ وسلامہ خیر امّت کے لقب کے
ساتھ ملقب ہوئے اور افضلیت کا تمغہ عطا کئے گئے اور اجتبار کے خلعت سے
مشرف ہوئے تو لامحالہ اُن کے قلوب قلب نبوت پہ مجبول ہوں گے اور صدیقیّت
اور فاروقیت کے ساتھ متصف ہوں گے اور اعباء خلافت کے تحمل کی قابلیت و
استطاعت اُن کی جبلِ طبیعت میں ودیعت رکھی ہوگی اور اپنے رسُول کے جارحہ
بننے کے وہی مستحق اور اہل قرار پائے ہوں گے اور مواعید حق سبحانہٗ وتعالیٰ کا پورا ہونا
اُن کے ہی دست ہمت کے متعلق ہوگا اور دونوں سلطنتوں عظیم الشان کسریٰ و قیصر
کا پائمال ہونا اُن کی ہی فتراک جرأت کے ساتھ وابستہ ہوگا اُنہیں کے اخلاص کی
بدولت کلمۃ الذین کفروا السفلیٰ و کلمۃ اللہ ھی العلیا (کافروں
کی بات نیچی اور اللہ تعالیٰ کا بول بالا ہے) (ترجمہ از مولانا میر بھٹیؒ) کا درس عالم میں شائع ہوگا
بالجملہ مستجمع اوصاف و کمالات نیابت نبوت ہوں گے اور مطابق مضمون آیات مذکورہ
یہ ہی مذہب حق اہل حق کا مذہب ہے صرف اس مذہب کے ہی مطابق خدا تعالیٰ کے وعدہ صادقہ پورے
اور سچے ہو سکتے ہیں اور اس مذہب کے ہی موافق رسالت رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام
انبیاء و رسل کی رسالت پر برتری برقرار رہ سکتی ہے اور اس کے مذہب کے موافق جناب امیرؓ کا

استدلال صحیح ہو سکتا ہے۔ نہیں نہیں بلکہ جناب امیر کا ایمان سے لے کر کمالات
عالیہ تک اگر ثابت ہو سکتے ہیں تو اسی مذہب حق کی ہی بدولت ثابت ہو سکتے ہیں
غرض اسلام کے تمام ارکان اپنی اپنے درجہ و منصب پر اس مذہب کی ہی بموجب
ثابت ہو سکتے ہیں غرض اسلام کے تمام ارکان اپنی اپنے درجہ و منصب پر اس
مذہب کی ہی بموجب قائم رہ سکتے ہیں لیکن اگر ان تمام امور مذکورہ کو اصُول موضوعہ
مذہب تشیع کے مطابق دیکھا جاوے تو نتیجہ بالکل برعکس ظاہر ہوگا اور قضایا صادقہ
مذکورہ منقلب ہو کر کاذب ہوں گے۔ سیادت سید الرسل علیہ من الصلوٰۃ افضلہا و
من التحیات اتمہا و اکملہا خاک میں ملجائے گی بلکہ نفس رسالت کا ہی ثابت ہونا غیر ممکن
ہوگا۔ اور جناب امیرؓ کا استدلال بالکل لغو اور مہمل ہوگا اور حق تعالیٰ کے سچے وعدے
بالکل جھُوٹے ہوں گے اس لئے کہ قاعدہ مسلمہ ہے کہ بطلان لوازم بطلان ملزومات
کو مستلزم ہوتا ہے اور لوازم رسالت حضرت سید الرسل صلی اللہ علیہ وسلم یہ ہوتے کہ
آپ کا فیض صحبت ازالۂ ملکات ردیہ اور اخلاق و صفات نامرضیہ کے لئے اکسیر
ہوتا آپ کے صحبت یافتہ اور تربیت گرفتہ ملکات فاضلہ و اخلاق و اوصاف رضیہ
حاصل کر کے خیر امّت ہوتے آپ کا دین تمام ادیان پر غالب ہوتا آپ کے
وعدے متعلق غلبہ و نصرت اور فتح کسریٰ و قیصر وغیرہ سچّے ہوتے لیکن بموجب
اجماعی روایات شیعہ اثنا عشریہ کے آپ کی صحبت سم قاتل اور صحبت ابلیس و
دجال سے بھی زیادہ ضرر رساں برآمد ہوئی آپ کے تمام عمر کے تربیت یافتہ اور
فیض گرفتہ بد دین اور دُنیا طلب اور طامع و دین فروش بن گئے۔ بجائے اس کے
کہ خیر امّت ہوتے شر امّت ہوئے اجتبار کے جگہ معاذ اللہ لعنت کے مستحق
ہوئے بعوض اس کے کہ ایمان اُن کے قلوب میں محبُوب و مزین ہوتا کفر اور فسوق
و عصیاں محبُوب ہوا۔ اور حق تعالیٰ کے سب وعدے استخلاف اور غلبہ و نصرت

کے جھوٹے نکلے اطفاءِ نور کا ارادہ کفار کا پورا ہوا اور اتمام نور کا خدا تعالیٰ کا وعدہ بالکل غلط نکلا اور حق تعالیٰ کا اُن کی تعریف فرمانا لغو اور بے اصل رہا حضرت امیرؓ کا استدلال بھی ان آیات سے صحیح نہ ہوا۔ الغرض اِس مذہب کی بدولت کوئی رکن ارکانِ اسلام سے اپنی حالت پر برقرار نہیں رہ سکتا اور بار مذہب سے بالکل سبکدوشی ہو جاتی ہے لہٰذا ثابت ہوا کہ مذہب اہل سنت کثر اللہ تعالیٰ اعزا بہ حق ہے اور مذہب تشیع غلط اور باطل تو ثابت ہو گیا کہ باعتبار حقیقت مذہب اسلام خلفاء رضی اللہ عنہم کی خلافت راشدہ حق اور ثابت اور جناب امیر کی خلافت بلافصل غلط اور باطل۔ وھو المطلوب۔

آٹھویں دلیل جناب امیرؓ کی قوت علمی کا حضرت صدیقؓ کی قوت علمی سے مقابلہ

ازاں جملہ آپ کا یہ خطبہؓ ہے۔ ایہا الناس ان احق الناس بھذا الامر اقواھم علیہ واعلمھم بامر اللہ فیہ فان شغب شاغب استعتب فان ابی قوتل ولعمری لئن کانت الامامۃ لا تنعقد حتی تحضرھا عامۃ الناس فما الی ذلک سبیل ولکن اھلھا یحکمون علی من غاب عنھا ثم لیس للشاھد ان یرجع ولا للغائب ان یختار الا وانی اقاتل رجلین رجلا ادعی مالیس لہ وآخر منع الذی علیہ۔ آپ کا یہ کلام امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے جواب میں واقع ہوا کہ اُنہوں نے دعوے کیا کہ آپ کی امامت منعقد نہیں ہوئی کیونکہ اُس پر اجماع اور اتفاق اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نہیں ہوا۔ کیونکہ اُس میں مَیں اور میرے ہمراہی شریک نہیں تھے۔ آپ نے اُس کے جواب میں ارشاد فرمایا جس کا حاصل مطلب مطابق فہم شارحین نہج البلاغت کے یہ ہے کہ اے لوگو تحقیق زیادہ لائق امر خلافت کے لئے مسلمانوں میں سب سے زیادہ اس پر قوت رکھنے والا اور سب سے زیادہ اللہ کے حکم کو اُس میں جاننے

ؓ نہج البلاغۃ صفحہ جلد ۲ طبع جدید مطبوعہ بیروت ۱۲۔ ملوی غفرلہ

والا ہے پھر بعد انعقاد بیعت اگر کوئی شورہ کرنے والا شور مچائے تو اوّل اُس کو بہ نرمی فہمائش کر کے لوٹایا جائے پھر اگر نہ مانے تو بموجب ارشاد فقاتلوا التی تبغی اُس سے قتال کیا جائے اور مجھ کو اپنی عمر کی قسم اگر امر خلافت منعقد نہ ہوتا وقتیکہ تمام مسلمان خواص و عوام اُس میں حاضر نہ ہوں تو اُس کے انعقاد کی کوئی سبیل نہیں ہے۔ کیونکہ تمام مسلمانوں کا اجماع دشوار ہے بلکہ اجماع و اتفاق امت محمد صلی اللہ علیہ وسلم میں سے اہل حل و عقد کا ہے اور وہ خواص اور علماء ہیں۔ وہ اہل خلافت ہیں۔ اُن کا حکم غیر موجودین پر نافذ ہوتا ہے بعد ازاں نہ حاضر کے لئے رجوع کرنے کا اختیار ہے اور نہ غائب کے لئے بجائے مجمع علیہ کے کسی دوسرے کو بدلنے کا اختیار ہے۔ خبردار میں دو شخصوں سے لڑتا ہوں۔ ایک وہ شخص کہ جو دعوے کرتا ہے جس کا اُس کو استحقاق نہیں ہے جیسے اصحاب جمل اور دوسرا وہ شخص ہے جو حق واجب کو بجا نہیں لاتا۔ چنانچہ علامہ کمال الدین ابن میثم بحرانی لکھتے ہیں۔

قولہ ولعمری الی قولہ ما الی ذلک سبیل۔ ان الاجتماع لا یعتبر فیہ دخول جمیع الناس حتے العوام اذ لو کان ذلک شرطاً لادی الی ان لا ینعقد اجماع قط فلم تصح امامۃ احد ابد التعذر اجتماع المسلمین باسرھم من اطراف بل المعتبر فی الاجماع اتفاق اھل الحل والعقد من امۃ محمد صلی اللہ علیہ وسلم علی بعض الامور وھم العلماء وقد کانوا باسرھم مجتمعین حین بیعتہ فلیس لاحد منھم بعد انعقادھا ان یرجع ولا لمن عداھم من العوام ومن غاب عنہا ان تولوا غیر من اجمع ھولاء علیہ۔

قولہ ولعمری۔ اجماع میں تمام عوام وخواص کا داخل ہونا معتبر نہیں اس لئے کہ
اگر یہ شرط ہو تو کبھی کوئی اجماع منعقد ہی نہ ہو اور چونکہ اطراف زمین کے تمام
مسلمانوں کا اتفاق دشوار ہے لہٰذا کسی کی بھی امامت صحیح نہ ہو۔ بلکہ اجماع میں
امتِ محمدیہ میں سے اہل حل وعقد یعنی علماء کا اتفاق معتبر ہے اور وہ سب آپ کے
بیعت پر متفق تھے تو اب اُن میں سے کسی کو بیعت کے انعقاد کے بعد رجوع
کا اختیار نہیں ہے اور نہ اُن کے ماسوا عوام کو یا اُن کو جو غائب تھے اس امر
کی گنجائش ہے کہ بجائے متفق علیہ کے کسی دوسرے کو اختیار کریں (ترجمہ از مولانا میر علیؒ)

اس خطبہ سے ہمارا مدعا بخوبی ثابت ہے اوّل تو جملہ اولیٰ جس میں ارشاد
ہے کہ احق بالخلافت اقوی اور اعلم ہے مثبت مدعا اہل حق اور مناقض مدعا اہل
تشیع ہے کیوں کہ مخفی نہیں اور پیشتر عرض بھی ہو چکا ہے کہ افعل التفضیل باعتبار اپنی اصل
وضع کے مفضل اور مفضل علیہ کو مقتضی ہے اور ثبوت زیادت فی الفعل کے لئے مفضل
میں اور نفس فعل کے لئے مفضل علیہ میں موضوع ہے اور جب حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ
نے اقوی اور اعلم کو احق فرمایا تو اقوی اور اعلم کے لئے زیادت استحقاق خلافت ثابت
ہوا اور غیر اقوی اور اعلم کے لئے نفس استحقاق خلافت ثابت ہوا اور ظاہر ہے کہ
محض استحقاق یا زیادت استحقاق فعلیت خلافت کو مستلزم نہیں ہے بلکہ بعد استحقاق
فعلیت خلافت کے لئے کسی دوسرے امر کی ضرورت ہے جو موقوف علیہ فعلیت
خلافت ہے اگر وہ متحقق ہوگا تو فعلیت خلافت متحقق ہوگی ورنہ نہیں اور وہ بیعت
اہل حل وعقد امت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہے جس کو دوسرے جملہ میں حضرت رضی اللہ عنہ
نے بیان فرمایا ہے تو آپ کے اس ارشاد سے ثابت ہوا کہ آپ خلیفہ بلافصل نہیں تھے
اور نہ خلافت منصوصہ تھی بلکہ حق جل وعلا شانہ نے اس کو اجتہاد امت پر محوّل فرمایا تھا
نہیں بلکہ اپنے سچے وعدے کے ساتھ وابستہ کیا تھا کہ جو خلافت واقع ہوگی وہ اسلام

کے لئے اور امت کے لئے خیر ہوگی چنانچہ ایسا ہی واقع ہوا پس ثابت ہوا کہ
خلفاء اربعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اپنے اپنے زمانہ خلافت میں خلیفہ راشد اور امام
حق تھے باقی رہا حضرت کا یہ ارشاد کہ اقوی اور اعلم احق بالخلافت ہے سراسر حق
وصواب ہے مگر اس کے یہ معنی نہیں ہیں کہ زیادہ زور آور اور پہلوان اور زیادہ
علوم رسمیہ اور مسائل شرعیہ کا جاننے والا احق بالخلافت ہے کیونکہ بہت سے
تنومند وپہلوان اور علامۂ زمانہ شرائط سرداری اور علوم سیاسی سے محض اجنبی ہوتے
ہیں۔ اپنے گھر کا بھی انتظام نہیں کر سکتے بلکہ یہاں دوسری قوت او رعلم کی ضرورت
ہے یعنی قوت ہمت اور قوت تدبیر اور علم انتظامی اور معرفت سیاست ہونی
چاہیئے پس حضرت کے اس قول سے یہ مراد ہوئی کہ اقوی بالتدبیر اور اعلم بشرائط
الریاست ومکامن السیاست دوسروں سے زیادہ لائق ہے لیکن اس پر حضرات
شیعہ کا یہ خیال کہ جناب امیرؓ بہ نسبت دیگر خلفاء اقوی اور اعلم ہیں تو اگرچہ فعلیت
خلافت حاصل نہ ہوئی ہو پر احقیت بالخلافت ثابت ہو گئی جو مستلزم خطا اور خیانت
صحابہ کو ہے کہ انہوں نے احق کو چھوڑ کر غیر احق کے ساتھ بیعت خلافت کی اور
غیر احق کو خلیفہ بنایا بالکل لغو اور پوچ ہے۔ اس خیال کی تغلیط اور اس مرحلہ کے
طے کرنے کے لئے اگر نہج البلاغت ہی کی طرف رجوع کیا جاوے تو زیادہ مستحسن
ہے جو کچھ کیفیت اقوی اور اعلم ہونے کی حضرت امیرؓ کی نسبت اُن کے متشیعین جان
نثار نقل فرماتے ہیں۔ اُس کو ابو بکر صدیقؓ کے قوت اور علم سے جس کا دل چاہے
انصاف کے ساتھ موازنہ کر کے دیکھ لے ہم تو کیا کہیں پر انشاء اللہ تعالیٰ عاقل ومنصف
دونوں صاحبوں کے حالات میں غور کر کے اس سے کم ہرگز فرق مراتب تجویز نہیں
کرے گا۔ جس قدر فرق باعتبار ترتیب خلافت واقع ہو رہا ہے اور اہل حق کا معتقد
علیہ ہے۔ ابتداء زمانہ انعقاد خلافت جناب امیرؓ میں جبکہ اہل حل وعقد کی بیعت

آپ کے ہاتھ پر واقع ہو چکی۔ اور بعض صحابہ نے آپ سے کہا کہ جن لوگوں نے امام کو بے گناہ قتل کیا اگر اُن کو آپ سزا دیتے تو بہتر ہوتا اس پر آپ نے جو کچھ جواب دیا وہ اپنے خیال میں محفوظ رکھیے۔ شریف رضی نہج البلاغت میں نقل فرماتے ہیں[۱]:۔

ومن کلام له علیه السلام بعد ما بویع بالخلافة وقد قال له قوم من الصحابة لو عاقبت قوماً ممن اجلب علی عثمانؓ فقال یا اخوتاه انی لست اجهل ما تعلمون ولکن کیف لی بقوة والقوم المجلبون علی حد شوکتهم یملکوننا ولا نملکهم وها هم هؤلاء قد ثارت معهم عبدانکم والتفت الیهم اعرابکم وهم خلالکم یسومونکم ما شاءوا وهل ترون موضعاً لقدرة علی شیٔ تریدونه وان هذا الامر امر جاهلیة وان هؤلاء القوم مادة ان الناس من هذا الامر اذا حرك علی امور فرقة تری ما ترون و فرقة تری ما لا ترون وفرقة لا تری هذا ولا هذا فاصبروا حتی یهدا الناس ولیقع القلوب مواقعها وتوخذ الحقوق مسمحة فاهدؤا عنی وانظروا ماذا یاتیکم به من امری ولا تفعلوا فعلة تضعضع قوة وتسقط منه وتورث وهنا وذلة وسامسك الامر ما استمسك واذا لم اجد بداً فاخر الدواء الکی۔

حاصل یہ کہ جب آپ سے بیعت خلافت ہوئی تو بعض صحابہ نے آپ سے قاتلین امام بے گناہ کی سزا دہی کے بارے میں عرض کیا تو آپ نے یہ فرمایا کہ اے میرے بھائیو! جو تم جانتے ہو میں اُس سے ناواقف نہیں ہوں۔ لیکن مجھ کو قوت کہاں ہے اور امام پر خروج کرنے والی قوم اپنی شوکت پر ہے وہ ہمارے مالک ہو رہے

[۱] ص ۱۴۳ جلد ۲ طبع جدید مطبوعہ بیروت ۱۲ رشید محمد علوی غفرلہ

ہیں۔ اور ہم اُن کے مالک نہیں اور وہ لوگ یہ موجود ہیں تمہارے غلام اُن کے ساتھ اُٹھ کھڑے ہوئے ہیں۔ اور تمہارے دیہاتی بھائی اُن کے شامل ہو گئے ہیں جو چاہتے ہیں تم سے کام لیتے ہیں اور کیا تم کسی شے پر جس کو تم چاہو قدرت پائے ہوئے ہو۔ اور اُن کے لئے مادہ ہے اس امر کی تحریک کے بعد اختلاف و تفرق کا اندیشہ ہے تو ذرا صبر کرو یہاں تک کہ لوگوں میں سکون ہو جائے اور قلوب اپنے موقع میں ٹھہر جائیں اور بسہولت حقوق لئے جائیں تو ٹھہرو اور صبر کرو اور دیکھو کہ میرا امر تمہارے پاس کیا لاتا ہے اور ایسا فعل نہ کرو جو قوت کو ضعیف کر دے اور قدرت کو گرا دیوے اور ضعف اور ذلت پیدا کر دیوے۔ اور میں امر کو جب تک سنبھلے گا، سنبھالوں گا اور جب کوئی چارہ کار نہ پاؤں گا تو آخر علاج داغ ہے۔

اور بعد اُس کے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے حال کو ملاحظہ فرمایئے کہ جب اُن کی ابتداء خلافت میں قصۂ ارتداد پیش آیا اور آخر زمانۂ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں تین قبیلے بنو مدلج قوم اسود عنسی اور بنو حنیفہ قوم مسیلمہ کذاب اور بنو اسد قوم طلیحہ بن خویلد مرتد ہو چکے تھے اور سات قبیلے بنو فزارہ بنو غطفان۔ بنو سلیم، بنو یربوع۔ بنو تمیم قوم سجاح بنو کندہ، بنو بکر۔ ابتداء زمانۂ خلافت ابوبکر صدیقؓ میں مرتد ہوئے اور بعض مرتد ہو کر جاہلیت کی طرف عود کر گئے اور بُت پرست ہو گئے۔ اور بجز مسجد مکہ اور مسجد مدینہ اور مسجد عبد القیس کے جو قریہ جواثا میں ہے کہیں نماز ہی نہیں ہوتی تھی اور بعض قبائل نے زکوٰۃ سے انکار کر دیا غرض چار طرف سے مخالفت کا جھنڈا بلند ہوا اور مسلمانوں پر قتال کی آگ مشتعل ہوئی چنانچہ ایک شاعر کہتا ہے ؎

الا ابلغ ابابکر رسولا — وفتیان المدینة اجمعینا

فهل لکم الی قوم کرام — قعود فی جواثا محصرینا

کان دماءهم فی کل فج — دماء البدن تغشی الناظرینا

توکلنا علی الرحمن انا   وجدنا النصر للمتوکلینا

(اے مخاطب) ابوبکر اور مدینہ کے تمام جوانوں کی طرف پیامبر بھیج (اور کہہ) تم کو اُس بزرگ قوم کا بھی خیال ہے جو جاثا میں محصور بیٹھے ہیں۔ ہر ایک سڑک میں اُن کے خون گویا قربانی کے اُونٹوں کے خون ہیں جو دیکھنے والوں کو چکاچوند کئے دیتے ہیں۔ چونکہ اللہ کی اعانت اس پر بھروسہ کرنے والوں کے ہی لئے ہے۔ اس لئے ہم نے بھی اُس پر بھروسہ کیا ہے۔ (ترجمہ از مولانا میرعلیؒ)

ادھر مدینہ میں اپنے معاونین اور وزراء جو بمنزلہ دست و بازو تھے رائے میں مخالف ہو گئے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے باوجود اِس قوت و ہمت کے یہ فرمایا۔

كيف تقاتل الناس وقد قالوا لا اله الا الله

آپ اُن لوگوں سے کیسے جہاد کرو گے جو لا الٰہ الا اللہ کہتے ہیں۔ (اللہ عظمٰہ تعالیٰ) ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ذرا پروا نہ کی اور یہ فرمایا۔

واللہ لو منعونی عقالا کانوا یؤدونہا الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لقاتلتہم علی منعہا

قسم اللہ کی اگر وہ [illegible] مجھے عقال [illegible] کو جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کرتے تھے [illegible] اُس کے نہ دینے پر مقاتلہ (جہاد) کروں گا [illegible]

[illegible] جیش اسامہ [illegible] اس وقت [illegible] ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ ثابت قدم رہے اور کسی کی [illegible] لشکر [illegible]

دونوں کی قوت و ہمت اور معرفت سیاست کا موازنہ کر کے اپنے ایمان و انصاف سے شہادت دے کہ اقوی اور اعلم کون ہے۔ ابوبکر صدیقؓ ہیں یا حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما۔ چند بلوائی جن کے ہمراہ بقول حضرت چند غلام اور چند بدوی ہو گئے آپ کو اُن کا اس قدر خیال ہوا کہ امام بیگناہ کے قصاص سے باز رہے۔ اور بقول شریف رضی وہ کلمات کہے جو کسی ادنیٰ حاکم کے بھی شایان نہیں چہ جائیکہ آپ جیسے اسد اللہ الغالب کے شایانِ شان ہوں اس سے اُن کے اقوی اور اعلم ہونے کی نسبت دعوے غلط اور باطل ہو گیا اور اگر دعوئے اعلمیت کی تردید کی نسبت مزید ثبوت کی ضرورت ہے تو نہج البلاغت کا ایک دوسرا خطبہ[1] جو اس خطبہ کے پاس ہی مذکور ہے ملاحظہ فرمایئے دعوئے اعلمیت کی حقیقت بھی معلوم ہو جائے گی۔

ومن كلام له عليه السلام لما اجتمع الناس عليه وشكوا فيما نقموه على عثمان وسالوا مخاطبته عنهم واستعتابه لهم فدخل عليه فقال ان الناس ورائي وقد استسفروني بينك وبينهم والله ما ادري ما اقول لك ما اعرف شيئا تجهله ولا ادلك على امر لا تعرفه انك لتعلم ما نعلم ما سبقناك الى شيء فنخبرك عنه ولا ظهرنا بشيء فنبلغكه وقد رايت كما راينا وسمعت كما سمعنا وصحبت رسول الله صلى الله عليه وسلم كما صحبنا انتهى بقدر الحاجة۔

جناب امیر کے کلام جبکہ لوگ آپ کے پاس جمع ہوئے اور عثمانؓ کے معائب کی شکایت کی اور چاہا کہ ہماری طرف سے آپ عثمانؓ سے کلام کریں اور رفع شکایت کریں آپ تشریف لے گئے اور فرمایا کہ لوگ میرے پیچھے ہیں اور مجھ کو آپ کے اور اپنے درمیان ایلچی بنایا ہے بخدا میں نہیں جانتا کہ آپ کو

[1] نہج البلاغہ ص۹ جلد ۲ طبع جدید مطبوعہ بیروت ۱۲ شبیر محمد علوی غفرلہ

میں کیا کہوں کوئی ایسی بات نہیں کہ آپ نہ جانتے ہوں اور میں جانتا ہوں اور
کسی ایسی امر کی طرف آپ کو رہنمائی نہیں کر سکتا جس کو آپ نہ جانتے ہوں جو
کچھ ہم جانتے ہیں آپ بھی جانتے ہیں ہم نے آپ سے کسی شے کی طرف پیش
قدمی نہیں کی جس کی آپ کو خبر دیں اور نہ کسی شے پر مطلع ہوئے جو آپ کو پہنچا
دیں جو ہم نے دیکھا وہی آپ نے بھی دیکھا جو ہم نے سُنا وہی آپ نے سُنا اور
جیسے ہم رسول اللہ کی مصاحبت میں رہے اسی طرح آپ نے بھی رسول اللہ
کا شرف مصاحبت حاصل کیا۔ (ترجمہ از مولانا عاشق الہی میرٹھیؒ)

اس عبارت سے اعلمیت کا لبطلان کالشمس فی نصف النہار
روشن و ثابت ہے اور جملہ ثانیہ بھی مثل جملہ اولی اہل تشیع کے مدعا کو مبطل ہے کیونکہ
اُس میں حضرت نے اجماع اہل حل وعقد کو انعقاد خلافت کے لئے موقوف علیہ
اور شرط قرار دیا اور اہل حل وعقد کے حکم کو شاہد و غائب پر حاکم قرار دیا کہ بعد اس
کے کسی کو چون وچرا کی گنجائش باقی نہیں۔ پس اس سے صاف ثابت ہے کہ نہ امامت
منصوص ہے اور نہ جناب امیرؓ خلیفہ بلافصل منصوص ہیں۔ اس کی بحث آئندہ آپ
کے خطوط کے بحث کے ضمن میں تحت قولہ انہ بایعنی القوم الذین بایعوا ابابکرؓ
مفصل انشاء اللہ تعالیٰ مذکور ہوگی اور تیسرا جملہ بھی مثل جملہ اولی اور ثانیہ کے اہل تشیع کے مدعا کو مبطل
اور اہل حق کے مدعا کو مثبت ہے کیونکہ آپ فرماتے ہیں کہ میں دو قسم کے آدمیوں سے قتال کرتا
ہوں ایک تو وہ ہے جو اس امر کا مدعی ہے جس کا اس کو استحقاق نہیں اور دوسرا وہ
ہے جو اُس امر کو بجا نہیں لاتا جو اُس پر واجب ہے یعنی امر اول طلحہ و زبیر وغیرہ رضی
اللہ عنہم کی نسبت ہے کہ وہ بلا استحقاق قصاص حضرت عثمان کے طالب اور مدعی
ہوئے اور امر دوم حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی نسبت ہے کہ ان پر بیعت اور
اطاعت امام حق واجب تھی جس کو وہ بجا نہیں لائے۔ اس لئے دونوں سے

قتال کرتا ہوں۔ اس آپ کے کلام سے ہر شخص جس کو عقل خداداد سے حصّہ ملا ہے اور
حمیت وعصبیت سے اُس کی لوح طبیعت پاک ہے سمجھ سکتا ہے کہ علت قتال
ادعائے ناواجب اور امتناع ناواجب ہے تو جس جگہ ایسا ناجائز ادعا اور امتناع
دونوں متحقق ہوں گے وہاں بالضرور وبالاولیٰ آپ ہنگامہ قتل وقتال گرم کریں گے اور
بموجب مذہب اہل تشیع کے حضرات خلفاء ثلاثہ میں دونوں امر متحقق ہوئے ادعائے
خلافت ناجائز جو شاید شیعہ کے نزدیک ادعائے الوہیت و رسالت سے بھی
بڑھ کر ہے پایا گیا اور منع بیعت امام اور منع فدک وغیرہ بھی متحقق ہوئے تو بموجب
ارشاد امام معصوم یہ حضرات بہ نسبت اہل جمل وصفین زیادہ مستحق قتال تھے مگر آپ
نے اُن سے قتال نہ فرمایا بلکہ وزیر ومشیر اور خیر خواہ و خیر اندیش رہے بلکہ بعض
کے ساتھ تو یہاں تک مہربانی فرمائی کہ اپنا داماد بنا لیا تو یہ یگانگت کا معاملہ برخلاف
آپ کے ارشاد کے دو حال سے خالی نہیں کہ یا تو امام معصوم اپنے اس قول میں کاذب
ہیں اور یا حضرات خلفاء ثلاثہ رضی اللہ عنہم سے ادعائے ناجائز اور امتناع ناجائز
نہیں پایا گیا لیکن باتفاق فریقین امام حق تو ہرگز جھوٹے نہیں ہو سکتے تو ثابت ہوا
کہ خلفاء ثلثہ سے ادعائے ناجائز اور امتناع ناجائز نہیں پایا گیا۔ اور جب اُن سے ادعا
اور امتناع جائز ہی متحقق ہوا تو وہ امام حق اور خلیفہ راشد ہوئے نہ غاصب و جائر
اور جناب امیر کے لئے خلافت رابعہ ثابت ہوئی نہ خلافت بلافصل فثبت المدعا
والحمد للہ علی ذالک۔

نویں دلیل	امامت مجمع علیہا عند اللہ حق ہے	از ال جملہ آپ کا ایک خطبہ[1] ہے جو اپنے اصحاب و رفقا کی مذمت میں فرمایا ہے اُس میں آپ ارشاد

فرماتے ہیں۔

ایتہا الفرقۃ التی اذا امرت لم تطع واذا دعوت لم تجب

[1] نہج البلاغۃ ص ۲۲۳ جلد ۲ جس حاجہ مطبوعہ بیروت و شرح محمد عبدہ کی مفتی

ان امهلتم خضتم وان حوربتم خرتم وان اجتمع الناس
علی امام طعنتم انتهی بقدر الحاجۃ

اے جماعت میں جب تم کو امر کرتا ہوں تو اطاعت نہیں کرتے اور جب بلاتا ہوں
تو نہیں آتے جب تم کو مہلت ہوتی ہے تو باطل میں گھسے رہتے ہو اور
جب تم سے دشمن لڑتا ہے تو بزدلی کرتے ہو اور جب لوگ کسی امام پر متفق ہوتے
ہیں تو تم طعن کرتے ہو۔ (ترجمہ از مولانا عاشق الٰہی میرٹھی رح)

اس خطبہ کا آخری جملہ وان اجتمع الناس علی امام طعنتم محل استشہاد ہے حضرت اپنے اصحاب کی مذمت میں منجملہ اور خرابیوں کے کہ میرے امر کی اطاعت نہیں کرتے اور جب بلاتا ہوں تو اجابت نہیں کرتے ایک بڑی برائی اور خرابی یہ بھی فرماتے ہیں کہ اگر لوگ کسی امام پر مجتمع ہوجاتے ہیں تو تم طعن کرتے ہو اس کلام سے اوّل تو یہ ثابت ہوا کہ اجماع اہل اسلام انعقاد خلافت کے بارے میں حجّت ہے اور ظاہر ہے کہ اجماع ناس سے مراد اجماع اہل حل وعقد ہے جیسا کہ آپ کے دوسرے کتب خطب سے واضح ہے کیونکہ اگر اجماع اہل حل وعقد حجت نہ ہوتا تو اس امام پر طعن کرنا جو باجماع اہل حل وعقد امام ہوا۔ موجب مذمت نہ ہوتا پس ثابت ہوا کہ امامت مجمع علیہ عند اللہ حق اور صحیح ہے اور جب اجماع اہل حل وعقد سے انعقاد خلافت عند اللہ ثابت ہوا تو خلافت کا منصوص ہونا باطل ہوا۔ اور واضح ہوا کہ جناب امیر رض قبل از حصول اجماع اہل حل وعقد امام نہیں تھے اور ابوبکر صدیق اور عمر فاروق اور عثمان ذی النورین رضی اللہ عنہم امام حق اور خلیفہ راشد تھے اور وجہ اس ارشاد کی یہ تھی کہ اس وقت عبداللہ بن سبا یہودی منافق اور رافضی اور اس کے اعوان واتباع پیدا ہوگئے تھے اور وہ لوگوں کو خلفاء رضی اللہ عنہم کی طرف سے اغوا کرتے تھے اور ان پر طعن کرتے تھے اور ان کے عیوب چھانٹتے تھے تو اس لئے آپ نے ان کی تفضیح وتضلیل اور تقبیح و

تجہیل کی غرض سے یہ کلمات فرمائے پس جیسے اس سے بطلان خلافت بلافصل جناب امیر رض ثابت ہوا اسی طرح حقیت خلافت حضرات خلفاء رضی اللہ عنہم بھی ثابت ہوئی اور دوسرا امر اس کلام سے یہ ثابت ہوا کہ کتب مذہب شیعہ میں جو تو وہ تو وہ روایات مطاعن حضرات خلفاء رضی اللہ عنہم جناب امیر اور دیگر ائمہ رضی اللہ عنہم کی طرف منسوب ہوکر منقول ہیں وہ ان ہی اخوان الشیاطین احزاب ابن سبا لعین مذمومین ملعونین امام حق کی گھڑت اور بناوٹ ہے۔ ہرگز ہرگز ائمہ نے نہیں فرمائے کیونکہ یہاں تو خطاب اپنے خواص اصحاب کو ہے تقیہ کس سے فرماتے پس یہ حضرت کی نہایت فصاحت و بلاغت ہے کہ ایک جملہ میں تمام مذہب شیعہ باطل اور درہم برہم فرما دیا۔ علاوہ ازیں اس کلام سے ایک بہت بڑا فائدہ یہ ہوا کہ اس قسم کے کلاموں کو جو آپ نے امیر معاویہ رض کو تحریر فرمائے ہیں اور آپ کے قول انما الشوریٰ للمهاجرین والانصار کو علماء شیعہ نے دلیل الزامی اور از باب مجارات خصم سے کہہ کر ٹال دیا ہے مگر اس قول نے یہ تاویل باطل کردی کیونکہ یہ کلام اپنے اصحاب شیعہ کے خطاب میں ہے جو شیعہ خاص ہیں تو وہاں گنجائش نہیں کہ اس کو دلیل الزامی قرار دیجائے پس اس سے ثابت ہوا کہ اور بھی اس قسم کے اقوال جس قدر آپ نے لکھے یا فرمائے سب تحقیقی اور واقعی ہیں اور آپ کا مذہب ہی یہ تھا کہ امامت کا انعقاد اہل حل وعقد کے اجماع اور اتفاق سے ہوتا ہے الحمد للہ کہ خود آپ نے ہی علماء شیعہ کے غلط خیالات اور فاسد تخیلات کی بیخ کنی فرما دی۔

دسویں دلیل — اگر خلفاء رض غاصب ہوتے تو جناب امیر رض پر ہجرت واجب ہوتی — ازاں جملہ آپ کے خطبہ کا ایک جملہ ہے۔

ولا يقع اسم الاستضعاف على من بلغته الحجة فسمعتها
اذنه ووعاها قلبه للايمان۔

استضعاف کا لفظ ایسے شخص پر جس کو حجت پہنچ گئی ہو اور اُس کے
کان سُن چکے ہُوں اور دل محفوظ کر چکا ہو اطلاق نہیں ہو سکتا۔

حاصل یہ کہ حق تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے ۔ ان الذین توفّٰھم الملائکۃ ظالمی انفسہم قالوا فیم کنتم قالوا کنا مستضعفین فی الارض . قالوا الم تکن ارض اللہ واسعۃ فتہاجروا فیہا فاولٰئک ماواھم جھنم وساءت مصیرا الا المستضعفین من الرجال والنساء والولدان لا یستطیعون حیلۃ ولا یھتدون سبیلا فاولٰئک عسی اللہ ان یعفو عنہم وکان اللہ عفوا غفورا۔
یعنی جو لوگ دارالکفر اور دار الخلاف سے ہجرت نہیں کرتے اور وہیں رہتے ہیں اور بجا آوری شرائع سے قاصر ہوتے ہیں تو فرشتے اُن کی اس معصیت و موافقت کفار کی حالت میں جان نکالنے کے وقت اُن سے پُوچھتے ہیں کہ تم باعتبار اپنے دین کے کس حال میں تھے کہتے ہیں کہ ہم ضعیف تھے ہم کو اظہار دین اور اعلاء کلمۃ اللہ کی طاقت نہ تھی تو ملائکہ اُن کو جواب دیتے ہیں کہ کیا اللہ تعالیٰ کی زمین فراخ نہ تھی کہ تم اُس میں گھر بار چھوڑ کر نکل جاتے سو ایسے لوگوں کا ٹھکانا جہنم ہے اور بُرا مرجع ہاں مگر وُہ ضعفا مردوں اور عورتوں اور بچوں میں سے جو حیلہ کی طاقت نہیں رکھتے اور نہ راہ پا سکتے ہیں تو عنقریب حق تعالیٰ اُن سے معاف فرمائے گا کیونکہ وہ نہایت معاف کرنے والا اور مغفرت کرنے والا ہے اس آیت میں حق تعالیٰ نے وجوب ہجرت غیر مستضعفین پر فرما کر مستضعفین کو معافی دی تھی چنانچہ اسی آیت سے مفسرین شیعہ نے مسئلہ وجوب ہجرت استنباط کیا ہے مفسر صافی اپنی تفسیر[1] میں لکھتے ہیں

وفی الایۃ دلالۃ علی وجوب الھجرۃ من موضع
لایتمکن الرجل فیہ من اقامۃ دینہ۔

اس آیت میں ایسی جگہ سے ہجرت کے واجب ہونے پر دلالت ہے

[1] تفسیر صافی ص ۱۳۰ پارہ ۵ طبع طہران

جس جگہ آدمی کو اپنے دین کی اقامت پر قدرت نہ ہو۔

تو جناب امیرؓ نے ہجرت کو بیان فرما کر استضعاف کو بیان فرمایا جس کا حاصل یہ ہے کہ جس شخص کو حجت پہنچ چکی ہو اور اُس کے کانوں نے سُن لی ہو اور اس کے دل نے یاد کر لی۔ اُس پر اسم استضعاف واقع نہیں ہو سکتا تو اُس پر موضع خلاف سے ہجرت واجب ہوگی۔ جبکہ وہ شرائع دین کی اقامت پر وہاں قادر نہیں اور وہاں اُس کو اقامت حرام ہوگی اب ہم پوچھتے ہیں کہ جناب امیرؓ اور دیگر آئمہ کو جو دار الخلاف میں مقیم تھے اور اظہار دین پر متمکن نہیں تھے اور دین کو تقیہ کے پردے میں چھپا رکھا تھا حجۃ اللہ پہنچ چکی تھی اور اُن کے کانوں نے سُن لی تھی اور اُن کے دلوں نے یاد کر لی تھی یا نہیں؟ اگر نہیں پہنچی تھی تو آئمہ جاہل عن الحجۃ تھے جو منصب امامت کے منافی ہے اور اگر پہنچ گئی تھی تو دار الخلاف سے اُن پر ہجرت بموجب حکم نص صریح واجب ہو چکی تھی چنانچہ صاحب بہجۃ الحدائق کہتا ہے

والحق بعضہم بلاد الشرک بلاد الخلاف التی لا یتمکن فیہا المومن من اقامۃ شعائر الایمان مع الامکان۔

بعض علماء نے نواصب و خوارج کے شہروں کو جس جگہ مومن اپنے اسلامی شعائر قائم نہیں کر سکتا کافروں کے شہروں کی ساتھ ملا دیا ہے۔

پس بسبب ترک ہجرت مامورہ عاصی اور معاذ اللہ مورد وما واھم جھنم وساءت مصیرا کے ہوئے اور یہ بھی منصب امامت کے سراسر مخالف ہے۔ تو اس سے ثابت ہُوا کہ وہ دار دار حرب اور دار خلاف ہی نہ تھا بلکہ وہ دار الاسلام اور دار وفاق تھا اور ظاہر ہے کہ اگر خلفاء رضی اللہ عنہم جابر اور غاصب ہوتے اور تمام صحابہ مرتد ہوتے اور دین کو اور قرآن کو درہم برہم کرتے تو

بالیقین وہ دارحرب سے بھی بدتر دارخلاف ہوتا ہے اور ہجرت وہاں سے لازم ہوتی
لیکن جب ائمہ کرام نے وہاں سے ہجرت نہیں فرمائی تو ثابت ہوا کہ وہ دار دارہجرت
نہیں تھا اور نیز ثابت ہوا کہ خلفاء ثلثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم امام حق اور خلیفۂ راشد تھے
توخلافت بلافصل جناب امیر باطل ہوگئی۔ وھو المدعا۔ وبطل ما ادعاہ الشیعۃ
من الامامۃ الغیر المنفصلۃ لہٗ والحمد للہ علی ذلک۔

گیارہویں دلیل — اگر خلفاء ثلثہؓ باغی ہوتے تو جناب امیرؓ ان سے جہاد کرتے — ازاں جملہ خطبہ قاصعہ کا ایک جملہ ہے۔

الا وقد امرنی اللہ بقتال اھل البغی والنکث والفساد
فی الارض فاما الناکثون فقد قاتلت واما القاسطون
فقد جاھدت واما المارقۃ فقد دوخت انتھی بقدر الحاجۃ

خبردار اللہ تعالیٰ نے مجھ کو بغاوت کرنے والوں اور بیعت توڑنے والوں
اور زمین میں فساد کرنے والوں کے قتال کا امر فرمایا تھا سو میں نے بیعت
توڑنے والوں کے ساتھ قتال کیا اور ظلم کرنے والوں سے جہاد کیا، اور
خارجیوں کی بیخ کنی کردی۔ (ترجمہ از مولانا میرٹھیؒ) [1]

اس کلام سے واضح ہے کہ جناب امیرؓ کو اہل بغی اور نکث اور فساد فی الارض
کے ساتھ قتال کا حکم تھا تو اگر خلفاء ثلثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اہل بغی ونکث وفساد فی الارض
ہوتے اور آپ خلاف امر الٰہی ان سے قتال نہ کرتے تو آپ عاصی اور نافرمان ہوتے
اور جب آپ نے خلفاء ثلثہ سے قتال نہ کیا بلکہ بیعت کرکے مطیع رہے تو ثابت ہوا
کہ حضرت امیر خلیفۂ بلافصل نہیں تھے اور اس کلام سے یہ بھی ثابت ہوا کہ صبر و
سکوت کی وصیت اور ابن میثم بحرانی کا قول

وکان معھودا الیہ ان لا ینازع فی امر الخلافۃ بل

[1] نہج البلاغۃ ص ۱۸۷ جلد ۲ طبع بیروت ۱۹۰۰ء

ان حصل لہ بالرفق والا فلیمسک

اور آپ پر مقرر ہو چکا تھا کہ خلافت کے بارہ میں نزاع نہ کریں بلکہ اگر
بنرمی آپ کو ہاتھ لگ جاتے فبہا ورنہ لڑائی جھگڑے سے اپنے آپ کو روکیں۔

اور نیز اس قسم کے دیگر اقوال سب صحیح اور موافق اہل حق ہیں۔ یہ امر بالسکوت اور
بعدم منازعت محض بوجہ حقیت خلافت تھا اور حضرات شیعہ کا یہ گمان کہ صبر و سکوت
اور عدم منازعت کا حکم بسبب عجز اور عدم اعوان کے تھا یا بسبب کسی حکمت
غامضہ اور سر کے تھا جس کی اطلاع بجز حق تعالیٰ کسی کو نہیں ہے محض غلط اور تکذیب
امام معصوم ہے اور یا محض افترا و اختلاق ہے۔

بارہویں دلیل — رعایا کی صلاحیت، حاکم کی صلاحیت کا پرتو ہے — ازاں جملہ نہج البلاغت کے چند جملے ہیں [1]

واعظم ما افترض سبحانہ لکل
علی کل فجعلھا نظاما لالفتھم وعزا لدینھم فلیست تصلح الرعیۃ الا بصلاح
الولاۃ ولا یصلح الولاۃ الا باستقامۃ الرعیۃ فاما اذا ادت الرعیۃ
الی الوالی حقہ وادی الوالی الیھا حقھا عز الحق بینھم وقامت مناھج الدین
واعتدلت معالم العدل وجرت علی اذلالھا السنن فصلح بذلک الزمان
وطمع فی بقاء الدولۃ ویئست مطامع الاعداء واذا غلبت الرعیۃ والیھا
او اجحف الوالی برعیتہ اختلفت ھنالک الکلمۃ وظھرت معالم الجور وکثر
الادغال فی الدین وترکت محاج السنن الخ

حاصل کلام یہ ہے کہ حق تعالیٰ سبحانہ کے فرائض میں سب سے بڑا فرض
یہ ہے جو بعض کے ذمہ بعض کے حقوق مقرر کئے اور اس کو ان کے دین کی عزت اور
باہمی الفت کے انتظام کا سبب قرار دیا رعیت کی اصلاح صرف حکام کی اصلاح کے
ساتھ وابستہ ہے اور حکام کی صلاحیت صرف رعیت کی استقامت کے ساتھ

[1] یہ اس خطبے کا اقتباس ہے جو حضرت امیر نے صفین میں ارشاد فرمایا۔ ملاحظہ ہو نہج البلاغۃ ص ۲۲ جلد

مرتبط ہے جب رعیت حاکم کا حق ادا کرے اور حاکم رعیت کا حق ادا کرے تو حق کو عزت ہوگی اور شرائع دین قائم ہوں گے اور عدل کے معالم اعتدال پر ہوں گے اور سنن اسلامیہ اپنے طریق پر جاری ہوں گے اور سلطنت اسلام کے بقا کی اُمید ہوگی۔ اور دشمنوں کی طمعیں مایوس ہو جائیں گی۔ اور رعیت اپنے حاکم پر غالب ہو جائے اور حاکم رعیت کی بیخ کنی کے درپے ہو تو اُس وقت باہم کلمہ مختلف ہوگا اور معالم جور ظاہر ہوں گے اور دین میں فساد کثیر ہوگا اور سُنن اسلام کے راستے متروک ہو جائیں گے تو اس کلام ہدایت نظام میں حضرت رضی اللہ عنہ نے امامت حقہ اور حکومت باطلہ کے حصول و عدم حصول اغراض اور مقاصد اور اُس کے اسباب کو بیان فرمایا اور اُس کے حصول اور عدم حصول کو دو جانبوں کے ساتھ وابستہ کیا کہ امامت کا رشتہ مابین رعایا و حکام ہے اُس کی صلاحیت کے لئے دونوں کی صلاحیت اور خیریت کی ضرورت ہے صرف ایک کی صلاحیت کافی نہیں ہے اور دونوں میں ہر ایک کی صلاحیت دُوسری کی صلاحیت کی موقوف علیہ ہے رعیت کی صلاح حکام کی صلاح پر موقوف ہے اور حکام کی صلاح رعیت کی صلاح کے ساتھ منوط و مربوط ہے جب یہ حضرت رضی اللہ عنہ کا قاعدہ فرمودہ ذہن نشین ہوگیا تو اب مذہب شیعہ میں غور کرنا چاہیئے کہ انہوں نے صرف امام معصوم منصوص من اللہ کی بعثت و نصب کو جزو مذہب اور لازم قرار دیا اور حق تعالےٰ پر واجب گردانا عصمت تو اس وجہ سے کہ خطا اور غلطی کا احتمال نہ رہے اور وجوب علی اللہ اس وجہ سے کہ منافی لطف نہ ہو تو بروئے مذہب شیعہ رعیت کی صلاح صرف امام معصوم کے ساتھ ہی متعلق رہی رعیت کیسی ہی مفسد و خراب ہو پر جب خدا تعالیٰ امام معصوم فرمائے گا تو اپنے فرض منصبی سے سبکدوش اور بری الذمہ بروئے مذہب ان صاحبوں کے ہو جائے گا اور یہ امر صریح اس ارشاد مذکور کے بالکل خلاف ہے۔ اس قول میں تو صاف یہ مذکور ہے کہ ولا تصلح الولاۃ الا

باستقامۃ الرعیۃ ائمہ کی صلاحیت رعیت کی صلاحیت اور استقامت پر موقوف ہے اگر رعیت بد دین اور مفسد ہوگی تو معلوم ہوگا کہ حکام بھی صالح للامامت نہیں ہیں اس لئے کہ حکام بمنزلۂ قلب ہیں اور رعیت جوارح، تو رعیت میں صلاح حکام کی صلاح کا پرتو ہوگا اور رعیت کا فساد حکام کے فساد کا نتیجہ ہوگا۔

الا فی الجسد مضغۃ اذا صلحت صلح الجسد کله واذا
فسدت فسد الجسد کله الا هی القلب

آگاہ ہو کہ بدن میں گوشت کا ایک لوتھڑا ہے جس وقت وہ صلاحیت پذیر ہوتا ہے تمام جسم کو صلاحیت ہوتی ہے اور جس وقت اُس میں فساد پیدا ہوتا ہے تمام جسم خراب ہو جاتا ہے۔ آگاہ ہو کہ وہ دل ہے۔ (ترجمہ از مولانا پیر بخش)

مگر جس جگہ دونوں موالف ہوں گے اور ایک دوسرے کے حقوق ادا کرتے ہوں گے اُس وقت خلافت حقہ اور امامت راشدہ کے اغراض و مقاصد پُورے پُورے ظاہر ہوں گے اور وہ امامت راشدہ ہوگی اور اگر ایک دُوسرے کے حقوق ادا نہ کریں اور رعیت اپنے حاکم پر غالب ہو جائے تو اغراض و آثار خلافت جائرہ کی ظاہر ہوں گی اور جور اور فساد فی الدین شائع ہوگا تو وہ خلافت جائرہ ہوگی اور جب اس قاعدہ فرمودہ حضرت رض کو ملحوظ رکھ کر احوال خلافتوں میں بنظر تفصیل دیکھا جائے تو واقعات پر نظر ڈالنے سے واضح ہو جاتا ہے کہ پہلی خلافتوں میں استقامت رعیت اور صلاحیت ولاۃ یہاں تک تھی کہ اُن کے اعداء مخالفین تک کو بھی بجز تسلیم چارہ نہ ہُوا۔ چنانچہ علامہ کمال الدین ابن میثم بحرانی جب شکنجہ اعتراض میں کھینچا گیا تو بے ساختہ کہیں تو کہہ اُٹھے

وقد کان لهم من سلف من الخلفاء استقامۃ مر

اور تحقیق واسطے متقدمین خلفاء کے استقامت فی الامر تھی۔ (ترجمہ از مولانا پیر بخش)

اور کسی جگہ یہ فرمایا کہ ۔

الفرق بین الخلفاء الثلثة و بین معٰویة فی اقامة

حدود اللہ والعمل بمقتضیٰ اوامرہ ونواھیه ظاھر

خلفاء ثلثہ اور امیر معاویہ رضوان اللہ علیہم میں حدود اللہ کے جاری کرنے اور اس کے

اوامر و نواہی کے مطابق عمل کرنے میں نہایت کھلا فرق ہے

اور جناب امیر رضی اللہ عنہ کی خلافت میں صلاحیت رعیت حاصل نہ ہوئی اور رعیت نے اپنے حاکم کے حقوق ادا نہ کئے نہ حق کو غلبہ حاصل ہوا ۔ اعداء کے دندان طمع تیز ہو گئے بقاء دولت کی اُمید منقطع ہو گئی زمانہ باہمی قتل و قتال اور فتنہ فساد سے پُر رہا تو اب ایسی حالت میں فرمائیے کہ حسب قاعدہ فرمودہ حضرت کونسی خلافت خلافت راشدہ رہی اور کونسی جائرہ اس قاعدہ مذکورہ کے مطابق تو قطعاً اور یقیناً خلافتہائے ثلثہ خلافت راشدہ ہیں اور جناب امیر رضی اللہ عنہ کی خلافت خلافت جائرہ ثابت ہوئی اور اگر جناب امیر کی خلافت کی بابت ہم تعرض نہ کریں اور چشم پوشی کریں تو پہلی خلافتوں کا خلافت راشدہ ہونا بے دغدغہ ثابت ہوتا ہے اور یہ بھی ہماری مُثبت مدعا ہے کیونکہ جب پہلی خلافتوں کا خلافت حقہ ہونا حضرت کے ارشاد سے ثابت ہو گیا تو خلافت بلا فصل جو اصل مذہب تشیع ہے باطل ہو گئی ۔ وھو المدعا وللہ الحمد ۔

تیرھویں دلیل

حضرات شیخین رضی اللہ عنہما کا موصوف باوصاف حمیدہ ہونے کا علماء شیعہ سے اقرار

ازاں جملہ آپ کا کلام ہے[1]

للہ بلاد فلان فلقد قوم الاود وداوی العمد خلف الفتنة واقام السنة ذھب نقی الثوب قلیل العیب اصاب خیرھا وسبق شرھا ادی الی اللہ طاعته واتقاہ بحقه رحل وترکھم فی طرق متشعبة لا یھتدی فیھا الضال ولا یستیقن المھتدی

یہ آپ کا کلام کسی بڑے جلیل القدر صحابی کی تعریف میں آپ نے فرمایا ہے ۔ حاصل اس کا

[1] نہج البلاغۃ ج ۲ ص ۲۴۲ طبع بیروت ۱۳۰۴ھ

یہ ہے کہ خدا کے لئے ہے فلاں شخص کی بھلائی جس نے خلق کی صراط مستقیم سے کجی کو سیدھا کیا اور امراض نفسانی کا علاج کیا اور فتنہ کو پیچھے چھوڑا اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو برپا رکھا پاک دامن بے عیب دنیا سے سدھارا خلافت کے خیر کو پایا اور اس کے شر سے بچ گیا ۔ اللہ کی طاعت بجا لایا اور اس سے ڈرا حق ڈرنے کا لوگوں کو ایسے پریشان رستوں میں چھوڑ کر جن میں نہ گمراہ راہ یاب ہو سکے اور نہ راہ یافتہ اپنی راہ یافتگی کا یقین کر سکے کوچ فرما گیا اِس کلام میں بعض اکابر شیعہ نے مسخ و تحریف فرمائی ہے کہ بجائے ممدوح کے نام کے لفظ فلاں لکھ دیا اور یہ چالاکی اس لئے کی کہ خصم کو گنجائش استدلال اور مذہب کے ابطال کی باقی نہ رہے یہاں سے حضرات کی ایمانداری و دیانتداری کا اندازہ ہو سکتا ہے کہ عمداً معصوم کے کلام کو تحریف و مسخ کیا ہاں اگر کسی کی مذمت ہوتی تو شاید اندیشہ فتنہ یا تقیہ اجازت دے دیتا کہ نام سے لفظ فلاں کے ساتھ کنایہ کیا جائے مگر یہاں تو اخفاء نام سے بجز ابطال حق اور احقاق باطل اور کچھ مدنظر نہیں ہے جس کو غالباً حضرات اہل تشیع بھی کفر کے فتوے سے یاد فرمائیں گے لیکن باوجود اس ایمانداری کے کچھ کام نہ چلا اور بھید کھل گیا کیونکہ اوصاف مذکورہ فی الکلام نے شراح کو مجبور کر دیا کہ وہ اظہار امر حق سے باز نہ رہ سکے گو بعض شراح نے بھی اپنی مصنوعی اور اصطلاحی ایمانداری کے مقتضی سے حق کے اخفاء میں بہت کچھ سعی کی مگر ڈوبتے کو تنکے کا سہارا کافی نہ ہوا ۔ تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ قطب الاقطاب شیعہ قطب راوندی نے اپنی شرح میں اس لفظ مبہم فلاں کی نسبت یہ فرمایا تھا کہ اس سے مُراد بعض صحابہ ہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ حیات میں وفات کر گئے اس پر علامہ ابن ابی الحدید نے اپنی شرح میں اس کی تغلیط کی اور کہا کہ یہ بعید ہے کیونکہ الفاظ مدح سے صاف ظاہر ہے کہ یہ ایسے شخص کی مدح ہے جو صاحب حکومت اور صاحب رعیت ہو بلکہ مراد اس سے عمر رضی اللہ عنہ بن الخطاب ہے اور اُس نے

یہ بھی لکھا کہ

قد وجدت النسخة التی بخط الرضیؒ و تحت فلان عمر وحدثنی بذلک فخار بن معد الموسوی سالت ابا جعفر النقیب رح فقال لی ھو عمرؓ فقلت له اثنی علیه امیر المومنین علیه السلام ھذا الثناء فقال نعم اما الامامیة فیقولون ان ذلک من التقیة و استصلاح اصحابه و اما الجارودیة من الزیدیة فیقولون انه کلام فی امر عثمان اخرجه مخرج الذم والنقص لاعماله فیکون ذلک تعریضاً به فقلت له الا انه لایجوز التعریض الا اذا کان ذلک المدح صدقا لایخالطه ریب ولا شبهة فلم یجبنی بشیء وقال ھو ما قلت لک ۔

میں نے پایا رضی کے ہاتھ کے لکھے ہوئے اس نسخہ کو جس میں لفظ فلاں کے نیچے عمرؓ لکھا ہوا تھا اور مجھ سے بیان کیا فخار بن معد موسوی نے کہ میں نے ابو جعفر نقیب سے اس لفظ کی بابت دریافت کیا تو اُس نے جواب دیا کہ لفظ فلاں سے مراد عمرؓ ہے میں نے تعجب سے پوچھا کہ کیا امیر المومنین علیہ السلام نے عمرؓ کی تعریف کی اور اس قدر تعریف اُس نے جواب دیا ہاں لیکن امامیہ کہتے ہیں کہ امیر المومنین علیؓ نے تقیہ کیا اور بمصلحہ اصحاب عمر کی دلداری کی وجہ سے تعریف کی اور جارودیہ فرقہ زیدیہ میں سے اس کا قائل ہے کہ یہ عثمانؓ کی شان میں ہے اور عثمان کی مذمت اور نقص اعمال کا بیان ہے پس اس صورت میں ہو جائے گی تعریض نہ مدح ۔ راوی کہتا ہے کہ میں نے اُس کو جواب دیا کہ تعریض جائز نہیں ہو سکتی مگر اس وقت کہ مدح صادق

ہو اور اُس مدح میں شک و شبہ کا دخل نہ ہو۔ پس ابو جعفر نے اس بات کا کچھ جواب نہ دیا اور کہا کہ بات وہی ہے جو میں تجھ سے کہہ چکا ہوں۔ (ترجمہ از مولانا میر محمدؒ)

کوئی کاش قطب صاحب سے پوچھتا کہ حضرت اس خطبہ کی شرح میں آپ نے کچھ عقل و فہم سے بھی کام لیا ہے یا اپنی دین و دیانت کی طرح اُس کو بھی خیرباد فرمادیا ذرا یہ تو فرمادیجئے کہ جس صحابی کو آپ نے اس کا مصداق قرار دیا ہے اُس کا نام کیا ہے کس جگہ کا رہنے والا ہے کس قبیلے میں کا ہے کیونکہ جو شخص ان اوصاف کے ساتھ متصف ہوگا ممکن نہیں ایسا جلیل القدر مجہول اور مستور ہو ضرور ہے کہ ایسا شخص صحابہؓ میں معروف و مشہور ہوگا پھر یہ فرمایئے کہ جو شخص بحیات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وفات پا گیا ہو اُس پر یہ جملے اصاب خیرھا و سبق شرھا رحل وترکھم فی طرق متشعبة لا یھتدی فیھا الضال ولا یستیقن المھتدی کیونکر صادق ہو سکتے ہیں۔ لہٰذا قطب صاحب کے وساوس و تخیلات محض نفسانی خلاف عقل و نقل بالکل لغو اور پوچ ہیں پس مراد لفظ فلاں سے عجب نہیں کہ مطابق تصریح شارح ابن ابی الحدید عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہوں اور علامہ کمال الدین بن میثم بحرانی اپنی شرح کبیر میں لکھتا ہے :-

قوله لله بلاد فلان لفظ یقال فی معرض المدح کقولهم لله درہ ولله ابوہ واصله ان العرب اذا اراد واحدح شیئ و تعظیمه نسبوہ الی الله تعالی بھذا اللفظ وروی لله بلاء فلان ای عمله الحسن فی سبیل الله والمنقول ان المراد بفلان عمرؓ وعن القطب الراوندی انه انما اراد بعض اصحابه فی زمن رسول الله ممن مات قبل وقوع الفتنه وانتشارھا وقال ابن ابی الحدید رد ان ظاھر الاوصاف

المذکورۃ فی الکلام یدل علی انہ اراد رجلا ولی امر الخلافۃ قبلہ لقولہ قوم الاود وداوی العمد ولم یرد عثمانؓ لوقوعہ فی الفتنۃ وتشعہا بسببہ ولا ابا بکرؓ لقصر مدۃ خلافتہ وبعد عہدہ عن الفتن فکان الاظہر انہ اراد عمرؓ واقول ارادتہ لابی بکر اشبہ من ارادۃ لعمر لما ذکرہ فی خلافۃ عمرؓ وذمہا بہ فی خطبتہا المعروفۃ بالشقشقیۃ کما سبقت الاشارۃ الیہ۔

قولہ للہ بلاد فلاں الخ یہ ایک لفظ ہے کہ مقام مدح میں بولا جاتا ہے مثل للہ درہ وللہ ابوہ کے اور اس کی اصل یہ ہے کہ عرب جس وقت کسی شے کی تعریف کا یا تعظیم کا ارادہ کرتے ہیں تو اس شے کو اس لفظ کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کر دیتے ہیں اور روایت کیا جاتا ہے۔ للہ بلاد فلاں یعنی اُس کے اعمال حسنہ فی سبیل اللہ ہیں اور منقول ہے کہ لفظ فلاں سے مُراد عمرؓ ہے اور قطب راوندی سے روایت ہے کہ مراد لفظ فلاں سے بعض اصحاب علی سے ہیں جو زمانہ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں وقوع فتنہ اور اس کے انتشار سے پہلے وفات پا گئے تھے اور ابن ابی الحدید کہتا ہے کہ ظاہر اوصاف مذکورہ اس پر دال کہ مُراد ایسا شخص ہے جو حضرت سے پیشتر متولی امر خلافت ہو چکا ہے کیونکہ اپنی قوم الاود اور داوی العمد ذکر کیا ہے اور عثمانؓ تو مُراد نہیں ہو سکتے کیونکہ وہ فتنہ میں پڑے اور اُن کے سبب فتنہ پھیلا اور ابو بکر بھی بسبب کمی مدت خلافت اور چونکہ اُن کا زمانہ فتنوں سے بعید ہے مراد نہیں تو اظہر یہ ہے کہ عمرؓ مُراد ہیں اور میں کہتا ہوں کہ ابو بکرؓ کا مُراد ہونا بہ نسبت عمرؓ کے حق سے زیادہ مشابہ ہے کیونکہ عمرؓ کی خلافت کے

معائب بیان کئے اور اپنے خطبہ شقشقیہ میں اُس کی مذمت کی چنانچہ اس کی طرف اشارہ ہو چکا ہے ۱۲۔ (ترجمہ از مولانا عاشق الٰہی میرٹھی)

اوّل تو باتفاق تمام شراح یہ کلام مدح ہے بلکہ مدح بھی غایت مدح اور مدائح میں سب سے بالاتر اور عالی رتبہ تو جن فہم و انصاف کے دشمنوں نے اس کلام کو موقع تعریض میں داخل کر کے مسخ کیا ہے اور ان اوصاف مذکورہ کو ایسے معانی پر حمل کیا ہے جس سے مدح نہ پیدا ہو وہ لائق التفات نہیں اور نیز یہ بھی متفق علیہ شراح ہے کہ موصوف ان اوصاف کا وہ ہے جو حضرت امیر کے زمانہ سے پیشتر خلیفہ ہو چکا تو محمد بن ابی بکر کا ارادہ کرنا لغو اور باطل ہوا۔ دوسرے شارح نے قطب راوندی کے قول کی طرف التفات نہیں فرمایا۔ معلوم ہوا کہ اُس کو یہ ظاہر کرنا مدنظر ہے کہ یہ قول لغو اور بیہودہ گوزشتر سے زیادہ وقعت نہیں رکھتا۔ تیسرے شارح کے اور ابن ابی الحدید کے بیان سے یہ بھی ثابت ہو گیا کہ منقول بہ نقل معتمد یہ ہے کہ موصوف ان اوصاف کا عمرؓ ہے مگر قرائن عقلیہ کے اعتبار سے باہم صرف اس قدر خلاف ہے کہ باعتبار اظہر و اشبہ ہونے کے کون مراد ہے۔ ابن ابی الحدید کہتا ہے کہ اظہر یہ ہے کہ مراد عمرؓ ہے کیونکہ ایسا شخص مراد ہے جو آپ سے پیشتر متولی امر خلافت ہوا، اور عثمانؓ تو قطعاً مراد نہیں کیونکہ اُن کے زمانہ میں فتنہ پھیلا اور ابو بکرؓ بھی مُراد نہیں کیونکہ اُن کی مدت خلافت کوتاہ ہے اور اُن کا زمانہ خلافت فتنوں سے بعید ہے لہٰذا اظہر یہ ہے کہ عمرؓ مُراد ہوں گے ابن میثم نے کہا کہ میرے نزدیک عمرؓ کے مُراد ہونے سے ابو بکرؓ کا مراد ہونا اشبہ بالحق ہے اس لئے کہ خطبہ شقشقیہ میں خلافت عمرؓ کی مذمت ہے حاصل مطلب ابن ابی الحدید اور ابن میثم کا یہ ہے کہ دونوں شیخین ابو بکرؓ و عمرؓ رضی اللہ عنہم مُراد ہو سکتے ہیں اس میں چون و چرا نہیں چنانچہ لفظ اظہر و اشبہ کا اس پر دلالت کرتا ہے مگر صرف اس میں خلاف ہے کہ ترجیح کس کو ہے ابن ابی الحدید کے نزدیک

ترجیح عمرؓ کو ہے کہ نقل سے بھی ثابت ہے اور قرینۂ عقلیہ بھی اس پر دلالت کرتا ہے
اور ابن میثم کی رائے میں ابوبکرؓ کو باعتبار قرینہ عقلیہ کے ترجیح ہے گو نقل کے اعتبار سے
عمرؓ کو ہی ترجیح ہو پس ظاہر ہو گیا کہ مراد لفظ فلاں سے ابوبکرؓ یا عمرؓ ہیں اور یہ مسخ و
تحریف صرف اسی لئے کی گئی تھی کہ اس ابہام نام کی وجہ سے کسی کو گنجائش ابطال
تشیع کی نہ رہے مگر وہ راز کھل گیا اور شراح نے پردہ فاش کر دیا اور اگر بالفرض
شراح تصریح نہ کرتے تو بھی بروئے عقل سلیم بجز ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہم کے اور کوئی
محل ان اوصاف کا نہیں ہو سکتا تھا۔ تو اب بروئے عقل و نقل اور بیان شراح ثابت
ہوا کہ موصوف اوصاف کا یا ابوبکرؓ ہیں یا عمرؓ اور جو صاحب ان میں سے مراد ہوں،
ہمارا مدعا حاصل ہے ہم کو اس کی ضرورت نہیں کہ ترجیح کے درپے ہوں اور دلائل ترجیح
میں غور کریں کہ کس کا مراد ہونا راجح ہے اگر ابوبکرؓ مراد ہیں اس وقت بھی ہمارا مطلب
حاصل ہے اور اگر عمرؓ مراد ہیں جب بھی ہمارا مدعا حاصل ہے۔ کیونکہ جن اوصاف
کے ساتھ حضرت نے اس کلام میں تعریف فرمائی ہے وہ غایت مدح اور مستلزم
خلافت حقہ موصوف کو ہے۔ علامہ ابن میثم نے اوصاف مذکورہ کی نہایت خوبی سے
تحریر و تصریح فرمائی ہے لہٰذا ہم اس کی ہی نقل عبارت پر اکتفا کرتے ہیں۔

وقد وصفه بامور احدها تقويمه للاود وهو كناية
عن تقويمه لاعوجاج الخلق عن سبيل الله الى الاستقامة
فيها الثانى مداواته للعمد واستعار لفظ العمد للامراض
النفسانيه باعتبار استلزامها للاذى كالعمد ووصف
المداواة المعالجة تلك الامراض بالمواعظ البالغة والزواجر
القارعة القولية والفعلية الثالثة اقامته للسنة و
لزومها الرابع تخليفه للفتنة اى موته قبلها وجه

كون ذلك مدحا له هو اعتبار عدم وقوعها بسببه وفى
زمنه لحسن تدبيره الخامس ذهابه نقى الثوب و
استعار لفظ الثوب لعرضه ونقاءه لسلامته عن
دنس المذام السادس قلة عيوبه السابع اصابته خيرها
وسبق شرها والضمير فى الموضعين يشبه ان يرجع
الى معهود ما هو فيه من الخلافة اى اصاب ما فيها من
الخير المطلوب وهو العدل واقامة دين الله الذى به يكون
الثواب الجزيل فى الاخرة والشرف الجليل فى الدنيا وسبق
شرها اى مات قبل وقوع الفتنة فيها وسفك الدماء
لاجلها الثامن اداءه الى الله طاعته التاسع اتقاءه له
بحقه اى اداء حقه خوفاً من عقوبته العاشر رحيله
الى الاخرة تاركاً للناس بعده فى طرق متشعبة من
الجهالات لا يهتدى فيها من ضل عن سبيل الله و لا
يستيقن المهتدى فى سبيل الله انه على سبيله لاختلاف
طرق الضلال وكثرة المخالف له اليها انتهى بقدر الحاجة۔

بلکہ اگر ان اوصاف میں بغور و تامل نظر کی جائے تو یہ اوصاف مثبت عصمت
موصوف کو ہیں۔ جو عند الشیعہ شرط امامت ہے کیونکہ آپ نے چند امور کے ساتھ تعریف
فرمائی ہے جن کی تعداد دس وصف ہیں۔ وصف اول تو یہ ہے کہ خلق میں اللہ کے راستہ
سے جو انحراف اور کجی تھی اس کو اس ممدوح نے ان سے دور کر کے سیدھا کر دیا اور راہ
استقامت پر لگا دیا یہ کام ظاہر ہے کہ بجز نبی یا امام معصوم کے کسی دوسرے سے نہیں
ہو سکتا۔ دوسرا وصف یہ ہے کہ اس ممدوح نے اپنے نصایح قولیہ اور دھمکیوں فعلیہ

کے ساتھ خلق کے امراض نفسانیہ کا علاج کیا۔ اور یہ بھی بدون امام حق اور عصمت ناممکن
بلکہ سچ پوچھو تو صرف نصایح و زواجر کا یہ ثمرہ نہیں بلکہ مواعظ و زواجر ظاہر کا اور فیض
صحبت اور قوت نورانیت باطنہ دونوں کا نتیجہ ہے پس شارح کا ظاہر پر اکتفا کرنا بصیرت
کی قلت کی وجہ سے ہے۔ تیسرا وصف یہ ہے کہ اُس ممدوح نے سنت رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم کو خلق میں قائم رکھا اور خود بھی اُس کو لازم پکڑا اور یہ خلیفہ راشد
کا ہی منصب ہے۔ چوتھا وصف یہ ہے کہ اُس ممدوح کا دامن غبار فتنہ سے پاک رہا اور
واقع ہونے فتنہ سے پیشتر انتقال فرما گیا۔ شارح کہتا ہے کہ اُس کو اس وجہ سے مدح
قرار دیا ہے کہ اُس کی حسن تدبیر کی وجہ سے اُس کی امامت و خلافت میں کوئی فتنہ
پیدا نہیں ہوا۔ اور نیز اُس کے سبب سے کوئی فتنہ نہیں اُٹھا اور شارح کا یہ خیال
بھی نظر بصیرت کی کوتاہی کی وجہ سے ہے ورنہ صرف حسن تدبیر کا یہ کام نہیں ہے اگر
حسن تدبیر کا ہی یہ کام تھا تو کیا حسن تدبیر امام کو نہیں آتی تھی اور نیز حسن تدبیر عصمت
سے اور امامت سے بہتر ہوتی کہ جس قدر تائید و تقویت دین کو اُس سے حاصل ہوتی
امامت اور عصمت سے نہ ہوتی بلکہ یہ وعدہ حق جل و علا کا مصداق ہے کہ اُس کے مطابق
استخلاف حق اور تمکین دین اور تبدیل خوف بامن فرما دیا اس وصف نے تو ممدوح کا
رتبہ امام معصوم بلکہ افضل الائمہ سے بھی بالاتر کر دیا اور اس کا مطلب بعینہ وُہ ہے جو آپ
نے اپنے قول واللہ لا سلمن ما سلمت امور المسلمین میں فرمایا تھا و کلام
الامام یصدق بعضہ بعضا کالحدیث۔ پانچواں وصف یہ ہے کہ وہ ممدوح
اس دنیا سے ایسی طرح رخصت ہوا کہ اُس کا لباس آبرو مذمتوں کے دھبوں سے
پاک و صاف رہا اور میں کہتا ہوں کہ جیسا اُس کا پیراہن آبرو مذمتوں کے دھبوں
سے پاک رہا۔ اسی طرح اُس کا لباس اسلام نجاست معاصی سے بھی پاک اور
منزہ رہا۔ چھٹا وصف یہ ہے کہ وہ ممدوح قلیل العیب تھا میں کہتا ہوں کہ اگر

عیب سے وہ مراد ہو جو زلات و صغائر اور سہو و خطا کو بھی شامل ہے تو لفظ قلیل
اپنے ظاہری معنی میں مستعمل ہوگا ورنہ بمعنی عدم کے ہوگا جیسا مفسرین نے فقلیلاً
ما یومنون کی تفسیر میں تحریر فرمایا ہے اور یہ بھی اعلیٰ درجے کی تعریف و مدح ہے
جس کا مصداق بجز معصوم کے دوسرا کوئی نہیں ہو سکتا۔ ساتواں وصف یہ ہے
کہ وُہ ممدوح خلیفہ ہو کر خلافت کے خیر کو پہنچا اور وہ خیر مطلوب عدل و انصاف اور
اقامت دین اللہ ہے جس کے سبب سے دُنیا میں شرف جلیل اور آخرت میں
ثواب جزیل حاصل ہوتا ہے اور خلافت کے ظاہری و باطنی شر سے بالکل محفوظ
رہا اور فتنوں کے واقع ہونے اور بسبب خلافت کے خونریزی سے پیشتر وفات
پا گیا اور یہ مدح تو خلیفہ راشد اور امام حق کے رتبہ سے بھی بالاتر ہے۔ آٹھواں
وصف یہ ہے کہ اُس ممدوح نے اللہ تعالیٰ کی طاعت کی پوری بجا آوری کی۔ نواں
وصف یہ ہے کہ اُس ممدوح نے اپنے پروردگار کی عقاب کے خوف سے اُس کے
حق کو پورا ادا کیا اور یہ دونوں وصف بھی مساوی عصمت ہیں جو نبی یا امام معصوم کے
سوا کسی دوسرے میں نہیں پائے جا سکتے۔ دسواں وصف یہ ہے کہ وُہ ممدوح اپنے بعد
لوگوں کو جہالت کے ایسے پریشان راستوں میں چھوڑ کر آخرت کی طرف چلا گیا کہ نہ
اُن میں اللہ تعالیٰ کے راستے سے گمراہ راہ یاب ہو سکے اور نہ اللہ تعالیٰ کا راہ یاب
اپنی راہ یابی کا یقین کر سکے (گمراہی کے راستوں کے اختلاف اور مخالفین راہ حق کی
کثرت کے سبب سے) اللہ اکبر یہ وصف تو حضرت نے ایسا عظیم الشان بیان
فرمایا کہ اگر مبالغہ نہ سمجھا جاوے تو امام معصوم بلکہ نبی میں مشکل سے ملے گا۔ کیوں کہ
نبی کے بعد امام کا اور امام کے بعد دوسرے امام کا پایا جانا لابدی ہے تو اُس سے
صاف ثابت ہوا کہ اُس کے انتقال کے بعد کوئی امام حق بھی موجود نہیں چہ جائیکہ
امام بلافصل ہو سرے سے امام کے وجود کی ہی نفی فرما دی۔ بالجملہ بداہت عقل شاہد ہے

کہ ممدوح ان اوصاف کا امام حق اور خلیفہ راشد ہوگا۔ چنانچہ علامہ ابن میثم بحرانی کو بھی بجز اعتراف
چارہ نہ ہوا مگر ہم علامہ کی اس عنایت کے شکر گزار ہیں کہ اپنے قطب راوندی کی طرح
عقل و انصاف اور دین و دیانت کی آنکھوں پر عصبیت کی پٹی باندھ کر آفتاب پر خاک
ڈالنے کے لئے آمادہ نہیں ہوئے۔ پس جب ثابت ہوگیا کہ موصوف ان اوصاف کا
امام حق اور خلیفہ راشد ہے خواہ وہ ابوبکر صدیق ہوں یا عمر فاروق رضی اللہ عنہما، یا
بفرض محال کوئی رجل ثالث تو ثابت ہوگیا کہ جناب امیر خلیفہ بلافصل نہیں اور یہی مدعا
ہے لیکن اب یہاں اس قدر بیان کرنا ہم کو باقی رہ گیا کہ شارح ابن میثم نے بعد خرابی
بسیار سب اوصاف کو بیان کر کے اور ممدوح کو معین کر کے جب دیکھا کہ مذہب
تشیع درہم و برہم ہوگیا اور خود صاحب مذہب کے ہی قول سے اس کی بیخ کنی
ہوگئی تو برائے نام حفظ مذہب کے لئے یہ پردہ داری فرمائی کہ ایک سوال قائم کر کے
اس کا جواب دیا تاکہ کچھ تو عصمت مذہب محفوظ رہے۔

واعلم ان الشیعۃ قد اوردوا ھھنا سوالا فقالوا ان
ھٰذہ الممادح التی ذکرھا علیہ السلام فی حق احد
الرجلین تنافی ما اجمعنا علیہ من تخطیتھم واخذھما
لنصب الخلافۃ فاما ان لایکون ھذا الکلام من کلامہ
علیہ السلام او ان یکون اجماعنا خطاءً ثم اجابوا من
وجھین احدھما لانسلم التنافی المذکور فانہ جاز ان
یکون ذلک المدح منہ علیہ السلام علی وجہ استصلاح
من یعتقد صحۃ خلافۃ الشیخین واستجلاب قلوبھم
بمثل ھذا الکلام الثانی انہ جاز ان یکون مدحہ ذلک
لاحدھما فی معرض توبیخ عثمان بوقوع الفتنہ فی

خلافتہ واضطراب الامر الیہ واستیثارہ ببیت مال
المسلمین ھو وبنوابیہ حتی کان سببا لثوران المسلمین
من الامصار الیہ وقتلھم لہ ونبّہ علی ذلک بقولہ وخلف
الفتنۃ وذھب نقی الثوب قلیل العیب اصاب خیرھا
وسبق شرھا وقولہ وترکھم فی طرق متشعبۃ الخ
فان مفھوم ذلک یستلزم ان الوالی بعد ھذا الموصوف
قد اتصف باضداد ھذہ الصفات واللہ اعلم انتھی
جاننا چاہیئے کہ اس جگہ شیعہ نے ایک اعتراض وارد کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ حضرت
نے ابوبکر یا عمر کی جو اس قدر مدح فرمائی ہے ہمارے اس اجماع کے
مخالف ہے جو ہم نے ان دونوں کے خطا پر ہونے اور خلافت چھیننے پر کیا ہے
پس یا تو یہ کلام حضرت کا کلام نہیں اور یا ہمارا اجماع خطا پر ہے پھر
دو طرح پر اس اعتراض کا جواب دیا ہے۔ اول یہ کہ اس کلام میں
اور اجماع میں مخالفت مسلم نہیں ہے کیونکہ ممکن ہے یہ مدح آپ نے
اس کلام کے ساتھ شیخین کی خلافت کے صحیح جاننے والوں کی اصلاح
اور دلداری کی وجہ سے فرمائی ہو۔ دوسرے یہ کہ مدح شیخین میں ایک
کی بطور تعریض کے عثمان کی توبیخ کے موقع میں فرمائی ہو بایں وجہ کہ
ان کی خلافت میں فتنہ واقع ہوا اور امر خلافت مضطرب رہا اور انہوں
نے اور ان کے بھائیوں نے مسلمانوں کے بیت المال کو اپنے لئے مخصوص
کر لیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ شہروں سے مسلمان اٹھ کھڑے ہوئے اور ان کو
قتل کر دیا اور اس پر آپ نے اپنے اس قول سے متنبہ فرمایا فتنہ
کو پیچھے ڈالا پاک دامن بے عیب رخصت ہوا خلافت کی بھلائی پائی

اور باقی سے بچا لوگوں کو پریشان راستوں میں چھوڑ گیا بایں وجہ کہ ان
کلمات کا مفہوم مخالف یہ نکلتا ہے کہ جو خلیفہ اوصاف مذکورہ کے ساتھ متصف
ہے اس کے بعد جو خلیفہ ہوا ہے وہ ان صفات کے اضداد کے ساتھ
متصف ہے۔ واللہ اعلم (ترجمہ از مولانا میرٹھی)

حاصل اعتراض یہ ہے کہ یہ مدح اور توصیف جو حضرت نے شیخین کی فرمائی ہے ہمارے اس اجماع کے خلاف ہے جو ہم نے ان کے تخطیہ اور غصب منصب خلافت پر منعقد کیا ہے پس یا تو یہ کلام جناب علیہ السلام کا کلام نہیں ہے اور یا ہمارا اجماع خطا پر ہے اس اعتراض کا دو طرح یہ جواب دیا اول تو یہ کہ ہم تسلیم نہیں کرتے کہ یہ مدح اور تعریف ہمارے اجماعی تخطیہ کے منافی ہو کیونکہ جائز ہے کہ اس مدح سے مقصود مدح نہ ہو بلکہ اس کلام سے دلداری اور استصلاح معتقدین صحۃ خلافت شیخین مقصود ہو دوسرا جواب یہ کہ ممکن ہے کہ یہ احدا لشیخین کی مدح کرنا حضرت عثمانؓ کی تعریض کے موقع میں ہو کہ اُن کے زمانہ خلافت میں فتنے واقع ہوئے اور امر خلافت مضطرب رہا اور انہوں نے اور اُن کے بھائیوں نے مسلمانوں کے بیت المال کو اپنے لئے یہاں تک خاص کیا کہ شہروں سے مسلمانوں کی برانگیختگی اور اُن کے قتل کا سبب ہو گیا چنانچہ فقرات خلف الفتنۃ ذھب نقی الثوب وغیرہ اس پر متنبہ کرتے ہیں کیونکہ ان کا مفہوم یہ ہے کہ اس ممدوح کے بعد کا حاکم ان صفات کے اضداد کے ساتھ متصف ہے مگر یہ دونو جواب نہایت پوچ اور رکیک ہیں اس قابل نہیں کہ خصم کے روبرو پیش کئے جاویں اگرچہ ہم کو اس کے جواب کی ضرورت نہ تھی۔ عاقل فہیم خود بھی اس کا جواب سمجھ سکتا ہے۔ مگر ہم بھی کچھ تکمیلا للبحث اپنی رائے سے اور پھر کچھ تبرکاً و تیمناً حضرت استاد البریہ صاحب تحفہ اثنا عشریہ رحمۃ اللہ علیہ کے رسالہ مبارکہ سے لکھتے ہیں۔ ذرا متوجہ ہو کر گوش ہوش سنیں۔ اول یہ دعویٰ کہ یہ

مدح و توصیف ہمارے اجماعی تخطیہ کے منافی ہے بالکل غلط اور ناواقفی مذہب سے ناشی ہے وجہ یہ کہ آپ کا اجماع ایک نہایت پوچ اور ناقابل حجت ہے تا وقتیکہ بالیقین امام اُس میں داخل نہ ہو اجماع ہی نہیں ہو سکتا چنانچہ سید المتشیعین سید دلدار علی اپنی اساس میں لکھتے ہیں۔

اجماع کے حجت ہونے میں نفیس بحث

البحث الثالث فی بیان کون الاجماع حجۃ

اما عندنا فلا مجال لانکارہ فانک عرفت ان الاجماع عندنا کاشف عن قول المعصوم ولا شک ان قول المعصوم حجۃ قال الشیخ فی العدۃ ذھب المتکلمون باجمعھم والفقھاء باسرھم علی اختلاف مذاھبھم الی ان الاجماع حجۃ قال العلامۃ اما عندنا فظاھر لان المعصوم سید امۃ محمد فاذا فرض اتفاقھم دخل الامام فیھم فیکون حجۃ ھکذا قال المحقق فی المعتبر فانہ قال فیہ اما الاجماع فعندنا ھو حجۃ بانضمام المعصوم فلو خلا المائۃ من فقھائنا عن قولہ لما کان حجۃ ولو حصل فی اثنین لکان قولھما حجۃ لا باعتبار اتفاقھما بل باعتبار قولہ فلا تغتر اذاً بمن یتحکم فیدعی الاجماع باتفاق الخمسۃ والعشرۃ من الاصحاب مع جھالۃ قول الباقین الا مع العلم القطعی بدخول الامام فی الجملۃ۔ انتھیٰ۔

تیسری بحث اجماع کے حجت ہونے کے بیان میں۔ ہمارے نزدیک تو اس کے انکار کی مجال ہی نہیں کیونکہ تجھ کو واضح ہو چکا کہ ہمارے نزدیک اجماع قول امام کا

ظاہر کرنے والا ہے اور قول امام یقیناً حجت ہے شیخ نے عدہ میں کہا ہے
کہ تمام متکلمین اور تمام فقہا باوجود اختلاف مذاہب کے اس طرف گئے ہیں
کہ اجماع حجت ہے علامہ کہتا ہے کہ ہمارے نزدیک تو یہ امر ظاہر ہے،
کیونکہ معصوم امت محمدیہ کا سردار ہے اور جب امت کا اتفاق فرض کیا
جائے گا تو امام بھی ان میں داخل ہوگا تو وہ حجت ہوگا چنانچہ محقق نے معتبر
میں بھی کہا ہے کہ ہمارے نزدیک معصوم کے قول کے ساتھ مل کر اجماع
حجت ہے پس اگر سو فقہا امام کے قول سے خالی ہوں گے تو وہ حجت
نہ ہوگی اور اگر دو میں بھی امام کا قول حاصل ہو تو وہ باعتبار قول امام نہ
باعتبار دو شخصوں کے حجت ہوگا پس اب یہ جو بعض علماء دین پانچ اصحاب
ائمہ کے اتفاق پر اجماع کا دعویٰ کر بیٹھے ہیں اور باقی اصحاب کے اقوال کی
خبر نہیں ہوتی کچھ بھی قابل اعتبار نہیں ہے تا وقتیکہ امام کا قول یقیناً اس میں
فی الجملہ داخل نہ ہو۔ (ترجمہ از حضرت مولانا عاشق الٰہی میرٹھی خلیفہ مجاز حضرت مصنف قدس سرہٗ)

اس عبارت سے واضح ہے کہ اجماع کی حجیت بلکہ اجماعیت بوجہ دخول امام
معصوم ہے اب رہی یہ بات کہ یہ کیونکر کسی قطعی دلیل سے ثابت ہوا کہ قول امام اس
میں داخل ہے جس پر قطعیت اور وجود اجماع موقوف ہے اور ظاہر ہے کہ جب تک
قطعی دلیل سے یہ ثابت نہ ہوگا کہ قول امام اس میں داخل ہے ہرگز اجماع حجت
نہ ہوگا اور دلیل قطعی بجز دلیل عقلی بدیہی یا کتاب اللہ یا سنت متواترہ یا قول امام متواتر
کے دوسری کوئی نہیں اور مانحن فیہ میں دلیل عقلی بدیہی اور نیز کتاب اللہ اور سنت
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم متواترہ اور قول امام متواتر بدیہی سے تو اب
قول امام کو داخل ہونے کا کوئی ثبوت نہیں اور جب اس اشکال کے حل کے بابت
اہل تشیع کی کتب کی طرف رجوع کیا جاتا ہے تو ان سے عجیب گل کھلتا ہے وہ اس کو

تو تسلیم کرتے ہیں کہ بیشک کوئی دلیل قطعی عقلی بدیہی اور کتاب و سنت و قول امام میں
سے تو اس کی مثبت نہیں کہ قول امام معصوم اجماع میں داخل ہے پر یہ کہتے ہیں کہ اجماع
خود دلیل ہے کہ قول امام اس میں داخل ہے اور یہ اجماع قول امام کے لئے کاشف ہے
اگر اجماع نہ ہو تو ہم کو یہ نوع قول امام کی معلوم نہیں ہو سکتی کیونکہ امام کا قول جلی ہے
جو سماع سے متعلق ہے اور ایک قول خفی ہے جس کا ادراک سماع سے ممکن نہیں اس کا وجود
بدون توسط اجماع مدرک نہیں ہو سکتا اور چونکہ اجماع کاشف قول امام ہے لہٰذا
اس کو مستقل حجت شرعی قرار دیا ورنہ دراصل اجماع حجت نہیں، جیسا عامہ کے
نزدیک حجیت قیاس صرف اس وجہ ہے کہ وہ کاشف عن الحجت ہے۔ سید
دلدار علی اساس الاصول میں تحریر فرماتے ہیں:-

فان قیل فعلیٰ ھذا ینبغی ان لا یکون الاجماع حجۃ بل
الحجۃ فی الحقیقۃ انما ھو قول المعصوم فلا فائدۃ
للاجماع ولعدہ دلیلا شرعیا علیحدۃ قلنا لا یلزم من کون
الاجماع کاشفا ان لا یعد حجۃ علیحدۃ کما ان الحکم
الثابت بالقیاس فی الفرع عند المخالفین القائلین بہ
ثابت بالنص الوارد فی الاصل وقیاس المجتھد کاشف
عن دلالۃ ھذا النص علی ھذا الحکم مع انھم یعدونہ
دلیلاً براسہ وتحقیق المرام فی ذالک ھو ان العلم بثبوت
شیٔ لشیٔ قد یحصل بنفسہ بدون توسط شیٔ اٰخر
کما یحصل لنا العلم بان زیداً کاتب ابتداء وقد یکون
بتوسط شیٔ اٰخر مثل العلم بکتابتہ بتوسط علمنا بان
کل انسان کاتب فالعلم بقول الائمۃ قد یحصل بان

المعصوم قال كذا وقد يحصل بتوسط ان جميع علماء امة محمد قال كذا وقد لا يمكن لنا العلم بقوله بالطريق الاول ويمكن بالطريق الثانی فلذا احتجنا الى اعتبار القسم الثانی المعبر عنه بالاجماع كما احتجنا الى القسم الاول المعبر عنه بالسنة وهكذا الحال بعينه فی اخبار الائمة فان قولهم انما هو حجة لكونه كاشفاً عن قول الله عز وجل فنسبة قول المعصوم الى الكتاب كنسبة الاجماع الى قوله هكذا ينبغی ان يحرر ذلك المقام -

اگر کوئی کہے کہ اس بنا پر اجماع تو حجت نہ ہوا بلکہ فی الحقیقت قول امام حجت ہوا تو اجماع کا اور اس کو مستقل دلیل شرعی علیحدہ شمار کرنے کا کچھ بھی فائدہ نہیں ہے تو ہم جواب دیں گے کہ اجماع کے کاشف ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ اس کو مستقل حجت نہ بنا دیں چنانچہ مخالفین کے نزدیک جو حکم فرع میں قیاس سے ثابت ہوتا ہے وہ حکم اصل کی نص سے بھی ثابت ہے اور قیاس مجتہد اس نص کی دلالت کو اس حکم پر کاشف ہے با ایں ہمہ انہوں نے قیاس کو مستقل دلیل شمار کر رکھا ہے اور اس بارے میں تحقیق مدعا یہ ہے کہ علم اس کا کہ ایک شے دوسری شے کو ثابت ہے کبھی تو بلا واسطہ ہوتا ہے اور کبھی بواسطہ مثلاً زید کی کتابت کا علم گاہے ابتداءً ہوتا ہے اور کبھی بواسطہ اور واسطہ یہ ہوتا ہے کہ ہم کو علم ہو کہ تمام انسان کاتب ہیں اسی طرح امام کے قول کا علم کبھی تو اس طرح ہوتا ہے کہ ہم کو معلوم ہوتا ہے کہ امام نے یہ فرمایا اور کبھی ہم کو اس کا علم اس ذریعہ سے ہوتا ہے کہ جمیع علماء امت محمد

نے یہ فرمایا اور لیجا تا ہم کو اول طریق سے علم حاصل نہیں ہو سکتا اور دوسرے طریق سے حاصل ہو سکتا ہے تو اس لئے ہم کو قسم ثانی کے اعتبار کی جو اجماع کہلاتا ہے حاجت پڑی جیسے قسم اول کے اعتبار کی جو سنت کہلاتی ہے ضرورت ہوتی تھی اور بعینہٖ یہی حال اخبار ائمہ کا ہے ان کا حجت ہونا صرف اس وجہ سے ہے کہ وہ کاشف عن قول اللہ ہیں پس قول امام معصوم کو کتاب کے ساتھ وہ نسبت ہوئی جو اجماع کو امام کے قول کے ساتھ ہے اسی طرح اس مقام کی تحریر ہونی چاہیئے ۔ (ترجمہ از مولانا عاشق الٰہی میرٹھیؒ)

اہلِ عقل وفہم کے غور کا مقام ہے کہ حضرات اہل تشیع نے اس اشکال سے مخلصی کی یہ تجویز نکالی کہ اجماع کو قول امام پر حجت قرار دیا اور یہ فرمایا کہ یہ اجماع کاشف قول امام ہے مگر اول تو یہ فرمائیں کہ قول امام کا اجماع میں قطعاً داخل ہونا فرضی اور اعتباری ہے یا واقعی، اگر فرضی واعتباری ہے جیسا کہ عبارت کتاب سے واضح ہے۔ فاذا افرض اتفاقهم دخل قول الامام فيهم۔ جب اجماع اور اتفاق فرضی ہوا تو دخول قول امام بھی فرضی ہوگا تو ہم کو اس سے کچھ تعرض نہیں کیونکہ لا مناقشة فی الاصطلاح اور اگر واقعی ہے تو ذرا فرمائیں کہ اجماع کی تعریف تو یہ ہے کہ اتفاق طائفة علىٰ امر لم يكن المعصوم خارجاً منها تو اجماع نام مجموعہ قول طائفہ اور قول امام کا ہے پس اگر قول امام پر صرف قول طائفہ ہی حجت ہو تو اس کی نسبت ہم پوچھتے ہیں کہ وہ طائفہ جس کا قول امام کے قول پر قطعی حجت ہو رہا ہے اس میں بھی امام داخل ہے یا نہیں اگر داخل نہیں ہے تو اس کا قطعی حجت ہونا غلط ہوا۔ کیونکہ خود محقق فرما چکا ہے فلو خلا المائة من فقهائنا عن قوله لما كان حجة اور اگر امام اس طائفہ میں داخل ہے تو اس دخول امام پر کیا دلیل ہے اگر وہی باقیماندہ طائفہ ہے تو اس میں وہی کلام مسلسل جاری ہوگی یہاں تک کہ یا تنہا امام پر اس کا سلسلہ

منتہی ہو تو اس وقت امام کی قول جلی کے وجود کی ضرورت ہوگی جو مفقود ہے، یا صرف ایک فرد غیر امام پر اس کا سلسلہ ختم ہوگا جو کسی طرح حجت نہوگا اور جب وہ حجت نہ ہوگا تو تمام اجماعات کا سلسلہ باطل ہو جائیگا مثلاً تخطیہ شیخین پر اجماع ہُوا جس میں امام بھی داخل ہے اور فرض کرو کہ اُس کی تعداد دس نفر ہے ایک امام ہے اور نو شخص غیر امام ہیں اب اس جگہ دوسرا دعویٰ پیدا ہُوا کہ اس اجماع میں امام بھی داخل ہے اس پر حجت نو آدمیوں کا قول ہے پس اگر ان نو آدمیوں میں امام داخل نہیں ہے تو ان کا قول حجت نہ ہُوا اور اگر اس میں بھی امام داخل ہے تو اس داخل ہونے پر دلیل قطعی کیا ہے اگر باقی ماندہ آٹھ آدمیوں کا قول اس پہ دلیل ہے تو پھر ہم پوچھیں گے کہ ان آٹھ آدمیوں میں بھی امام داخل ہے یا نہیں، اگر نہیں داخل ہے تو حجت نہ ہُوا اور اگر داخل ہے تو اس دخول پر کیا حجت ہے اگر باقی ماندہ سات آدمیوں کا قول اس پہ حجت ہے تو وہی سوال جاری ہوگا یہاں تک کہ ایک فرد ان میں سے باقی رہے پھر وہ یا امام ہے یا غیر امام اگر امام ہے تو قول خفی نہ رہا بلکہ قول جلی کی ضرورت پڑی اور اگر غیر امام ہے تو حجت نہ رہا اور جب وہ حجت نہ رہا، تو تحتانی اجماعات بھی حجت نہ رہے اور باطل ہو گئے اور اگر مجموعہ قول طائفہ اور قول امام قول امام پر حجت ہے تو اوّل یہ فرمائیں کہ وہ مجموعہ قول طائفہ و قول امام جس کو قول امام کے ثبوت پر حجت قرار دے رکھا ہے اُس کے حجت ہونے کی کیا دلیل ہے وہ مجموعہ حجت اُس وقت ہو سکتا ہے جبکہ قطعاً قول امام اُس میں داخل ہو کیونکہ تاوقتیکہ قول امام اُس مجموعہ میں داخل نہ ہو نہ اُس کی قطعیت ہو سکتی ہے اور نہ وہ حجت ہو سکتا ہے اس لئے کہ یہ بھی ثابت ہو چکا ہے کہ قطعی حجت قول امام ہے نہ قول زید و عمرو اور یہ بھی ثابت کیا جا چکا ہے کہ اس پہ کوئی قطعی دلیل نہیں ہے کہ امام کا قول اس مجموعہ میں قطعاً داخل ہے ہاں اگر کوئی شخص مرض مالیخولیا

میں مبتلا ہو کر بوجہ فساد مخیلہ امر غیر واقعی کو واقعی اور واقعی کو غیر واقعی تسلیم کر لے تو ہم کو کیا، بلکہ کسی اہل عقل کو اُس سے کچھ مزاحمت نہیں ہے۔ اور دوسرے اس میں یہ بڑی سخت خرابی لازم آتی ہے کہ اس صورت میں قول امام کا قول امام پر حجت ہونا لازم آتا ہے اور یہ اتحاد بین المدعا والدلیل صریح مصادرہ علی المطلوب ہے ترتیب قیاس اس طرح ہوگی الاجماع حجۃ لانہ کاشف عن قول الامام و کل اجماع یکون ھکذا یکون حجۃ اس قیاس کا صغریٰ نظری ہے کیونکہ ہم کو بالبداہت اُس کا کاشف ہونا ثابت نہیں ہوا اور خصم بھی اس پر کوئی دلیل پیش نہیں کر سکتا، بجز اُس کے کہ یہ کہے لانہ حجۃ تو ہر دو قیاس کی ترتیب اس طرح ہوگی الاجماع حجۃ لانہ کاشف عن قول الامام والاجماع کاشف عن قول الامام لانہ حجۃ۔ مگر یہاں کوئی معقولی شیعہ صاحب مجموع من حیث المجموع اور افراد من حیث الافراد کا اعتباری فرق نکال کر رفع مصادرہ پہ آمادہ نہ ہو جائیں اور ندامت نہ اُٹھائیں۔ یہ فرق اعتباری یہاں نہیں جاری ہو سکیگا۔ خود حضرات شیعہ ہی اس فرق کا قلع و قمع فرما چکے ہیں وجہ یہ کہ یہ فرق اُس جگہ جاری ہو سکتا ہے جس جگہ مجموعہ کے حکم میں تمام اجزاء کو کچھ دخل ہو۔ بعض اجزاء علت ناقصہ ہوں اور جزاء اخیر علت کے ساتھ مل کر علت تامہ ہو جائے اور جس مجموعہ میں محض ایک ہی جز حکم کے لئے علت تامہ ہو اور باقی اجزاء کو علیت میں کچھ بھی دخل نہ ہو بلکہ محض لغو اور بیکار ہوں تو اس صورت میں یہ فرق کچھ نافع نہ ہوگا موجودہ صورت میں بتصریح محققین علماء تشیع ثابت ہو چکا کہ حجیت اجماع میں اُمت کے قول کو کچھ دخل نہیں ہے اُس کی حجیت کے لئے صرف قول امام علت تامہ ہے پھر اگر قول امام کے لئے اجماع کو علت تامہ اور حجت قرار دیا جائے اور ثابت ہو چکا کہ اجماع میں صرف قول امام ہی حجیت کے قابل ہے تو ثابت ہو گیا کہ صرف قول امام ہی قول امام پر حجت ہے اور اسی کو مصادرہ

علی المطلوب کہتے ہیں۔

معہذا اگر ہم اس اعتراض کو دوسرے عنوان سے پیش کرنا چاہیں تو اس طرح بھی ہو سکتا ہے کہ جب اجماع نام مجموعہ قول طائفہ اور قول امام کا ہوا تو قول امام اس مجموعہ کا جزو ہوا اور بدیہی ہے کہ ہر کل اپنے وجود و ثبوت میں اپنے جزو کا محتاج ہوتا ہے تو مجموعہ قول طائفہ و قول امام جو کل ہے اپنے ثبوت میں اپنے جزو یعنی قول امام کا محتاج ہوگا۔ ادھر حضرات شیعہ فرماتے ہیں کہ یہ قول امام جو اس مجموعہ کا جزو ہے یا انواع قول ائمہ میں ایک نوع خفی ہے یہ اپنے ثبوت میں محتاج اجماع ہے جو مجموعہ قول امت اور قول امام ہے اور جس کو کل قرار دیا گیا ہے تو اس صورت میں مجموعہ اپنے تحقق اور ثبوت میں اپنے جزو کا محتاج ہوا اور جزو یعنی قول امام اپنے تحقق اور ثبوت میں محتاج اپنے کل کا ہوا اور یہ صریح دور ہے کیونکہ توقف الشئ علی نفسہ کو مستلزم ہے اب اسجگہ ممکن ہے کہ شاید کسی معقول کو یہ خلجان ہو کہ یہ لزوم دور باطل ہے کیونکہ دور اس وقت لازم آتا ہے جبکہ جہات توقف اور احتیاج متحد ہوں اور اگر جہات متغایر ہوں تو ہرگز دور نہیں لازم آتا ہے اور اس پر باعتبار وجود خارجی کے موقوف ہوتا ہے اور جزو اپنے کل کا وجود خارجی میں ہرگز محتاج نہیں ہوتا بلکہ اگر جزو اپنے کل کا محتاج ہوگا تو صرف اس کی احتیاج بحسب وجود علمی ہوگی تو ما نحن فیہ میں اجماع جو کل ہے اپنے جزو یعنی قول امام کا اپنے وجود خارجی میں محتاج ہوا اور جزو یعنی قول امام اپنے کل یعنی اجماع کا اپنی وجود خارجی میں محتاج نہ ہوگا بلکہ محض وجود علمی میں محتاج ہوگا بایں معنی کہ اگر اجماع نہ ہو تو ہم کو اس جزو کا علم حاصل نہیں ہو سکتا چنانچہ یہ اعتراض و جواب تمام دلائل انیہ میں جاری ہوتا ہے کہ معلول علت پر موقوف ہے اور علت معلول پر موقوف ہوتی ہے ھذا متعفن الاخلاط لانہ محموم تو متعفن الاخلاط ہونا محموم ہونے پر موقوف ہے بحکم اس دلیل کے اور محموم ہونا متعفن الاخلاط ہونے پر موقوف ہے بحکم علیت تو توقف جانبین سے ہوا اور دور لازم آیا۔ جواب اس کا یہ ہی دیا جائے گا کہ معلول

یعنی محموم ہونے کا توقف علت یعنی تعفن اخلاط پر باعتبار وجود خارجی کے ہے اور علت کا توقف معلول پر باعتبار وجود علمی کے ہے۔ بایں معنی کہ معلول کے وجود سے علت کے وجود پر استدلال کیا جاتا ہے اسی طرح ما نحن فیہ میں بھی اجماع کا توقف قول امام پر باعتبار وجود خارجی کے ہے کہ جب تک قول امام جو جزو ہی نہ ہوگا کل جو اجماع ہے خارج میں متحقق نہ ہوگا اور قول امام کا توقف اجماع پر باعتبار وجود خارجی کے نہیں کہ اگر اجماع کا تحقق نہ ہو تو قول امام کا بھی تحقق نہ ہو بلکہ باعتبار وجود علمی کے ہے کہ وجود اجماع قول امام پر دلیل ہے اور اس سے اس قول کے وجود پر استدلال کیا جاتا ہے نہ یہ کہ قول امام باعتبار اپنے وجود خارجی کے اجماع پر موقوف ہے فلا دور۔ جواب اس کا یہ ہے کہ مجیب نے اس گورکھ دھندے کو دلائل انیہ پر قیاس کر کے توقف کے جہات کو جانبین میں مختلف دکھلانے میں ابلہ فریبی سے کام لیا ورنہ ذرا تدبر کی نظر کرنے سے آشکارا ہو جاتا ہے کہ یہ کارسازی اس جگہ ہرگز کارآمد نہیں ہو سکتی بدین وجہ کہ اس جگہ چار مقدمات پیدا ہوئے۔ اوّل تو یہ کہ مجموعہ اجماع کل ہے دوسرے یہ کہ قول امام اس کل کا جزو ہے۔ تیسرے یہ کہ یہ کل باعتبار اپنے وجود خارجی کے اپنے اس جزو کا محتاج ہے چوتھے یہ کہ یہ جزو اپنے اس کل کا باعتبار وجود علمی کے محتاج ہے اور چاروں مقدمات غلط اور باطل ہیں۔

مقدمہ اولیٰ اس لئے غلط ہے کہ واقفان مذہب واقف ہیں کہ اجماع جو مجموعہ قول طائفہ اور قول امام ہے صرف باعتبار حجت شرعی ہونے کے معتبر کیا گیا ہے جیسے کتاب اللہ اور قول رسول اللہ علی اور قول امام شرعی حجت ہیں ایسے ہی ایک شرعی دلیل اجماع کو بھی مانا ہے لیکن اس کے ساتھ ہی یہ بھی تصریح کر دی ہے کہ قول امت کو حجیت میں مطلق کچھ دخل نہیں ہے بلکہ حجت صرف قول امام ہی ہے اگر منفرداً قول امام پایا جائے اس وقت بھی وہی حجت ہے اور اگر مجتمعاً قول طائفہ کے ساتھ پایا جاوے تب بھی وہی

حجت ہے تو حجت ہونے کے اعتبار سے اس ہیئت مجموعی اجماع کا کل ہونا لغو ہوا اس لئے کہ اس مجموعہ کا کل ہونا تو اُس وقت معتبر ہو جب تمام اجزاء کو اس ہیئت اجتماعی میں اور اُس امر میں جس کے لئے یہ ہیئت اجتماعی اعتبار کی گئی ہے کچھ بھی دخل ہو اور اگر اجزاء کو دخل نہ ہو تو نہ کل ہے اور نہ اجزاء اُس کے اجزاء ہیں۔ مثلاً اگر ہم یہ کہیں کہ اجماع مجموعہ قول طائفہ خوارج اور قول امام ہے یا یہ کہ اجماع مجموعہ تمام دنیا کفار خوارج و شیعہ کے قول و امام کے قول کو کہتے ہیں تو حضرات شیعہ ہرگز اس کو قبول نہ فرمائیں گے پھر جو وجہ اس کے عدم تسلیم کی پیش کریں وہی وجہ ہماری طرف سے اُس عدم تسلیم میں قبول فرمائیں۔ پس اس گزارش سے صرف مقدمہ اولی ہی باطل نہیں ہوا بلکہ مقدمہ ثانیہ بھی باطل ہوگیا۔ چنانچہ اہل فہم پر روشن ہے بلکہ مقدمات ثالثہ اور رابعہ بھی باطل ہوگئے۔ کیونکہ جب کل اور جزو ہونا باطل ہوگیا تو توقف اور احتیاج جس کا مدار کل اور جزو ہونے پر تھا وہ بھی باقی نہ رہا مگر مزید توضیح کے لئے اس قدر گزارش اور بھی ہے کہ دلائل انیہ ہیں وجود معلول وجود علت پر اس لئے دلیل ہوتا ہے کہ دونوں میں علاقہ ملزوم ہے اور وجود معلول کو وجود علت لازم ہے اور جب ملزوم متحقق ہوگا تو لازم ضرور متحقق ہوگا اور یہ ضرور نہیں کہ وجود لازم وجود ملزوم کو مستلزم ہو کیونکہ جائز ہے لازم عام ہو لہٰذا وجود ملزوم سے وجود لازم پر استدلال ہوگا اور وجود لازم سے وجود ملزوم پر استدلال نہ ہو سکیگا ہاں اگر تلازم طرفین سے ہوگا تو جانبین سے بھی استدلال ہوگا اور مانحن فیہ میں باعتبار نفس الامر کے کسی طرح علاقہ لزوم نہیں ہے کیونکہ یہ ابھی عرض ہو چکا ہے کہ اجماع [illegible]ل امام میں علاقہ کلیت اور جزئیت نہیں ہے اور اگر ہے بھی تو محض فرضی اور تقدیری ہے۔ لہٰذا نہ اجماع اپنے وجود خارجی میں قول امام کا محتاج ہوا اور نہ قول امام اپنے وجود علمی میں اجماع کا محتاج ہوا اور نہ مابین اجماع اور قول امام باعتبار

واقع اور نفس الامر کے کوئی ایسا علاقہ ہے کہ جس سے کسی طرح کی دلالت اجماع کی قول امام پر پائی جاوے پس دلائل انیہ پر کسی طرح اس من گھڑت گورکھ دھندے کو قیاس نہیں کر سکتے اور نہ یہ مکڑی کا جالا کسی طرح سلامت باقی رہ سکتا ہے اس سے بہتر یہ تھا کہ جب جمہور امت کو کافر اور بددین بنایا تھا اور خیر امت کو شر امت قرار دیا تھا تو حجیت اجماع کو بالکل انکار کر دیتے اور صرف قول امام کو ہی حجت قرار دیتے شاید شیعیان آئندہ اس مرحلہ کو طے فرماویں اور اس نقصان کا جبر کریں۔

پھر طرفہ تماشا یہ ہے کہ اس کو قول رسول اور قیاس پر قیاس فرماتے ہیں اور اس قدر نہیں سمجھ سکتے کہ قول رسول قول اللہ عزوجل ہے لقول اللہ تعالیٰ وما ینطق عن الھویٰ ان ھو الا وحی یوحیٰ جو صرف نبی کے ساتھ مخصوص ہے امام کو اُس پر قیاس کرنا ہی غلط ہے اور قول اللہ تعالیٰ سنت کا جز نہیں قرار دیا جیسا کہ قول امام کو اجماع کا جز قرار دے رکھا ہے سو بیشک بقول اصولیین سنت کو کاشف عن قول اللہ کہہ سکتے ہیں اگر چہ اس کو جز نہیں قرار دیتے اس لئے جو مفاسد کہ آپ کے اجماع میں لازم آتے ہیں اس میں ہرگز نہیں لازم آتے۔ علی ہذا القیاس قیاس کو کاشف عن السنۃ یا عن الکتاب قرار دیتے ہیں بسبب اشتراک علت کے یہ نہیں کہ حکم کتاب و سنت بصراحۃ اُس کا جز واقع ہو رہا ہے بلکہ اہل اصول نے تصریح کر دی ہے کہ جس جگہ حکم منصوص ہوگا اُس میں قیاس جاری نہیں کر سکتے حالانکہ اگر اُس میں قیاس جاری ہو تب بھی اس اجماع کا مقیس علیہ نہیں ہو سکتا تو اپنی حفظ آبرو کے لئے اپنے اجماع کا اُس کو مقیس علیہ قرار دینا محض مغالطہ اور دھوکا دہی ہے اور اگر بالفرض مقیس علیہ کسی طرح کھینچ تان کر بھی دیا جاوے تو قطعیت کسی طرح حاصل نہیں ہو سکتی اور ظنیت قیامت تک بھی پیچھا نہیں چھوڑے گی بالجملہ یہ اجماع جس کو حجت قطعی اعتقاد کر رکھا ہے لغو اور مستلزم محال کو ہے کسی طرح حجۃ ہونے کے قابل نہیں پس اگر قول امام جو قطعاً قول امام ہے منافی اس لغو اور لیچ اجماع کے ہو تو

اس کی منافات ایسے صریح قول امام کو جو آفتاب سے بھی زیادہ روشن ہے کیونکر ضرر رساں ہوسکتی ہے۔ علی الخصوص اس صورت میں جبکہ جناب امیر کے صدہا اقوال اور احوال اس کی تائید کر رہے ہیں پس بالیقین جواب اس کا یہ ہے کہ یہ قول قطعاً قول امام ہے اور آپ کا اجماع قطعاً خطا پر ہے کیونکہ اس میں قطعی طور پر امام کا داخل ہونا کسی دلیل سے ثابت نہیں۔ بلکہ دلائل قطعیہ سے عدم دخول ثابت ہے اور ثانیاً اگر اس اجماع کو بفرض محال حجت تسلیم بھی کر لیا جاوے تو یہ صرف کاشف عن قول المعصوم ہے اور قول معصوم پر دال ہے اور قول معصوم اس میں مخفی و مستتر فرض کر رکھا ہے کوئی شخص افراد اہل اجماع میں سے یہ نہیں کہہ سکتا کہ میں نے امام سے یہ سنا اور خطبۂ للّٰہ بلاد فلاں قطعی و جلی قول امام ہے جو بنقل متواتر منقول ہوتا چلا آتا ہے تو آپ ہی انصاف فرمائیں کہ بوقت تعارض کس کو ترجیح ہوگی اور ثالثاً علماء شیعہ کی عادت مستمرہ ہے کہ اجماع کا دعویٰ فرماتے ہیں اور اس اجماع کو خود قابل اعتماد نہیں سمجھتے اساس الاصول میں ہے۔

قال الفاضل المحسن ان الناقلين لمثل هذا الاجماع كثيراً ما يخطئون فی هذا النقل ويختلفون فيه اكثر من اختلاف الرواة فی اخبار الاحاد كما يظهر لمن تتبع مواضع نقلهم اياه وقد افرد الشهيد الثانی قريباً من اربعين مسئلة ينقل الشيخ الطوسی فيها الاجماع مع انه بنفسه خالف فی الحكم فيها بعينها اما فی كتابه ذلك بعينه او فی كتابه الآخر ثم قال. قال وقد افردنا هذا المسائل للتنبيه على ان لا يغتر الفقيه بدعوى الاجماع فقد وقع فيه الخطاء والمجازفة كثيراً من

كل واحد من الفقهاء سيما من الشيخ والمرتضىٰ انتهى كلام الشهيد وكثيرا ما يقع منهم نقل الاجماع فی مسئلة على حكم مع نقل الاجماع على خلاف ذلك الحكم بعينه فی تلك المسئلة بعينها اما فی ذلك الكتاب بعينه او بغيره فضلا عن نقل الخلاف فيها مثل ما وقع من الشيخ الطوسی من نقله الاجماع على وجوب سجود سهو التلاوة على السامع ونقله اياه مع عدم وجوبه عليه ايضاً

فاضل محسن فرماتا ہے کہ اس جیسے اجماع کے نقل کرنے والے اکثر نقل اجماع میں خطا کرتے اور اس میں اس سے بھی زیادہ اختلاف کرتے ہیں جس قدر رواتِ اخبار نے ان میں اختلاف کیا ہے شہید ثانی نے قریب چالیس مسائل کے علیحدہ کئے ہیں جن میں شیخ طوسی نے اجماع نقل کیا ہے باوجودیکہ خود شیخ نے اس حکم کے خلاف کیا ہے یا اُسی کتاب میں یا اپنی دوسری کتاب میں۔ پھر فرمایا کہ ہم نے یہ مسائل اس امر پر تنبیہ کرنے کے لئے چھانٹے ہیں تاکہ فقیہ کے دعویٰ اجماع سے کوئی دھوکا نہ کھاوے۔ کیونکہ اس میں فقہا میں سے ہر ایک سے غلطی اور بے احتیاطی بکثرت واقع ہوتی ہے خصوصاً شیخ طوسی اور مرتضیٰ سے کلام شہید تمام ہوئی۔ اور بسا اوقات فقہا سے کسی مسئلہ میں ایک جگہ پر نقل اجماع واقع ہوتا ہے باوجودیکہ اس مسئلہ میں خواہ اس کتاب میں یا دوسری میں اس حکم کے خلاف پر اجماع نقل کر دیتے ہیں اور یہ اس سے بھی بڑھ کر ہے کہ اس میں اختلاف کو نقل کرے جیسا کہ شیخ طوسی نے نقل کیا کہ سجود تلاوت کے وجوب کو آیت سجدہ کے سامع پر اجماع کہا اور پھر عدم وجوب سجود تلاوت پر بھی اجماع نقل کیا۔ (ترجمہ از مولانا عاشق الٰہی میرٹھی)

اس عبارت سے واضح ہے کہ اکابر علمار شیعہ اپنے اجماع میں عجب خبط میں مبتلا ہیں کبھی ایک مسئلہ کو اجماعی کہتے ہیں پھر اُس کی نقیض کو بھی مجمع علیہ قرار دیتے ہیں تو اب فرمائیے حسب قاعدہ کیا امام دونوں اجماع میں داخل ہوگا پھر اس سے جس قدر خرابیوں کا سامنا ہے آپ خود سمجھ سکتے ہیں میرے عرض کی حاجت نہیں اور نیز خود ہی ایک مسئلہ میں اجماع نقل کرتے ہیں پھر اس کا خلاف کرتے ہیں اور خود اپنے اجماع کو حجت نہیں سمجھتے اور اس کی نقل کو قابلِ اعتماد نہیں سمجھتے تو بھلا آپ کا ایسا پوچ اجماع اس قابل ہو سکتا ہے کہ قطعی قول امام معصُوم کے معارض ہو سکے، رہا یہ دعویٰ کہ امام کے قول جلی میں احتمال تقیہ وغیرہ ہے یہ اپنے خانگی علماء کے رُو بُرو پیش ہونے کے قابل تو ہے پر خصم کے روبرو پیش ہونے کے ہرگز قابل نہیں ۔ رابعاً اجماع میں جو یہ شرط اضافہ کی ہے کہ قول معصُوم اُس میں قطعاً داخل ہو غالباً اُس کی دلیل حدیث ثقلین ہے اگر کوئی دوسری ہو تو ہم بھی اُس کے مُنتظر ہیں۔ کیونکہ آیات کنتم خیر امۃ اور ومن یشاقق الرسول وغیرہ سے حجت ہو ہی نہیں سکتی پس اگر حدیث ثقلین کو ہی اپنا مستدل قرار دے رکھا ہے تو وہ بھی صلاحیت مستدل ہونے کی نہیں رکھتی کیونکہ اُس میں لفظ عترتی واقع ہے جو تمام عترت کو شامل ہے معصوم اور غیر معصوم کی کوئی تخصیص نہیں ۔ پس اگر بموجب اُس حدیث کے عترت کو مطلق لیا جاوے گا تو تمام عترت کا داخل ہونا مستلزم صحت اجماع ہوگا اور اگر برخلاف حدیث زائد علی الحدیث عصمت کا جھگڑا چھیڑیں گے تو اوّل امام کے لئے ہی عصمت کا ثابت کرنا محال ہوگا پھر اجماع کیلئے عترت میں کسی معصوم کے داخل ہونے کا اثبات اُس سے زیادہ دشوار ہو جائے گا اور اس حدیث کو مستدل قرار دینا محض لغو اور بے سود ہوگا ۔ بہر کیف اجماع شیعہ جس پر بڑا ناز ہے فی حد ذاتہٖ بھی لغو اور پوچ ہُوا ۔ اور نیز بمقابلہ اس قول صریح امام معصوم کے جس کو تمام شیعہ نے تلقی بالقبول فرمالیا ہے اور قرناً بعد قرن بنقل

متواتر منقول ہوتا چلا آیا ہے کسی طرح لائق التفات نہیں ہو سکتا پس شارح ابن میثم کا محل اعتراض میں اپنے اجماعی تخطیہ کو اس قول کے مقابلہ میں ڈالنا اور اس قول کو بظاہر ظاہر کرنا خطاء صریح ہے ۔ اور ایسے علامہ سے نہایت نا زیبا و قبیح ہے اور حاصل اُس جواب کا جو تحفہ میں مذکور ہے یہ ہے کہ اگر بفرض محال اجماع کو تسلیم کر لیا جاوے اور منافات کو مان لیا جاوے تو رفع منافات کی یہ توجیہ کہ آپ نے یہ کلام محض مدارات اور دلداری معتقدین صحت خلافت شیخین کے لئے فرمائی تھی کسی طرح صحیح نہیں ہو سکتی ۔ کیونکہ اس کے یہ معنی ہیں کہ امام معصُوم نے دس جھوٹ موکد بالقسم بولے اور وہ بھی صرف ایک غرض دنیاوی کے حصُول کے لئے جس کے حصُول کی نا امیدی ہو چکی ہو اور ایسے لوگوں کے سامنے جنہوں نے کتاب اللہ کی تحریف کی اور دین کو بدل ڈالا اور مرتد ہو گئے ایسے لوگوں کے روبرو ایسے خلفاء جور کی ایسی تعریف کرنا جس سے زیادہ کوئی تعریف متصور نہیں ہو سکتی یقیناً اعانت کفر ہے جو کسی طرح کفر سے خارج نہیں ہو سکتے تو کیونکر ممکن ہے کہ حضرت اسد اللہ اس کا ارتکاب فرماتے باوجودیکہ حدیث

اذا مدح الفاسق غضب الرّب

جب فاسق کی تعریف ہوتی ہے تو پروردگار غضبناک ہوتا ہے ۔ (ترجمہ مولانا میرٹھی)

بھی سن چکے ہوں دین و دیانت عقل و کیاست سے کس قدر بعید ہے اور کس ضرورت شدیدہ نے آپ کو اُن غلیظ قسموں اور تاکیدات و مبالغات کی طرف مضطر کیا اگر بنا بر مصلحت دنیاوی ان کے حسن انتظام خلافت کی تعریف مدنظر تھی تو اسقدر تعریف کافی تھی ۔

للہ بلاد فلان قد جاھد الکفرۃ و المرتدین وشاع

بسعیہ الاسلام فی البلدان ووضع الجزیۃ وبنی المساجد

ولم یقع فی خلافتہ الفتنۃ ۔

اللہ کے واسطے ہے فلاں شخص کی بھلائی ، اس نے کفار مرتدین کے ساتھ جہاد کیا اور اس کی کوشش سے شہروں میں اسلام پھیلا اور کفار پر جزیہ مقرر کیا اور مسجدیں تعمیر کرائیں اور اس کے زمانہ خلافت میں فتنہ واقع نہ ہوا۔ (ترجمہ از مولانا میرٹھی)

کہ دلداری معتقدین خلفا بھی ہو جاتی اور کذب و دروغ سے بھی محفوظ رہتے معصوم سے کس طرح ممکن ہے کہ باطل کی اس قدر تعریف فرماوے اور ایک جم غفیر کو اپنی کذب بیانی سے گمراہی میں ڈال کر ان کی گمراہی کو مستحکم کرے اور جو امر کہ خود اپنے اندر موجب قدح و اعتراض کا ہو یعنی کفار و فجار کی تقرب من اللہ اور صلاح باطنی کی تعریف عمل میں لاوے بلکہ بموجب حدیث

اذکروا الفاسق بما فیہ یحذرہ الناس

فاسق میں جو خرابیاں ہیں بیان کر دو کہ لوگ اس سے احتیاط کریں۔ ترجمہ از مولانا میرٹھی

آپ کے ذمہ واجب تھا کہ ان کے معائب و مثالب برملا بیان فرماتے تاکہ لوگ ورطہ ضلالت میں پڑنے سے باز رہتے اور اگر اس قسم کے اغراض دنیوی کی ایسے بزرگواروں کے نزدیک بھی اس قدر قدر و وقعت ہو کہ اس کے حصول کے لئے ایسی نازیبا تدبیریں کریں تو پھر مکاران دنیا طلب میں کہ جو طمع ریاست کے لئے ایسے شنیع امور کے مرتکب ہوتے ہیں اور ایسے پاکدامنوں میں جن کی طہارت کی شہادت خدا تعالیٰ نے فرمائی ہے کیا فرق ہوگا حاشا وکلا کہ حضرت امیر کو یہ غرض فاسد لوث دامن ہو سکتی ہو۔ بعد ازاں راوندی کا قول نقل کر کے اس کا جواب تحریر کیا وہ شخص مصداق ان اوصاف کا نہیں ہو سکتا۔ پھر تیسری توجیہ ذکر کی کہ یہ کلام معرض توبیخ عثمانؓ میں فرمائی اور فرمایا کہ یہ سب سے زیادہ پوچ ہے۔ اوّل یہ کہ توبیخ عثمانؓ کی اسطرح بھی ہو سکتی تھی کہ یہ دس دروغ لازم نہ آتے۔ دوسرے اگر موافق اوصاف مذکورہ سیرت

شیخینؓ محمود تھی تو ان کی خلافت ثابت ہوگئی اور اگر محمود نہیں تھی تو اس کے ترک پر عثمانؓ کو توبیخ کرنا یعنی چہ۔ تیسرے یہ کہ عثمانؓ کی مخالفت سیرت شیخینؓ کے ساتھ اس عبارت میں ہرگز مذکور نہیں نہ صراحتاً اور نہ اشارۃً۔ اور یہ کلام خطبات کوفہ میں ارشاد فرمائی تھی سو اس وقت عثمانؓ کہاں تھے اور فتنہ و فساد کہاں تھا۔ بلکہ یہ کلام بظاہر اس وجہ سے کہ اپنے زمانۂ خلافت میں سرانجام مہمات امامت کا نہ ہو سکا اور جس طرح حسن انتظام کے ساتھ زمانہ شیخینؓ میں ہوا اس پر حسرت و افسوس اور غبطہ ہے۔ اگر توبیخ عثمانؓ منظور ہوتی تو صاف فرمانے سے کون مانع تھا کہ اس نے یہ کیا اور یہ نہیں کرنا چاہیئے تھا اس وقت بجز اہل شام کے اور کون آپ کا مخالف تھا اور جب وہ لوگ قتل عثمانؓ کا الزام آپ کے ذمہ لگاتے تھے تو پھر ایسی حالت میں توبیخ عثمانؓ سے کیا خوف تھا اور تقیہ کی کیا ضرورت تھی۔ انتہٰی بالجملہ گذارش بندہ اور ارشاد حضرت استاد البریہ خاتم المحدثین رحمۃ اللہ علیہ سے واضح ہوگیا کہ نہ یہ اعتراض صحیح ہے اور نہ اس کے جوابات جو تجویز کئے گئے صحیح ہیں۔ بلکہ حضرت امیرؓ کا یہ قول صحیح ہے اور یہ مدح و ثنا واقعی ہے پس ثابت ہوگیا کہ یہ حضرات واقعی عند اللہ اور عند الامام امام حق اور خلیفہ راشد تھے وہو المطلوب فالحمد للہ علی وضوح الحق و فضوح الباطل۔

چودھویں دلیل [۱۴]	انعقاد خلافت کا مدار اہل حل وعقد پر ہے اور یہ جناب امیرؓ کیلئے خلفاء ثلاثہؓ کے بعد ہے	ازاں جملہ آپ کا خط ہے جو امیر معٰویہؓ کی جانب بھیجا۔

ومن کتاب لہ علیہ السلام الی معٰویۃ انہ بایعنی القوم الذین بایعوا ابا بکر وعمر وعثمان علی ما بایعوہم علیہ فلم یکن للشاہد ان یختار ولا للغائب ان یرد وانما الشوریٰ للمہاجرین والانصار فان اجتمعوا علی رجل

لے نہج البلاغۃ مـ ۳ ج ۳ طبع جدید مطبوعہ بیروت ۱۲ شیر محمد عفی عنہ

وسموه اماماً كان ذلك لله رضا فان خرج من امرهم خارج بطعن او بدعة ردوه الى ما خرج منه فان ابى قاتلوه على اتباعه غير سبيل المؤمنين وولاه الله ما تولّى۔

شارح ابن میثم اس خطبہ کی شرح میں کہتا ہے:۔

صدره اما بعد فان بيعتي يا معوية لزمتك وانت بالشام لانه بايعني القوم ثم يتلو قوله وولاه الله ما تولى تمام الاية ويتصل بها ان قال وان طلحة والزبير بايعاني ثم نقضا بيعتي وكان نقضهما كردتهما فجاهدتهما على ذلك حتى جاء الحق وظهر امر الله وهم كارهون فادخل يا معوية فيما دخل فيه المسلمون فان احب الامور الى فيك العافية الا ان تعرض للبلاء فان تعرضت له قاتلتك واستعنت بالله عليك

پھر بعد چند سطر کے ہے:۔

واعلم انك من الطلقاء الذين لا تحل لهم الخلافة ولا تعرض فيهم الشورى وقد ارسلت اليك والى من قبلك جرير بن عبد الله وهو من اهل الايمان والهجرة فبايع ولا قوة الا بالله۔

حاصل مطلب حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے والانامہ کا یہ ہے کہ اے معاویہؓ میری بیعت تجھ پر لازم ہوگئی ہے حالانکہ تو شام میں ہے کیونکہ مجھ سے اُن لوگوں نے بیعت کی ہے جنہوں نے ابوبکرؓ و عمرؓ و عثمانؓ سے بیعت کی تھی جس پر اُنہوں نے ان سے بیعت

کی تھی تو اب نہ حاضر بیعت کے لئے کسی دوسرے کے بدلنے کا اختیار ہے اور نہ اُس سے غائب کو اُس کا رد پہنچتا ہے وہ بیعت تمام حاضر و غائب پر لازم ہوگئی ہے اور بیعت کا مشورہ صرف مہاجرین اور انصار ہی کا منصب ہے اگر وُہ کسی شخص پر مجتمع ہو جائیں گے اور اُس کو امام کے نام کا لقب دے دیں گے وہی اللہ کے نزدیک امام پسندیدہ ہوگا پھر اگر کوئی خارجی بسبب کسی طعن یا بدعت کے اُن کے اتفاق سے باہر ہو تو اُس کو جس جگہ سے نکلا ہے وہیں لوٹاؤ اور اگر وُہ انکار کرے اور نہ مانے تو اُس سے اُس راستے کی پیروی پر جو ایمان والوں کے راستہ سے خلاف ہے لڑو اور اللہ پھیرے گا اُس کو جدھر متوجہ ہوا ہے اور اُس کو جہنم میں داخل کرے گا اور وہ برا ٹھکانا ہے۔ (منہ قدس سرہ)

مضمون والانامہ سے ہمارے مدعا کا ثبوت کالشمس فی نصف النہار واضح ہے اوّل تو بایں وجہ کہ جناب امیرؓ امیر شام پر اپنی بیعت کے لازم ہونے کا جبکہ وہ شام میں مقیم ہیں۔ دعویٰ فرماتے ہیں۔ تو اس سے ثابت ہوا کہ آپ خلیفہ راشد امام مفترض الطاعت اب اس وقت ہوئے ہیں۔ ورنہ اگر پیشتر سے امام مفترض الطاعت بامر اللہ اور بنص رسول اللہ ہوتے تو کسی سے تو درخواست بیعت سراً یا جہراً فرماتے اور کسی کو تو کوئی دھمکی دیتے یہ آپ اس وقت اس قدر سختی فرمانا اور تقیہ کی چادر چہرۂ مبارک سے اوتار رکھنا اور اس سے پیشتر تمام خلفاء جور کے زمانہ میں کامل سکوت کرنا اور فرما دینا۔ واللہ لاسلمن ما سلمت امور المسلمین اور خلفاء جور کی بیعت کی رسی بلا چون وچرا برضا و رغبت اپنے گلوئے مبارک میں ڈال لینا بنص صریح دال ہے کہ آپ اپنے نزدیک بھی اُس وقت بالفعل خلیفہ نہیں تھے اور بعد بیعت اہل حل و عقد آپ اُس وقت خلیفہ ہوئے اور اگر حضرات شیعہ کسی عقلی یا نقلی دلیل سے بشرطیکہ شوائب وہم و ظن سے پاک ہو اور قابل تسلیم خصم ہو دونوں حالتوں میں فرق بیان فرما دیں اور انشاء اللہ

اس خانگی دلیل۔

وکان معھودا علیہ ان لاینازع فی امر الخلافۃ

اور جناب پر خدا کی طرف سے مقرر تھا کہ امرِ خلافت میں نزاع نہ کریں

کے سوا اور کچھ بھی نہیں کہہ سکیں گے تو ہم نہایت شوق و توجہ کے ساتھ سننے کے لئے مستعد ہیں۔ دوسرے آپ نے اپنے انعقادِ بیعت کی دلیل یہ فرمائی کہ میری بیعت تجھ پر اس وجہ سے لازم ہوگئی ہے کہ مجھ سے انہوں نے بیعت کی ہے جنہوں نے ابوبکرؓ عمر و عثمان سے بیعت کی تھی۔ جو مسلم الثبوت خلفاء راشدین اور عند اللہ امام حق تھے اگر ان کی بیعت امامت کے ثبوت کیلئے کافی نہ ہوتی تو ابوبکر و عمر و عثمان رضی اللہ عنہم کی امامت کیونکر منعقد ہوتی اور جب وہ اُن کی بیعت سے امام ہوگئے تو میں بھی اُن کی بیعت سے امام ہوگیا۔ تو اب وہ امامت سب حاضر و غائب پر لازم ہوگئی۔ نہ حاضر کو تبدیل کی گنجائش رہی اور نہ غائب کو رد کا اختیار رہا۔ تو جبکہ میری امامت ایسی محکم اور پختہ منعقد ہو چکی تو تجھ پر بھی لازم ہوگئی اور تجھ کو چون و چرا کی گنجائش نہیں رہی۔ گو میں مدینہ میں ہوں اور تو شام میں ہے اور اس مدعا کو حضرت رضی اللہ عنہ نے بچند وجوہ ثابت فرمایا اور جس قدر وجوہ و دلائل بیان فرمائے سب قضایا حقہ واقعیہ نفس الامریہ سے مؤلف بیان فرمائے

اوّل فرمایا کہ شوریٰ صرف مہاجرین انصار کا ہی منصب ہے پھر جب وہ کسی پر فراہم ہو جائیں گے اور اُس کو امام قرار دے لیں گے تو یہ ہی اللہ تعالیٰ کے نزدیک پسندیدہ ہوگا اور دوسری دلیل یہ فرمائی کہ جب مہاجرین و انصار نے کسی پر اتفاق کر لیا اور اُس کو امام بنا دیا تو یہ سبیل المومنین ہوگیا۔ جس کا اتباع بحکم نص صریح واجب ہے اور خلاف حرام ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے ۔

ومن یشاقق الرسول من بعد ما تبین لہ الھدیٰ ویتبع غیر سبیل المومنین نولہ ما تولیٰ ونصلہ جہنم وساءت مصیرا۔

اور جس نے خلاف کیا رسول کا ہدایت ظاہر ہونے کے بعد اور پیروی کی ایما؟ والوں کے راستہ کے دوسرے راستہ کی چلائیں گے ہم اس کو جدھر وہ چلا ہے اور جھونکیں گے ہم اس کو جہنم میں اور وہ بُرا ٹھکانا ہے ۔

اب باوجود اس کے اگر کوئی نہ مانے اور اس راستہ کے اتباع سے انکار کرے تو اُس سے مومنین کے راستہ کے اتباع چھوڑنے پر لڑو اور میری خلافت پر بھی اتفاق مہاجرین و انصار جو اہل حل و عقد امتِ محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں ۔ ہو چکا ہے اور عقد خلافت سبیل المومنین میں داخل ہو چکا ہے جس کا انکار اور ترک مستوجب قتال ہے اور مستحق بددعا اور تہدید دخول جہنم ہے۔ شارح ابن میثم کہتا ہے

(قولہ) وانما الی قولہ تولیٰ حصر للشوریٰ والاجماع فی المھاجرین والانصار لانھم اھل الحل والعقد من امۃ محمد صلی اللہ علیہ والہ وسلم فاذا اتفقت کلمتھم علی حکم من الاحکام کاجتماعھم علی بیعتہ وتسمیتہ اماما کان ذلک اجماعاً حقا ھو رضا للہ ای مرضی لہ و سبیل المومنین الذی یجب اتباعہ فان خالف من امرھم وخرج عنہ بطعن فیھما او فیمن اجمعوا علیہ کخلاف معاویۃ و طعنہ فیہ بقتل عثمان ونحوہ او ببدعۃ کخلاف اصحاب الجمل وبدعتھم فی نکث بیعتہ ردوہ الی ما خرج عنہ فان ابی قاتلوہ علی اتباعہ غیر سبیل المومنین حتی یرجع الیہ وولاہ اللہ ما تولی واصلاہ جہنم وساءت مصیرا۔

آپ کے قول وانما سے آپ کے قول تولیٰ تک شوریٰ اور اجماع کے

انحصار کا مہاجرین وانصار میں بیان ہے کیونکہ یہ لوگ امت محمد صلی اللہ علیہ وسلم
میں اہل حل اور عقد ہیں پھر جب وہ کسی حکم پر متفق ہو جائیں گے جیسی آپ
کی بیعت اور امامت تو وہ حق اور پسندیدہ خدا اور مومنین کا واجب الاتباع
راستہ ہوگا پھر اگر کوئی ان کے اجماع میں طعن کر کے خلاف کرے اور
اس سے نکلے جیسا معاویہ نے خلاف کیا اور عثمان کے قتل کا طعن کیا یا
کوئی بدعت کر کے جدا ہو جیسا اصحاب جمل نے خلاف کیا اور بیعت توڑی
تو اس کو جس جگہ سے نکلا ہے وہیں لوٹاؤ اور اگر نہ ملنے تو اس سے مومنین
کے راستہ کے خلاف چلنے پر لڑو جب تک وہ لوٹے اور اللہ اس
کو چلائے گا جدھر وہ چلا ہے اور دوزخ میں داخل کرے گا اور وہ
برا ٹھکانا ہے۔ ۱۲ ترجمہ از مولانا عاشق الٰہی میرٹھی رحؒ

پس اس گزارش سے ثابت ہو گیا کہ انعقاد خلافت کا مدار بیعت اہل حل و
عقد پر ہے جو سبیل المومنین میں داخل ہے اور پسندیدہ جناب باری عز اسمہ ہے اور جس
کا خلاف حرام اور مستوجب دخول نار ہے اور یہ امر خلفائے سابقین کے لئے بتدریج
اول متحقق ہوا اور جناب امیرؓ کے لئے رابعاً بعد خلفاء متحقق ہوا۔ تو ثابت ہوا کہ آپ
کی خلافت اب اس وقت بیعت اہل حل وعقد کے ساتھ متحقق ہوئی اور اس سے
پیشتر آپ خلیفہ وامام نہیں تھے بلکہ پیشتر وہ حضرات خلیفہ وامام تھے۔ جن کی
خلافت پر اجماع واتفاق اہل حل وعقد ہو چکا تھا اب اس کا انکار کرنا سبیل
المومنین سے روگردانی اور موجب دخول جہنم ہے وہو المدعا۔

غایت سعی وجان کاہی اور منتہائے جد وجہد حضرات شیعہ کا اس عبارت
کی توجیہ بلکہ تحریف وتخریب میں یہ ہے کہ اس کو باب مجارات الخصم کے قبیلے سے
قرار دیتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ یہ دلیل صرف قضایا مسلمہ عند الخصم سے مرکب

ہے۔ حاشا کہ اسمیں کوئی مقدمہ مسلم عند المستدل ہو چنانچہ علامہ ابن میثم بحرانی
نے بھی اس طرف اشارہ کیا ہے وہ لکھتے ہیں:۔

وانما احتج علیهم بالاجماع والاخبار ههنا علی حسب
اعتقاد القوم انه المعتبر فی نصب الامام اذ لم یکن
عندهم انه منصوص علیه ولو ادعی ذلك لم یسلم
له وبالله التوفیق۔

یہ بندہ ناچیز بحول اللہ تعالیٰ وقوتہٖ اس کے جواب میں عرض کرتا ہے
کہ یہ جواب حضرات شیعہ کا اس قبیلے سے ہے کہ کوئیں سے نکلے اور کھائی میں
گرے۔ بلکہ فروا من المطر وقفوا تحت المیزاب غریق تنکے کا سہارا تو ڈھونڈھتا
ہے پر یہاں تنکا بھی تو نہیں۔ واقعی جب حواس باختہ ہوتے ہیں اور ہوش پراگندہ
ہو جاتے ہیں۔ تو اس وقت ایسی ہی حالت پیش آنی چاہیئے۔ اگرچہ ہم اس بحث
کو نہایت بسط اور تفصیل کے ساتھ ھدایات الرشید میں لکھ چکے ہیں تاہم اس
رسالہ میں بھی جب اس کا ذکر آگیا ہے تو کچھ مختصراً عرض کرنا ضرور ہے۔ غور وتامل
کا مقام ہے کہ ایک جانب تو لزوم صحت خلافت خلفاء ثلثہ رضی اللہ عنہم ہے
اور دوسری جانب اس کلام ہدایت نظام کا محض الزامی ہونا اگرچہ ناواقف
سادہ لوح تو بقاعدہ اذا ابتلی المرء ببلیتین فیختار اھونهما کے لزوم صحت
خلافت کو علی الاصول الشیعه اثقل اور اس کلام کے الزامی ہونے کو اہون خیال
کرے گا کیونکہ بطلان خلافت خلفاء بھی مقصود مذہب ہے جو تمام امامیہ کا اجماعی
مسئلہ ہے اور اس کلام کے الزامی اور باب مجارات الخصم ہونے میں بظاہر کوئی خرابی
نہیں لہٰذا سہل یہ ہی سمجھے گا کہ اس کلام کو الزامی قرار دیوے اور اس کے مقدمات
کو صرف مسلم خصم کہہ دیوے لیکن حقیقت شناسان مذہب خوب سمجھتے ہیں کہ

امر بالعکس ہے جس کو اہون سمجھتے ہیں۔ اثقل ہے اور جس کو اثقل خیال کر رکھا ہے وہ نہایت اہون و اسہل ہے کیونکہ بطلان خلافت گو باعتبار مذہب اشہر ہے اور اجماعی مسئلہ اعتقاد کر رکھا ہے لیکن جب اُس کے دلائل میں غور کیا جاتا ہے تو نہایت ضعیف اور پوچ معلوم ہوتے ہیں۔ بلکہ یہ مسئلہ اصول اسلام کے سراسر مضاد و منافی ہے اگر اس کو تسلیم کر لیا جائے تو اسلام بیخ و بُن سے اکھڑ جاتا ہے اور کوئی رکن اسلام ثابت نہیں رہ سکتا۔ چنانچہ اس رسالہ کے ابحاث میں تامل کرنے سے عاقل منصف سمجھ سکتا ہے کہ گویا موضوع اس رسالہ کا یہی ہے اور اجماع شیعہ کا حال ہم ابھی عرض کر چکے ہیں۔ وہ تو محض ایک ڈھکوسلا ہے اُس کی مخالفت کچھ اندیشہ ناک نہیں۔ کیونکہ خود شیعہ صدہا جگہ اپنے اجماع کا خلاف کر بیٹھتے ہیں۔ تو معلوم ہوا کہ اُن کا اجماع اُن کے نزدیک بھی کچھ قابل وقعت نہیں تو ترک اعتقاد بطلان خلافت اہون ہی نہیں ہوا بلکہ اہل ایمان کے لئے لازم و ضرور ہوا اور اس کلام کا الزامی ہونا جس کو اپنی ناعاقبت اندیشی سے یا مجبور ہو کر اہون اعتقاد کر رکھا ہے۔ نہایت دشوار اور مفاسد بے شمار کو مستلزم ہے اگر اس کلام کو الزامی تسلیم کیا جاوے تو جناب امیر ایسے ملزم و مفحم ہوتے ہیں کہ نہ آپ کی دلیل صحیح رہتی ہے اور نہ مدعا ثابت ہوتا ہے اور نہ آئندہ آپ کو گنجائش جواب باقی رہتی ہے کیونکہ قاعدہ مسلمہ ہے کہ دلیل الزامی کے تمام مقدمات مسلّم عند الخصم ہونے چاہئیں۔ اگر خصم کے نزدیک مقدمات دلیل مسلّم نہ ہوں گے تو ہرگز الزام تام نہ ہوگا اور دلیل لغو ہوگی اور مستدل تجہیل و تحمیق کا مستحق ہوگا اور یہاں اگر اس دلیل کو الزامی قرار دیا جاوے تو اُس کے تمام مقدمات عند الخصم مسلّم نہیں ہیں۔ بلکہ امیر شام قیاس اوّل کے کبریٰ کو

تسلیم نہیں کرتا۔

صورت قیاس اس طرح ہے :-

انہ بایعنی القوم الذین بایعوا ابابکر و عمر و
عثمان و کل من بایعوہ فھو امام حق

وہ کہتا ہے کہ اس کبریٰ کی کلیت صحیح نہیں اور بیعت اہل حل و عقد بدون اہلیت خلافت صحیح و قابل اعتبار نہیں ہے۔ تو بروئے مذہب امیر شام ترتیب مقدمات قیاس اس طرح ہوئی :-

انہ بایعنی القوم الذین بایعوا ابابکر و عمر و عثمان
و کل من بایعوہ وھو اھل لذالک فھو امام حق۔

اور ظاہر ہے کہ بروئے زعم امیر شام جناب امیر اس قیاس کے مصداق نہیں ہو سکتے۔ کیونکہ آپ بزعم امیر شام اہل خلافت نہیں تھے۔ چنانچہ امیر شام نے جو خط کہ آپ کے خط کے جواب میں لکھ کر بھیجا ہے اُس سے صاف عیاں ہے شارح ابن میثم کہتا ہے

فاجابہ معٰویہ امابعد فلعمری لو بایعک القوم الذین
بایعوک وانت بریٔ من دم عثمانؓ کنت کابی بکر و عمر
و عثمان ولکنک اغریت بعثمان وخذلت عنہ الانصار
فاطاعک الجاھل وقوی بک الضعیف الخ

تو اوّل جب امیر شام بیعت اہل حل و عقد کو بلا استحقاق کسی شمار میں ہی نہیں سمجھتا تو اُس پر بیعت اہل حل و عقد کے ساتھ استدلال کرنا اور الزام دینا قانون و دانشمندی سے خارج اور مالیخولیا ہے جس سے حضرت رضی اللہ عنہ مبرا ہیں۔ پس یہ دلیل تو لغو اور باطل ہو گئی اب بمقابلہ امیر شام کے اثبات مدعا کیلئے

کس دلیل سے استدلال کیا جائیگا جو ایک تیر ترکش میں تھا ضائع ہُوا اور نشانہ پر نہ لگا اب
بجز اس کے کہ اپنا سا مُنہ لے کر اور چپ ہوکر بیٹھ رہیں، اور کوئی تدبیر نہیں ہے۔ علاوہ
ازیں جناب امیر شام کے اس خط کے جواب میں جو خط تحریر فرمایا وہ بصراحت دال
ہے کہ آپ کی غرض اس استدلال سے محض الزام نہیں تھا بلکہ واقعی اور تحقیقی امر بیان
فرمانا مدنظر تھا۔

فكتب جوابه من عبد الله علي امير المومنين الى معوية
بن صخر اما بعد فانه اتاني كتابك كتاب امرء ليس
له يهديه ولا قائد يرشده قد دعى الهوى فاجابهُ
وقاده الضلال فاتبعه فهجر لاغطا وضل خابطا
ان قال زعمت انما افسد علي بيعتك وكنت امرءً
من المهاجرين اوردت كما اوردوا واصدرت كما
اصدروا وما كان الله ليجمعهم على ضلال ويضربهم
بالعمى الخ

حاصل یہ کہ میرے پاس تیرا خط پہنچا وہ ایسے شخص کا خط تھا کہ نہ جس کے لئے
بصیرت ہے نہ کوئی ہاتھ پکڑ کے کھینچنے والا مرشد ہوئی کا مطیع گمراہی کا تابع بیہودہ گو اس
کی اور خبط میں گمراہ ہوا یہ جو گمان کیا کہ تیری بیعت کو میرے ساتھ فاسد کر دیا۔ میں ایک
شخص مہاجرین میں سے ہوں جیسے وہ دین کے گھاٹ پر وارد ہوئے میں بھی وارد ہوا
اور جیسے وہ وہاں سے صادر ہوتے میں بھی صادر ہوا اور خدا تعالےٰ ان کو ہرگز
گمراہی پر مجتمع نہیں کرے گا اور سب کو طریق حق سے اندھے پن میں مبتلا نہیں فرمائیگا
حاصل استدلال یہ کہ اگر میں تیرے گمان کی بموجب اہل للخلافت نہ ہوں اور اہل
حل وعقد کی بیعت غیر صالح للخلافت کے ہاتھ پر واقع ہو جاتے تو لازم آئے گا

کہ اہل حل وعقد گمراہی پر مجتمع ہوں اور سب کے سب اندھے پن میں مبتلا ہو جائیں
اور یہ محال ہے کیونکہ پہلے خط سے ثابت ہو چکا تھا کہ سبیل المومنین واجب الاتباع
ہے اور واجب الاتباع میں ضلالت اور گمراہی ناممکن ہے موجب عقل کہ منافی
لطف ہے اور نیز بموجب نقل و يتبع غير سبيل المومنين نوله ما تولى ونصله
جهنم، پس ثابت ہوا کہ بیعت اہل حل وعقد غیر صالح للخلافت پر واقع نہیں
ہو سکتی اور میں اہل للخلافت ہوں اور ظاہر ہے کہ یہ جواب اسی وقت ممکن ہے جبکہ
اس کلام کو تحقیق پر حمل کیا جائے اور اجماع اہل حل وعقد کو نفس الامر میں مثبت خلافت
تسلیم کر لیا جائے ورنہ ہم پہلے عرض کر چکے ہیں کہ اگر اس کلام کو الزام پر حمل کیا جاویگا
تو امیر شام کے اعتراض کا جواب ناممکن ہوگا اور حضرت کا یہ جواب بالکل لغو اور مہمل
ہوگا تو ثابت ہوگیا کہ یہ آپ کا خط الزام نہیں ہے بلکہ تحقیق ہے اور اگر اس سے بھی
قطع نظر کریں تو حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس مضمون کو متعدد مواقع میں بیان
فرمایا ہے اور اجماع اہل عقل وعقد کو معتبر قرار دیا ہے۔ حضرات شیعہ کہاں تک
تحریف کریں گے اور کہاں تک اس کے بگاڑنے کی سعی فرما دیں گے ہم بھی انشاء اللہ
تعالیٰ ببرکت کرامت اسد اللہ تا بدروازہ پہنچا کر چھوڑیں گے کہ پھر آئندہ چون و
چرا کی گنجائش باقی نہ رہے۔

پس سنیئے اوّل تو اس کا جواب الجواب جو جناب امیر نے تحریر فرمایا جس کا
مضمون ہم اوپر نقل کر چکے ہیں وہ ہی اس مشکل کی عقدہ کشائی کے لئے کافی اور
وافی ہے اس کی عبارت میں چونکہ آپ کے شریف رضی نے قطع و برید اپنی عادت شریفہ
کی موافق فرمائی ہے لہٰذا ہم اصل خط بلفظہ شرح ابن میثم بحرانی سے نقل کرتے ہیں۔

فكتب جوابه من عبد الله علي امير المومنين الى معوية
بن صخر اما بعد فانه اتاني كتابك كتاب امرء ليس له بصر

يهديه ولا قائد يرشده قد دعى الهوى فاجابه وقاده الضلال فاتبعه فهجر لاغطا وضل خابطا ان قال زعمت انما افسد على بيعتك وكنت امرء من المهاجرين اوردت كما اوردوا واصدرت كما اصدروا وما كان الله ليجمعهم على ضلال ويضربهم بعمى واما ما ميزت بين اهل الشام و اهل البصرة وبينك وبين طلحة والزبير فلعمرى ما الامر فى ذلك الا واحد لانه بيعة واحدة لا يثنى فيها النظر ولا يستأنف فيها الخيار الخارج منها طاعن والمروى فيها مداهن۔

حاصل مطلب امیر معاویہؓ کے خط کا یہ تھا کہ آپ کا استدلال اپنی صحت انعقاد خلافت کے لئے بیعت اہل حل وعقد سے صحیح نہیں ہے آپ کا استدلال بیعت اہل حل وعقد کے ساتھ اُس وقت صحیح ہوتا جبکہ آپ اُن اوصاف صالحہ للخلافت پر ہوتے جن پر خلفا رسابقین صالحین للخلافت تھے اور جب آپ ان اوصاف پر نہیں ہیں تو آپ کو بیعت اہل حل وعقد نافع بھی نہیں ہو سکتی اور آپ کی خلافت بھی اس سے منعقد نہیں ہو سکتی چنانچہ جو خطا آپ سے عثمانؓ کے معاملہ میں ہوئی کہ اُن کے دشمنوں کو اُن پر بھڑکایا اور اُن کے مساعدوں کی مدد نہ کی اور جاہلوں نے تمہاری اطاعت کی اور ضعیف قوی ہو گئے اس سے صاف واضح ہے کہ تم عثمانؓ کے خون سے بری نہیں ہو علی الخصوص اس حالت میں کہ ان کے قاتلین کی حمایت کرتے ہو اور ہمارے حوالہ نہیں کر دیتے اور بے شک تم اہل للخلافت نہیں ہو کیونکہ یا ظالم ہو یا ظالموں کے مددگار و حامی اور یا عاجز و جبان ہو کر مظلوم کا حق بوجہ خوف ظلمہ ظالمین سے نہیں دلا سکتے اور آپ نے طلحہ اور زبیر کا ذکر کیا اور ان کو میرے لئے گویا مقیس علیہ

قرار دیا یہ بھی صحیح نہیں۔ کیونکہ جیسی آپ کی حجت ان پر اور اہل بصرہ پر ہے مجھ پر اور اہل شام پر نہیں۔ کیونکہ طلحہ و زبیر و اہل بصرہ نے آپ کی بیعت لو اطاعت کی تھی اور میں نے اور اہل شام نے آپ کی بیعت اور اطاعت نہیں کی تو ہم اور وہ اتباع میں مساوی نہیں ہو سکتے۔ جناب امیرؑ نے اس کا یہ جواب تحریر فرمایا جو ابھی ہم باتی میں شرح ابن میثم سے نقل کر چکے ہیں اس جواب کی تمہید میں اوّل آپ نے اس کو وہ شخص قرار دیا کہ جس کے لئے نہ کوئی رہنما ہو نہ کوئی مرشد اور جو محض خواہش نفسانی کا پابند اور گمراہی کا پیرو ہو اور بیہودہ بکواس کرنے والا اور گمراہی میں ہاتھ پاؤں چلانے والا ہم پوچھتے ہیں کہ پہلا خط انہ بایعنی القوم الخ جب محض الزام تھا تو بروئے مناظرہ امیر شام پر تو اس کا جواب اسیقدر لازم تھا کہ وہ کہتا کہ یہ الزام غلط ہے اور میرا مذہب یہ نہیں کہ علی الاطلاق بیعت اہل حل وعقد انعقاد خلافت کے لئے کافی ہے بلکہ میرے نزدیک ایک دوسری شرط اہلیت خلافت کی بھی معتبر ہے چنانچہ اس نے اس کو نہایت طمطراق کے ساتھ بیان کر دیا اور الزام اٹھایا بلکہ تبرعا بطور دلیل کے فارق درمیان خلفاء سابقین اور جناب امیر اور دلیل عدم اہلیت جناب امیر بھی بیان کر دی اور نہایت استحکام کے ساتھ لزوم بیعت کو اپنے ذمہ سے اٹھا دیا تو اب اُس کے جواب میں جناب امیر کا یہ اوصاف بیان فرمانا حسب رائے اہل تشیع بجز اس کے اور کسی محمل پر محمول ہونے کے قابل نہیں ہے کہ جب آدمی ہارتا ہے تو گالیاں دیتا ہے ہر کہ تنگ آید بجنگ آید۔ گویا شیعہ کے نزدیک حضرت ہار کر گالیوں پر اُتر آئے اور ظاہر ہے کہ یہ خرابی اس کلام کے الزامی کہنے سے لازم آئی اور اگر اس کو تحقیقی قرار دیا جائے جیسی ہماری رائے ہے تو پھر ہم عرض کر چکے ہیں کہ امیر شام اس کے جواب سے قیامت تک بھی عہدہ برا نہیں ہو سکتے چنانچہ ظاہر ہے۔ پھر بعد اس تمہید کے آپ نے اس جواب الجواب میں یہ تحریر فرمایا کہ میں ایک رجل زمرہ مہاجرین میں سے

ہوں، مجھ میں نہ بہ نسبت اُن کے کوئی خصوصیت ہے نہ اُن پر کوئی فوقیت ہے۔ میرا
ورود و صدور اُن کے برابر ہے یعنی معاملہ عثمانؓ میں مَیں نے کوئی جدید امر نہیں کیا۔
بلکہ سب کے شامل رہا جو ان کا حال ہے وہ ہی میرا حال ہے یا یہ احتمال ہے کہ سرچشمہ
نبوت و رسالت پر ورود و صدور میرا اور ان کا برابر ہے یا یہ کہ امر خلافت میں ورود و
صدور میرا اور ان کا مساوی ہے مَیں نے اُن کا خلاف نہیں کیا جس کو انہوں نے
خلیفہ بنایا مَیں نے بھی اُس کو تسلیم کر لیا کبھی چون و چرا نہ کی اور وجہ یہ کہ اللہ تعالےٰ
اُن کی گمراہی میں مجتمع نہیں فرمائے گا اور اُن سب کو اندھے نہیں بنا دے گا کہ غیر مستحق
پر اجماع و اتفاق کریں۔ گویا یہ امر شریعت اسلام میں ایسا بین اور بدیہی ہے کہ محتاج دلیل
نہیں ہے۔ یہ مضمون بھی امیر شام کے جواب ہونے کے اُسی وقت قابل ہو سکتا ہے جبکہ اس
کو تحقیقی قرار دیا جائے اور اس کا تحقیقی ہونا پہلے خط کے مضمون کے تحقیقی ہونے
کو مستلزم ہے اور اگر اس کو بھی الزامی قرار دیا جائے تو بالکل مہمل اور لغو ہوگا نہیں
بلکہ حسب قاعدہ غلط اور خلاف واقع ہوگا کیونکہ جملہ وما کان اللہ لیجمعھم علی ضلال کا
عطف جملہ سابقہ پر ہو رہا ہے اور ظاہر ہے کہ معطوف و معطوف علیہ حکم میں متحد ہونے
ہیں تو جب اس جملہ کو الزام قرار دیا جائے گا تو کنت رجلا من المھاجرین کو بھی الزام
ہی کہنا پڑے گا اور نیز جملہ اوردت کما اوردوا کو بھی الزام ہی ماننا پڑے گا اور یہ صریح
خلاف واقع اور اہل تشیع کی رائے کے بھی خلاف ہے پھر یہ جملہ وما کان اللہ الخ
کو الزام تو اس وقت قرار دینا صحیح ہو جبکہ خصم اس کو تسلیم کرتا ہو خصم تو صاف یہ کہہ
رہا ہے۔ اما بعد فلو بایعک القوم الذین بایعوک وانت بری من دم عثمان
کنت کابی بکر وعمر وعثمان الخ جس کا حاصل یہ ہے کہ بیعت اہل حل و عقد ہر ایک صالح
کے عقد خلافت کے لئے کافی نہیں ہے تو اس سے صاف ظاہر ہے کہ بیعت اہل حل و
عقد کی غیر صالح کے لئے صرف ممکن ہی نہیں بلکہ واقع ہے چنانچہ آپ کے بارہ میں

امیر شام کا یہی دعویٰ ہے کہ اجماع اہل حل و عقد غیر صالح پر واقع ہوا تو ایسی صورت میں
تو اُس کو جملہ وما کان اللہ لیجمعھم علی ضلال ولیضربھم بعمی کیساتھ الزام دینا
کیا اہل عقل کے نزدیک مالیخولیا نہیں ہے پس ثابت ہوا کہ یہ عین تحقیق ہے کہ الزام کا اس
میں شائبہ بھی نہیں پھر جب امیر معٰویہؓ نے یہ لکھا تھا کہ اہل حجاز میں حکومت اور خلافت
اس وقت تک ہے جب تک اُن میں حقانیت تھی اور جب اُن میں حقانیت نہ رہی
اور جور پیشہ ہو گئے تو وہ حاکم نہ رہے بلکہ اس وقت اہل شام اہل حجاز پر حاکم ہوں گے
آپ نے اس کے جواب میں تحریر فرمایا کہ یہ جو تُو نے گمان کیا کہ اہلِ شام اہلِ حجاز پر حاکم ہیں
بھلا شام کے قریش میں سے وہ شخص تو دکھلا جن کو شوریٰ میں دخل ہو اور خلافت ان کو
ملی ہو اور اگر بفرض محال تو اس کا مدعی ہوگا تو تمام مہاجرین و انصار تیری تکذیب کریں گے
ورنہ قریش حجاز سے وہ شخص میں تیرے پیش کروں۔ اس جواب سے ثابت ہے کہ جناب
امیر کے نزدیک اہل حل و عقد کا شوریٰ معتبر تھا اور فی الواقع آپ اس کو حق جانتے
تھے محض الزام ہی نہیں تھا کیونکہ الزام صحیح نہیں امیر معٰویہؓ کے نزدیک اہل حل و عقد کوئی
چیز نہیں بلکہ اُن کے نزدیک اجماع بعض مسلمین مع الاہلیت کافی ہے چنانچہ انہوں
نے کہا والا کانت الشوریٰ بین المسلمین پس اس کا الزام ہونا بالکل باطل ہے
دوسرے جناب امیر نے فرمایا کہ اگر تو جھوٹا دعوےٰ کرے گا تو تمام مہاجرین و انصار
تیری تکذیب کریں گے۔ اس سے ثابت ہوا کہ مہاجرین و انصار آپ کے نزدیک عادل
ہیں کذب کی تصدیق کرنے والے نہیں ہیں اور امیر معاویہؓ کی امارت کی پاسداری کی وجہ
سے کذب اور ظلم میں ہرگز اُن کے طرفدار نہ ہوں گے اور نیز یہ بھی ثابت ہوا کہ خلافت
خلافت خلفاء ثلثہؓ آپ کے نزدیک حق تھی کہ بمقابلہ امیر معٰویہؓ کے قریش حجاز کے حکام
خلفاء کو پیش فرماتے ہیں اور آخر میں جو جملہ کہ غیر اہل شام اور اہل بصرہ اور امیر شام اور
طلحہؓ و زبیرؓ کے جواب کے بارہ میں تحریر فرمایا او قسم کے ساتھ اُس کو مصدر کیب

فلعمری ما الامر فی ذلک الا واحد کیا کوئی عاقل ایماندار اُس کو الزام کہہ سکتا ہے۔
اس کو تو حضرات اہل تشیع بھی الزام نہیں فرماتے تو پھر اس مُدعا پر جو دلیل ہے وہ کیونکر
الزام ہو جائے گی۔ لانہا بیعۃ واحدۃ لا یثنی فیہا النظر ولا یستانف فیہا
الخیار اس سے صاف روشن ہے کہ بیعت اہل حل وعقد آپ کے نزدیک معتبر ہے
ورنہ اگر الزام ہوتا تو اوّل ضرور تھا کہ خصم کے نزدیک مسلّم ہوتا حالانکہ خصم اُس کی تسلیم
سے پہلے ہی انکار کر چکا ہے پس ثابت ہوا کہ اعتبار بیعت جمہور بروئے نفس الامر ہے
پھر سب کے آخر میں جو یہ جملہ تحریر فرمایا۔ الخارج منہا طاعن والمروی فیہا مداھن
اس جملہ نے تو بالکل فیصلہ ہی کر دیا۔ اور شارح ابن میثم نے اور بھی تصریح کے ساتھ تمام
وساوس و تخیلات مخالفہ کا استیصال کر دیا وہ لکھتے ہیں قولہ الخارج منہا طاعن
قسم من لم یدخل فی بیعتہ الی قسمین لانہ اما خارج منہا وھو الطاعن فی صحتہا
ویجب مجاھدتہ لمخالفتہ سبیل المؤمنین واما مروٍ متوقف وحکمہ انہ
مداھن وھو نوع من النفاق اس جملہ نے ثابت کر دیا کہ جو خلافت بیعت
اہل حل وعقد سے منعقد ہوئی اُس سے خارج ہونے والا طاعن ہے اُس کے ساتھ
مجاہدہ کرنا بسبب مخالفت سبیل المومنین لازم ہے یہ اسی وجہ سے کہ امام منصوص کی طاعت
سے خارج ہو گیا ہے پس ثابت ہوا کہ فی الواقع اور فی نفس الامر بیعت اہل حل وعقد معتبر
تھی اور جو کچھ آپ نے والامر انہ بایعنی القوم الذین بایعوا ابا بکر و عمر و عثمان
میں فرمایا تھا وہ عین تحقیق حق تھا ہرگز باب مجارات الخصم سے نہیں تھا۔ دوسرے
آپ نے اپنے اُس خطبہ کی ابتدا ہی جس کی ابتدا یہ ہے[1]۔

ومن خطبۃ لہ علیہ السلام امین وحیہ ارشاد فرمایا ہے۔
ولعمری لئن کانت الامامۃ لا تنعقد حتی یحضرھا عامۃ
الناس ما الی ذلک سبیل ولکن اھلہا یحکمون علی من غاب

[1] نہج البلاغۃ ص۲۳۳ جلد ۲ طبع جدید مطبوعہ بیروت ۲۔ عربی غفرلہ

عنہا ثم لیس للشاھد ان یرجع ولا للغائب ان یختار الا
وانی اقاتل رجلین رجلا ادعی ما لیس لہ والآخر منع علیہ
اِس کو بغور ملاحظہ فرمائیے کہ مخاطبین کے نزدیک صحت خلافت کے لئے
اجماع واتفاق تمام افراد امت شرط تھا جناب امیر نے اُس کی تغلیط وتردید فرمائی
اور فرمایا کہ اگر یہ صحیح ہو تو پھر انعقاد خلافت حقہ کی کوئی سبیل نہیں ہے۔ کیونکہ نہ تمام
افراد امت مجتمع ہو سکیں گے اور نہ خلافت منعقد ہو گی اُس کے بعد بطور استدراک
فرمایا لیکن اہل امامت یعنی اہل حل وعقد حاکم ہیں۔ حاضر و غائب پر۔ پھر بعد ازاں نہ
حاضر رجوع کر سکتا ہے اور نہ غائب کسی دوسرے کو اختیار کر سکتا ہے اس سے واضح
ہو گیا کہ اجماع اہل حل وعقد درباب انعقاد بیعت حضرت کے نزدیک معتبر تھا۔ ورنہ
آپ ہی فرمائیں۔ کہ وہاں تو امیر معاویہ کو الزام کے طور پہ فرمایا تھا یہاں کس کو الزام
دیا۔ اس عبارت کا ترجمہ فارسی جو علی بن حسن زواری نے کیا ہے ہم اُس کو ازالۃ الغین
سے ہدایات الرشید کے مباحث میں نقل کر چکے ہیں وہ ہمارے اس مدعا کو بعبارت
النص مثبت ہے۔

تیسرے اُس خطبہ میں جو آپ نے اصحاب کے خطاب میں فرمایا تھا جس
کا عنوان یہ ہے منہا فی خطاب اصحابہ وقد بلغتم من کرامۃ اللہ لکم
ارشاد فرمایا تھا وکانت امور اللہ علیکم ترد وعنکم تصدر والیکم ترجع
شارح ابن میثم نے اپنی مختصر شرح میں (جو شرح کبیر سے فارغ ہو کر پانچ سال
کے بعد لکھی اور شرح کبیر میں جو آپ نے خدا سے عہد کیا تھا کہ مذہب حق کی
نصرت کرونگا اور اُس کی موافقت کوئی کلمہ حق زبان سے نکل گیا تھا۔ مختصر میں اُس کی
مکافات کی اور وہی کلمات چن چن کر نکالے) تحریر فرماتے ہیں۔
قولہ کانت امور اللہ الی قولہ ترجع ای انکم کنتم اھل

الاسلام والحل والعقد فیہ وھم المھاجرون والانصار۔

اس خطبہ میں جو حضرت نے اپنے اصحاب کے روبرو بیان فرمایا۔ اور جس میں نہ الزامی ہونے کا احتمال ہے نہ تقیہ کی گنجائش ہے۔ اپنے اصحاب کو اہل حل وعقد قرار دیا اور اُن کو اللہ کے امور کا مورد و مصدر فرمایا اور مرجع ٹھہرایا تو اس سے ثابت ہوگیا کہ آپ کے نزدیک اہل حل وعقد کا اعتبار ہے تو خلافت کا مدار بھی اہل حل وعقد پر ہوا اور خط کا الزام ہونا ہی باطل نہیں ہوا بلکہ منصوصیت خلافت بلافصل کا بھی قلع قمع ہوگیا۔

چوتھے، ابھی ہم نویں دلیل کے ضمن میں آپ کے ایک کلام کا جملہ جو اپنے خواص شیعہ کو مخاطب بنا کر فرمایا نقل کر چکے ہیں اور وہ یہ ہے وان اجتمع الناس علیٰ امام طعنتم، اس سے ثابت ہوتا ہے کہ جناب امیرؓ کے نزدیک انعقاد امامت کے لئے اجتماع اہل حل وعقد کافی اور اس میں طعن کرنے والے اور آپ کے مذہب کو برا جاننے والے آپ کے جان نثار شیعہ ہی ہیں۔

پانچویں، جناب امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جو صلحنامہ امیر معویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ مرتب فرمایا اس میں یہ لکھا ولیس لمعویة بن ابی سفیان ان یعھد الی احد من بعدہ بل یکون الامر من بعدہ شوریٰ بین المسلمین، اور ظاہر ہے کہ یہ جملہ آپ کا مصالحت نامہ میں لکھنا الزام نہیں تھا تو ثابت ہوا کہ آپ کے نزدیک اہل حل وعقد کی بیعت کا انعقاد خلافت میں اعتبار ہے تو اس سے ذوی العقول کو ذرا بھی تأمل و تردد نہیں ہو سکتا کہ جناب امیر نے بھی جو کچھ فرمایا تھا وہ ہرگز الزام نہیں تھا بلکہ عین تحقیق اور خالص امر واقعی اپنے صمیم عزم اور بذر قلب سے فرمایا تھا نہ اسمیں الزام مقصود تھا اور نہ تقیہ کو دخل تھا مگر معلوم نہیں کہ علامہ حائری کو کیا ہوا اور اس کی عقل پر کیا پردہ پڑا کہ اس نے آپ کے

[...]ب مجارات الخصم سے قرار دیا اور اُن نصوص و تصریحات کی طرف جو نہج [البلا]غت ہی میں منقول ہیں جن کی شرح علامہ خود اپنے دست و قلم سے کر چکا ہے ذرا التفات نہ فرمایا شاید خطبہ کا عہد فراموش ہوگیا ہوگا یا اُسی وقت تک مخصوص اور منحصر تھا اور یہ ہم نے جو کچھ اس خط کے الزامی ہونے کے بارے میں دلائل خارجیہ سے لکھا محض تبرع تھا ورنہ خود اُس ہی خط میں ایسے قرائن و شواہد موجود ہیں جن سے عاقل سمجھ سکتا ہے کہ یہ خط تحقیق ہے الزام ہرگز نہیں ہے ہم اس کو بھی مفصل عرض کرتے مگر چونکہ اس بحث میں اطناب و طول ہوتا جاتا ہے اس لئے اس وقت اسی قدر قلیل پر اکتفا کرتے ہیں اور اس مضمون کو اہل فہم کی فہم کے اعتماد پر ترک کرتے ہیں۔

پندرھویں دلیل ۱۵

جناب امیرؓ کا ارشاد کہ حضرت ابوبکرؓ و حضرت عمرؓ افضلین امت ہیں

ازاں جملہ آپ کے ایک خط کا ٹکڑا ہے جو امیر معویہؓ کے خط کے جواب میں تحریر فرمایا تھا امیر معویہؓ کے خط کا عنوان یہ تھا:-

عن معٰویہ بن ابی سفیان الی علیؓ بن ابی طالب سلام علیک فانی احمد الیک اللہ الذی لا الٰہ الا ھو اما بعد فان اللہ اصطفٰی محمدا بعلمہ وجعلہ الامین علیٰ وحیہ والرسول الیٰ خلقہ واجتبیٰ لہ من المسلمین اعوانًا ایّدہ بھم فکانوا فی منازلھم عندہ علیٰ قدر فضائلھم فی الاسلام فکان افضلھم فی الاسلام وانصحھم للہ ورسولہ الخلیفة من بعدہ و خلیفة الخلیفة من بعد خلیفتہ والثالث الخلیفة عثمانؓ المظلوم فکلھم حسدت وعلیٰ کلھم بغیت الخ

یہ خط کسی قدر طویل ہے اس کا جواب جناب امیرؓ نے بدیں عنوان تحریر

فرمایا:۔

من عبد الله علی امیر المؤمنین الیٰ معٰویة بن ابی سفیان
فان اخاخولان قدم علی بکتٰب منک تذکر فیه محمداً وما
انعم الله علیه من الهدیٰ والوحی الخ

یہ خط بھی طویل ہے مگر اس خط میں ہمارا مثبت مدعا یہ جملہ ہے۔

و ذکرت ان اجتبیٰ له من المسلمین اعواناً ایدهٗ بهم
فکانوا فی منازلهم عندهٗ علیٰ قدر فضائلهم فی الاسلام
کما زعمت وانصحهم لله ولرسوله الخلیفة الصدیق و
خلیفة الفاروق ولعمری ان مکانهما فی الاسلام لعظیم
وان المصاب بهما فی الاسلام لجرح شدید یرحمهما الله
وجزٰهما باحسن ما عملا

پھر اسی خط میں یہ جملہ ہے:۔

کذلک وفی المهاجرین خیر کثیراً تعرفه جزاهم الله
باحسن اعمالهم۔

یہ کلام مذہب تشیع کے لئے نہایت صدمہ رسان بلکہ بلائے بے درمان ہے اور غالباً مصلحان مذہب نے اس ہی اندیشہ کے خیال سے اس کو نسیاً منسیاً فرما دیا ہوگا کہ مبادا کسی خصم کے ہاتھ لگ جاوے اور گلوگیر مذہب ہو مگر حضرت کی کرامت کے قربان کہ لاکھ تدبیریں کیں پر کچھ نہ ہوا اور آیت یریدون لیطفؤا نور الله بافواههم کا مصداق پورا ہو کر رہا۔ حاصل مضمون اس کا یہ ہے کہ تو نے ذکر کیا کہ خدا تعالیٰ نے اپنے رسول کے لئے مسلمانوں میں سے اعوان و مددگار چھانٹے جن کے ساتھ اُس کی تائید کی تو وہ اسلامی فضیلتوں کے اعتبار

سے رسُول اللہؐ کے نزدیک اپنے اپنے مراتب میں تھے اور ان میں اسلام میں سب سے افضل جیسا کہ تو نے گمان کیا اور سب سے زیادہ اللہ کا اور اُس کے رسُول کا خیر خواہ خلیفہ صدیقؓ اور خلیفہ کا خلیفہ فاروقؓ ہے اور مجھ کو اپنی زندگی کی قسم اُن کا مرتبہ اسلام میں نہایت عظمت والا ہے اور اُن کی موت کی مصیبت اسلام میں سخت زخم ہے اللہ تعالیٰ اُن پر رحم فرمائے اور اُن کو اُن کے عمدہ اعمال کی جزا عطا فرمائے۔ یہ کلام صریح مثبت نقیض مدعائے اہل تشیع ہے۔ کیونکہ مدعائے اہل تشیع تو اُس وقت ثابت ہوتا جب تمام صحابہ بعد وفات رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم علی الخصوص خلفاء رضی اللہ تعالیٰ عنہم بددین اور دشمن اہل بیت ہوں اور جب برخلاف اس کے خود حضرت کے ارشاد سے اعلیٰ درجہ کے دیندار اور افضلین امت ہوں جیسا کہ اہل سنت کا اعتقاد ہے تو حضرات شیعہ کا مدعا قیامت تک بھی ثبوت پذیر نہیں ہے بلکہ ثبوت مدعا اہل سنت بدیہی ہے۔ اس کلام میں چون وچرا کی حضرات اہل تشیع کو مطلق گنجائش نہیں ہے بجز اس کے کہ یا تو تقیہ پر عمل کریں جس کا یہ حاصل ہو کہ بلا ضرورت امام معصوم نے صریح جھوٹ بولا اور بطور تقیہ بددینوں کی جھوٹی تعریف کی اور بموجب ارشاد اذا مدح الفاسق غضب الرب مستحق غضب الٰہی ہوئے اور یا اپنے علماء معتمدین کی تکذیب کریں کہ انہوں نے یہ کلام وضع کی اور فی الحقیقت یہ کلام حضرت کی کلام نہیں ہے اور بحکم فلیتبوء مقعده من النار کے ان کو دوزخی قرار دیں۔ نہیں نہیں۔ بلکہ ایک تیسرا عذر وحیلہ بھی اس کلام ہدایت التیام کے ناقل خود ہی ایجاد واختراع فرما کر اپنے دین و دیانت اور عقل و فطانت کے جوہر دکھلا گئے ہیں، وہ یہ کہ اس کلام کے آخر میں ایک دُوسرا جملہ حسب مثل مشہور خشکہ با بیر ذرہ اگرچہ گندہ گمر ایجاد بندہ۔ جوڑ گئے ہیں تاکہ غریق کو

وقت بے وقت شاید حشیش کا سہارا ہی کفایت کر جائے۔ وہ جملہ یہ ہے۔

وما انت والمصدیق فالصدیق من صدق بحقنا وابطل باطل
عدونا وما انت والفاروق فالفاروق من فرق بیننا وبین
اعدائنا۔

حاصل یہ کہ شیخینؓ کی نسبت صدیقیہ اور فاروقیہ کا دعویٰ غلط ہے۔ تا وقتیکہ ہمارے حق کی تصدیق نہ کرے اور ہمارے اور ہمارے دشمنوں کے درمیان فارق نہ ہو جائے کوئی صدیق اور کوئی فاروق نہیں ہو سکتا اور شیخین میں یہ امر نہیں پایا جاتا تو وہ صدیق اور فاروق نہ ہوئے۔ یہ تو سن چکے۔ پر ذرا متوجہ ہو کر بندہ کی بھی عرض سن لیجئے کہ کیا کسی اہل عقل کے نزدیک ایسے من گھڑت ڈھکوسلوں سے امر واقعی اور نفس الامری جس کا حق ہونا صدہا دلائل سے مثل آفتاب نیم روز روشن ہو باطل ہو سکتا ہے اور مشت خاک سے نور ماہتاب چھپ سکتا ہے۔ ہرگز نہیں، اوّل جب آپ اس کے مدعی ہیں اگر ہمت اور غیرت ہے تو کسی دلیل سے ثابت کر دیجئے کہ اس قول میں لفظ حق و باطل و تفریق سے وہ ہی مراد ہے جو اہل تشیع حق و باطل و تفریق اعتقاد کئے ہوئے ہیں بلکہ انشاء اللہ دلیل سے معتقد اہل تشیع غلط ثابت ہو کر صحیح مراد کچھ اور ہی ثابت ہوگی۔ ورنہ دعویٰ بلا دلیل اہل خرد کو زیبا نہیں۔ دوسرے اس کا مدار اس پر ہے کہ اوّل امامت کا اصول دین میں سے ہونا کسی قطعی دلیل سے ثابت ہو جائے اور ابھی عنقریب ہم بشرح و بسط عرض کر چکے ہیں کہ امامت کا اصول دین میں سے ہونا کسی قابل اطمینان دلیل سے ثابت نہیں ہے بلکہ امامت کا اصول دین میں نہ ہونا دلائل مذہب سے ثابت ہوتا ہے۔

تیسرے خود جناب امیر اور دیگر ائمہ کے حالات میں نظر کرنے سے ہر ایک شخص سمجھ سکتا ہے کہ آپ حضرات خود بدولت بھی مصدق بحقنا اور مبطل باطل

عدونا اور فارق بیننا اور بین اعدائنا نہیں تھے بلکہ مکذب بحقنا اور مصدق باطل عدونا اور خالط بیننا اور بین اعدائنا کے مصداق تھے تو اس سے صاف واضح ہے کہ صدیقیہ اور فاروقیہ کے لئے اوّل جس کا دعویٰ کیا جاتا ہے شرط نہیں ہے۔ بلکہ ثانی شرط ہے جو متفق علیہ اور معمول بہا تمام ائمہ گزشتہ ہے۔

چوتھے، اچھا آپ بالفعل بموجب ارشاد واللہ لاسلمن الخ اور خطبہ للہ بلاد فلان وغیرہ اور ارشاد وکان افضلھم اور ان مکانھما فی الاسلام لعظیم وغیرہ اُن کی صرف حقیت خلافت اور افضلیت اور علو مرتبت کو تسلیم کر لیجئے اور صدیقیۃ اور فاروقیۃ کو ابھی یونہیں رہنے دیجئے اس کی بابت ہم آپ سے کسی دوسرے وقت نبٹ لیں گے۔

پانچویں، جملہ گھڑا تو سہی پر موافق مثل مشہور دروغ گو را حافظہ نباشد یہ یاد نہ رہا کہ یہ لقب کس کا عطیہ ہے اس جملہ کے گھڑنے والے نے اپنے غلط خیال میں یہ سمجھ لیا کہ یہ لقب صرف امیر معاویہؓ کے کلام میں ہے اور جناب امیر اپنے اس کلام میں وکان افضلھم فی الاسلام کما زعمت وانصحھم للہ ولرسولہ الخلیفۃ الصدیق وخلیفۃ الخلیفۃ الفاروق، امیر معاویہؓ کے کلام سے نقل فرما رہے ہیں اور اس غلط خیال پر اُس کے ابطال و استیصال کے لئے یہ جملہ تصنیف کر دیا حالانکہ امیر معاویہؓ کے کلام میں نہیں تھا بلکہ یہ لقب صرف جناب امیر کے ہی کلام میں ہے پس جب جناب امیر اپنے کلام میں بدون نقل شیخینؓ کو القاب صدیق اور فاروق کے ساتھ ملقب فرماتے ہیں تو اس سے صاف ثابت ہوا کہ آپ فی الواقع اور عند اللہ اُن کی صدیقیہ اور فاروقیہ کے معترف اور معتقد ہیں۔ پس فی الحقیقت اس جملہ کے واضع نے شیخین رضی اللہ عنہما کی صدیقیۃ اور فاروقیۃ پر حملہ نہیں کیا بلکہ جناب امیر کی شہادت کی تکذیب کر کے اپنی مصنوعی تشیع کو برباد کر دیا قطع نظر

اس سے اگر بنظر غور دیکھا جائے تو قطع نظر قرائن خارجیہ کے اور اطراف وجوانب
کلام کے نفس اس جملہ پر آثار اہمال اور لغویت لائح ہیں۔ کیونکہ لفظ وما انت
والصدیق سے تو یہ غرض ہے کہ کجا تو اور کجا صدیق، تجھے صدیق سے کیا تعلق۔ تو
صدیق سے وہ مراد ہے جو باعتبار واقع اور نفس الامر کے صدیق ہوتا کہ بے تعلقی اور
بعد کامل مابین مخاطب اور صدیق او فاروق ثابت ہو جائے۔ اور اگر نفس الامری
صدیق و فاروق مراد نہ ہو تو پھر مخاطب کو کہ جس کو اہل باطل میں سے تصور کر رکھا
ہے۔ صدیق و فاروق سے بے علاقہ بیان کرنے کی کیا ضرورت تو ثابت ہوا کہ
صدیق اور فاروق سے اعتقادی نفس الامری مراد ہیں اور اس کے بعد جو لفظ
فالصدیق من صدق بحقنا اور فالفاروق من فرق بیننا و بین اعدائنا
ہے اس لفظ سابق کے بالکل خلاف ہیں اس لئے کہ اس جملہ میں صدیقیت اور
فاروقیت سابقہ سے انکار و انحراف مفہوم ہوتا ہے اور ثابت ہوتا ہے کہ صدیقیت
اور فاروقیت حقیقیہ کے لئے ہمارے حق کی تصدیق اور ہمارے اعداء کے فیما بین تفریق
ہے۔ جو صدیق اور فاروق سابقہ میں متحقق نہیں گویا در حقیقت وہ صدیق اور
فاروق نہ ہوئے پس یہ کلام غیر مربوط بلکہ متناقض المدلول خود شہادت دے رہی
ہے کہ جناب امیر کی ہرگز یہ کلام نہیں ہے۔ بلکہ یہ تو کسی مخبوط الحواس لایعقل کا کلام
معلوم ہوتا ہے۔ تو ایسے بیہودہ کلام کو بمقابلہ کلام جناب امیرؑ جو بروئے عقل و نقل
قطعی طور پر کلام جناب امیرؑ ہے پیش کرنا بڑی شرمناک بات ہے بشرطیکہ حیا ہو جو
پہلے مسلّم ہو چکا ہے اذا لم تستحی فاصنع ما شئت۔

سولہویں دلیل قصہ لیلۃ المبیت اور رفاقت فی اللہ	ازاں جملہ قصہ لیلۃ المبیت ہے جو بشرح و بسط تفسیر امام حسن عسکری میں منقول ہے

اس کی عبارت ملخصًا یہ ہے:

هذه وصية رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم لكل صحابه
وبها اوصى حين صار الى الغار فان الله تعالى اوحى اليه
يا محمد ان العلي الاعلى يقرء عليك السلام ويقول لك
ان ابا جهل والملاء من قريش قد دبروا يريدون قتلك
وامرك ان تبيت عليًا في موضعك وقال لك ان منزلته
منزلة اسحق الذبيح من ابراهيم الخليل يجعل نفسه
لنفسك فداء وروحه لروحك وقاء وامرك ان تستصحب
ابا بكر فانه ان انسك وساعدك ووازرك وثبت على
تعاهدك وتعاقدك كان في الجنة من رفقائك وفي غرفاتها
من خلصائك فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم لعلي
ارضيت ان اطلب فلا اوجد وتوجد فلعله ان يبادر اليك
الجهال فيقتلوك قال بلى يا رسول الله رضيت ان تكون
روحي لروحك وقاء ونفسي لنفسك فداء بل قد رضيت
ان تكون روحي ونفسي فداء لاخ لك وقريب او لبعض
الحيوانات تمتهنها وهل احب الحيوة الا لخدمتك
والتصرف بين امرك ونهيك ولمحبة اوليائك ونصرة
اصفيائك ومجاهدة اعدائك ولولا ذلك لما احببت ان
اعيش في هذه الدنيا ساعة واحدة فاقبل رسول الله صلى
على علي وقال يا ابا الحسن قد قرء علي كلامك هذا الموكلون باللوح
المحفوظ وقرؤا علي ما اعد الله لك من ثوابه في دار القرار
ما لم يسمع بمثله السامعون ولا رأى مثله الراؤن

ولاحصر مثله ببال المتفكرين۔ ثم قال رسُول اللهؐ
لابی بکرؓ رضیت ان تکون معی یا ابا بکر تطلب کما اطلب
وتعرف بانک انت الذی تحملنی علی ما ادعیه فتحمل عنی
انواع العذاب قال ابوبکر یا رسُول اللهؐ اما انا لو عشت
عمر الدنیا اعذب فی جمیعها اشد عقاب لا ینزل علی
موت مریح ولا فرج منیح وکان ذٰلک فی محبتک لکان
ذٰلک احب الی من ان اتنعم فیها وانا مالک لجمیع ممالک
ملوکها فی مخالفتک ما اهلی وولدی الا فداک فقال رسُول
الله لاجرم ان اطلع الله علی قلبک ووجدما فیه موافقاً
لماجری علی لسانک جعلک منی بمنزلة السمع والبصر والرأس
من الجسد و بمنزلة الروح من البدن کعلی الذی
هومنی کذلک وعلی فوق ذٰلک لزیادة فضله وشریف
خصاله یا ابابکر من عاهد الله ثم لم ینکثه ولم
یغیر ولم یبدل ولم یحسد من قد ابانه الله بالتفضیل
فهو معی فی الرفیق الاعلیٰ واذا انت مضیت علی طریقة
یحبها منک ربک ولم تتبعها بما یسخطه ووافیته
بها اذا بعثک بین یدیه کنت بولایة الله مستحق
وبمرافقتما فی تلک الجنان مستوجباً انظر یا ابا بکر
فنظر فی آفاق السماء فرای املاکاً من نار علی افراس
من نارٍ بایدیهم رماح من نار کل ینادی یا محمد
مرنا نامرک فی مخالفیک نحطهم ثم قال تسمع

علی الجبال فسمع فاذا هی تنادی یا محمد مرنا بامرک
فی اعدائک نهلکهم ثم قال تسمع علی البحار فاحضرت
البحار بحضرته وامواجها وقالت مرنا بامرک فی اعدائک
نمتثله ثم سمع السماء والارض والبحار کل یقول ما
امرک ربک بدخول الغار بعجزک عن الکفار ولکن امتحاناً
وابتلاء لیتخلص الخبیث من الطیب من عباده وامائه
بامانک وصبرک وحلمک عنهم یا محمد من وفی بعهدک
فهو من رفقائک فی الجنان ومن نکث فعلی نفسه ینکث
وهو من قرناء ابلیس اللعین فی طبقات النیران۔ انتہیٰ بقدر الحاجۃ

حاصل یہ ہے کہ یہ رسُول اللہؐ کی وصیت ہے اپنے تمام صحابہ
کے لئے اور آپ نے یہی وصیت فرمائی تھی جب غار کی طرف جاتے تھے۔ اللہ تعالیٰ
نے آپ کی طرف وحی بھیجی۔ اے محمدؐ بڑا علی تم کو سلام کہتا ہے اور کہتا ہے کہ ابوجہل اور
جماعتِ قریش نے تمہارے قتل کی تدبیر کی ہے اور تم کو حکم کرتا ہے کہ رات کو اپنی
جگہ چھوٹے علی کو لٹا دیجو اور فرمایا ہے کہ اُس کا مرتبہ وہ ہے جو اسحقؑ ذبیح کو ابراہیم
خلیل اللہ سے تھا وہ اپنے نفس کو آپ کے نفس پر قربان اور اپنی روح کو آپ
کی روح کی ڈھال کر دے گا اور آپ کو حکم فرمایا ہے کہ ابوبکرؓ کو اپنی مصاحبت میں
رکھو اگر وہ آپ کی موانست اور مساعدت اور تقویت کرے گا اور آپ کی عہد و
پیمان پر ثابت قدم رہے گا تو جنت میں آپ کے رفقا میں شامل ہوگا اور جنت
کے بالاخانوں میں آپ کے مخلصین سے ہوگا۔ آپ نے علیؓ سے فرمایا کہ کیا تو اس پر
راضی ہے کہ مجھ کو دشمن طلب کریں اور مجھ کو نہ پائیں اور تجھ کو پائیں اور بمدبیر
قتل کی مبادرت کریں۔ علیؓ نے کہا ہاں یا رسُول اللہ میں اس پر راضی ہوں
بعد یہ ی

روح آپ کی روح کی ڈھال ہو اور میری جان آپ کی جان پہ قربان ہو بلکہ میں اس
پہ راضی ہوں کہ میری رُوح اور میرا نفس آپ کے کسی بھائی یا قریب یا بعض جانوروں
پر جن کو آپ اپنے کام میں لائیں قربان ہو اور میں حیات کو محبوب نہیں سمجھتا مگر صرف
آپ کی خدمت اور آپ کے امر و نہی کی اطاعت اور آپ کے دوستوں اور برگزیدوں
کی محبت و نصرت اور آپ کے دشمنوں کی مخالفت کے لئے اور اگر یہ نہ ہوتا تو میں
اس دُنیا کی زندگانی کو ایک ساعت بھی پسند نہ کرتا۔ پھر رسُول اللہ علیؑ کی طرف
متوجہ ہوئے اور فرمایا اے علی تیرے اس کلام کو لوح محفوظ کے موکلوں نے میرے
اوپر پڑھا اور نیز جو کچھ اس کا ثواب اللہ تعالیٰ نے آخرت میں تیرے لئے مہیا کر رکھا
ہے کہ نہ اُس کا مثل سُننے والوں نے سُنا اور نہ دیکھنے والوں نے دیکھا اور نہ فکر کرنے
والوں کے دل پر اُس کا خطرہ گزرا میرے اوپر پڑھا پھر رسُول اللہ نے ابوبکرؓ سے
فرمایا اے ابوبکر کیا تو میری مصاحبت اور مرافقت پہ راضی ہے جس طرح کفّار
مجھ کو ڈھونڈیں تجھ کو بھی ڈھونڈیں اور یہ بات مشہور ہو کہ جس کا میں دعویٰ کرتا
ہوں اُس پہ تو ہی مجھ کو برانگیختہ کرتا ہے میری وجہ سے تو انواع انواع کے عذاب
برداشت کرے ابوبکرؓ نے عرض کیا یارسُول اللہ اگر میں عمر دُنیا کی قدر زندہ رہوں
اور تمام زندگانی بھر سخت شدید عذاب کیا جاوے نہ مجھ کو راحت دینے والی موت
آئے اور نہ نجات دینے والا چھٹکارا میسر ہو اور یہ سب آپ کے عشق و محبت
میں ہو تو یہ میرے نزدیک اُس سے زیادہ پسندیدہ اور محبوب ہے کہ میں آپ
کی مخالفت میں تمام سلاطین دُنیا کی سلطنتوں کا مالک ہو کر راحت و آرام میں زندگانی
گزاروں۔ میرے اہل و عیال صرف اس ہی لئے ہے کہ آپ پہ فدا و قربان ہو اس پہ
رسُول اللہؐ نے فرمایا کہ خبردار۔ اللہ تعالیٰ کو تیرے دل کا حال معلوم ہو گیا اور اس نے
اس ظاہری بیان کو حال دل کے موافق پالیا تو تجھ کو مجھسے ایسا مرتبہ دے گا۔ جیسا

کان اور آنکھ کا مرتبہ اور جیسا تمام بدن میں سر کا مرتبہ اور جیسا رُوح کا بدن سے مرتبہ جیسا کہ علیؑ کہ اُس کا
مرتبہ بھی مجھسے ایسا ہی ہے اور علیؑ بسبب اپنی زیادتی فضائل شریف خصائل کے اس سے بھی بالاتر ہے
اے ابوبکرؓ جو شخص اللہ تعالیٰ کے ساتھ معاملہ کرتا ہے پھر نہ اس کو توڑتا ہے اور نہ اس میں تغیر تبدل
کرتا ہے اور نہ افضل پر حسد کرتا ہے تو وہ رفیق اعلیٰ میں میرے ساتھ ہوتا ہے اور جب تو اُس راستہ پر
چلے گا جس کو تیرا پروردگار پسند کرتا ہے اور اس سے تیچھے وہ کام نہیں کریگا جس سے وُہ ناخوش ہوتا
ہے تو اللہ کی ولایت کا اور جنتوں میں ہماری مرافقت کا تو مستحق ہو گا۔ اے ابوبکر نظر اُٹھا کر دیکھ ابوبکر
نے آسمان کے کناروں میں نظر کی تو دیکھا کہ آگ کے فرشتے آتشی گھوڑوں پر سوار ہیں ان کے
ہاتھوں میں آگ کے نیزے ہیں۔ ہر ایک چلّا چلّا کر کہتا ہے۔ اے محمدؐ اپنے مخالفوں
کے بارے میں مجھ کو حکم کیجئے کہ اُن کو پیس ڈالیں۔ پھر فرمایا کہ زمین کی طرف کان لگا
کر سُن۔ سُنا تو وُہ پکار کر کہہ رہی ہے۔ یا محمدؐ اپنے دشمنوں کے بارے میں مجھ کو حکم فرمایئے
میں آپکا حکم بجا لاؤں گی پھر فرمایا کہ پہاڑوں کی طرف کان لگا کر سُن۔ سُنا تو وُہ بلند آواز
سے کہہ رہے تھے۔ یا محمدؐ ہم کو اپنے بدخواہوں کے بارہ میں حکم فرمایئے کہ ہم اُن کو
ہلاک کر ڈالیں۔ پھر فرمایا کہ دریاؤں کی طرف کان لگا کر سُن۔ اُسی وقت دریا اور اس
کی موجیں حاضر ہو گئے اور عرض کرنے لگے۔ یا محمدؐ اپنے دشمنوں کے بارے میں ہم کو حکم فرمایئے
ہم آپ کا حکم بجا لائیں گے۔ پھر آسمانوں، زمینوں اور دریاؤں کو سُنا کہ وُہ کہہ رہے
تھے کہ تجھ کو تیرے پروردگار نے غار میں داخل ہونے کا حکم اس سبب سے نہیں کیا کہ تو
کفّار سے عاجز ہو گیا ہے بلکہ صرف بطور امتحان اور آزمائش کے تاکہ تیری حلم اور صبر
کے سبب اپنے بندوں میں سے ناپاک اور پاک کو جدا کر دے۔ اے محمدؐ جو تیرے
عہد پہ بجا رہے گا وہ جنتوں میں تیرے رفیقوں میں رہے گا اور جو تیرا عہد توڑے گا
وُہ اپنے نفس کو نقصان پہنچائے گا اور وُہ دوزخ کے طبقوں میں ابلیس لعین کے ہمنشینوں
میں ہو گا۔ اس عبارت امام حسن عسکری بلکہ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ابوبکر صدیقؓ

کی فضیلت اور علو مرتبہ اور بزرگی جس قدر ثابت ہوتی ہے عاقل فہیم پر روشن اور واضح ہے میرے بیان کی محتاج نہیں مگر تتمیماً للبحث میں اپنا ما فی الضمیر اس کے متعلق بھی عرض کئے دیتا ہوں ۔ بوقت ہجرت جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو چند ضروری خدمتیں پیش آئیں ۔

اوّل ، خدمت تو یہ کہ آپ کا چلا جانا تھوڑی دیر کے لئے مخفی رہے کہ کوئی شخص آپ کی چادر اوڑھ کر آپ کے بستر پر تھوڑی دیر لیٹ رہے تاکہ کفار کو یہ معلوم نہ ہو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے گئے ۔ اور اُسی وقت آپ کی تلاش کے درپے نہ ہوں بلکہ آپ کے ہونے کا اُن کو اطمینان رہے ۔ اور یہ جانتے رہیں ۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہاں موجود ہیں اور لیٹے ہوئے ہیں ۔ اپنے وقت پر ہم اپنا کام کریں گے ۔ اس خیال سے آپ کی تلاش و تجسس کے درپے نہ ہوں اور تھوڑی دیر یعنی وقت معین تک آپ کا تشریف لے جانا مخفی رہے ۔

دوسرے ضروری خدمت آپ کو یہ پیش آئی کہ کوئی خادم جان نثار ایسا ہو کہ آپ کے اس سفر پُر خوف و خطر میں ہمرکاب ہو ۔ اور ابتدا خروج مکہ میں چونکہ نشان قدم کا اندیشہ تھا تو حضرت کو اپنے دوش و کمر پر اُٹھا کر غار تک لے چلے اور تنہائی میں یارِ غار اور مونس و غمگسار ہو اور مہمات میں آپ کا وزیر و مشیر بنے اور آلام و مصائب میں شریک و سہیم ہی نہیں بلکہ وقایہ ہو کیونکہ وہ ایسا باوجاہت و عزت و عقل و فطانت ہو کہ اُس کی نسبت کفار یہ خیال کریں کہ درحقیقت یہی ہمارے دین کی تباہی اور بربادی کا باعث ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس دین کی اشاعت پر یہی برانگیختہ کر رہا ہے اور اسی کی تائید و تقویت پر یہ پختگی ہے ورنہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم میں یہ حوصلہ کہاں تو اس وجہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

کو چھوڑ کر اپنی تمام ہمت اور عداوت کو اُس کی طرف مصروف اور متوجہ کریں ۔

تیسرے یہ خدمت تھی کہ ایام قیام غار میں آپ کو طعام و شراب پہنچاتا رہے اور وقت بے وقت تشنگی و گرسنگی میں آپ کی خدمت اور خبر گیری کرے ۔

چوتھی خدمت یہ کہ کفار کے مشوروں کی خبریں آپ کی خدمت میں وقتاً فوقتاً پہنچاتا رہے ۔ اور صاحب ذکاء و فطانت ہو کہ کفار کی باتیں اور مشورے سمجھے ۔ اور اُن کو بے کم و کاست پورے طور پر نقل کر دے اور صاحب دیانت ہو کر اس راز کو کسی غیر پر افشاء نہ کرے اور نیز صاحب جرات و شجاعت ہو کہ کوئی خوف اُس کو سدّراہ نہ ہو ۔ خدمتِ اوّل کے لئے آپ نے حضرت علیؓ کو پسند فرمایا اور دوسری کے لئے آپ نے ابوبکر صدیقؓ کو پسند فرمایا اور تیسری اور چوتھی خدمت بھی ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اپنے ذمہ لی اس طرح کہ تیسری خدمت کی بجا آوری کے لئے آپ نے اپنے غلام عامر بن فہیرہؓ کو مامور فرمایا کہ وہ نواحی ثور میں اپنے اونٹ چراوے اور بوقت غفلت کفار حضورؐ میں شیر پہنچاوے اور چوتھی خدمت کے لئے آپ نے اپنے فرزند دلبند عبد اللہ بن ابی بکرؓ کو مستعد فرمایا کہ وہ دن بھر کفار کے اخبار کا تجسس کر کے شب کو تمام مشوروں کی خبریں عرض کیا کرے بالجملہ صرف ایک چند ساعت کی خدمت جناب امیر کو تفویض ہوئی اور بڑی جانبازی کی خوفناک خدمتیں ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو تفویض ہوئیں کہ نہایت مردانگی اور اخلاص کے ساتھ وہ اور اُن کے اتباع بجا لاتے گویا واقع میں ابوبکر صدیقؓ نے اپنے آپ کو اور اپنے اہل و عیال کو اپنے وعدہ کے موافق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر فدا کر دیا ۔ تو اب عاقل متدین کے غور کا مقام ہے کہ اس حالت میں ابوبکر صدیق افضل ہوئے یا علی المرتضےٰ رضوان اللہ علیہما ۔ بے شک علی مرتضیٰؓ آپ کے بستر پر لیٹے اور فی الجملہ خوف کا مقام تھا اور ایک ساعت کے لئے اندیشۂ ہلاکت تھا مگر نہ ایسا خوف کہ جو ابوبکرؓ کے لئے مظنون تھا کیونکہ

ابوبکرؓ کی نسبت تو کفار کو یہ امر متیقن تھا کہ یہ ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اُن کے دعوے پر برانگیختہ کرتے ہیں۔ اور اصل اصول اور بانی فساد یہی ہیں۔ تو کفار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی زیادہ درپے قتل ابوبکر صدیقؓ ہوں گے۔ چنانچہ یہ جملہ و تعرف بانك انت الذی تحملنی علی ما ادعیه فیتحمل علی انواع العذاب اس پر واضح دلالت کر رہا ہے اور علی مرتضیٰ کے قتل کا خیال تو صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے شبہ میں تھا جب وہ شبہ رفع ہو جائے گا احتمال قتل باقی نہیں رہیگا۔ بلکہ یہ بھی احتمال تھا کہ دفعۃً قتل نہ کریں بلکہ اوّل بیدار کریں چنانچہ ایسا ہی ہوا اور یہ عبارت اس پر دلالت کرتی ہے۔

ثم قال له یا ابا الحسن تغش ببردتی فاذا اتاك الکافرون یخاطبون فان الله یقرن بك توفیقه وبه تنجیهم فلما جاء ابوجهل والقوم شاهرون سیوفهم قال لهم ابوجهل لا تقعوا به وهو نائم لا یشعر ولکن ارموه بالاحجار لینتبه بها ثم اقتلوه فرموه باحجار ثقال صائبة فکشف عن راسه فقال ماشانکم وعرفوه فاذا هو علی فقال ابوجهل اما ترون محمدا کیف اباك هذا ونجا بنفسه لیشتغلوا به وینجو لا تشتغلوا بعلی المخدوع لینجو بهلاکه محمد والا فما منعه ان یبیت فی موضعه ان کان ربه یمنع کما یزعم

اس عبارت سے واضح ہے کہ آپ کو بیدار کیا نہ یہ بلکہ غالب احتمال یہ تھا کہ آپ کو باستظہار کفار نہ ہونے دیں گے اور جب کفار آ دیں تو آپ چادر کھول دیں اور اٹھ کھڑے ہوں اور خوف قتل جاتا رہے۔ نہیں نہیں بلکہ اس عبارت مذکورہ میں

تامل کرنے سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ مقام خوف کا ہی نہ تھا اور نہ آپ کو اندیشہ ہلاکت تھا کیونکہ آپ نے فرمایا تھا اذا اتاك الکافرون یخاطبون الخ اس سے رمز شناس بخوبی سمجھ سکتا ہے کہ یہ پیشنگوئی ہے جو راست ہوگی جس کا مطلب یہ ہے کہ کفار خطاب کریں گے اور بات چیت ہوگی، دفعۃً ہرگز حملہ نہیں کریں گے اور توفیق خداوندی حامی و مددگار ہوگی اور قتل و ہلاکت کی ہرگز نوبت نہیں پہنچے گی۔ چنانچہ مطابق اس پیشینگوئی کے واقع ہوا اور آپ کی پیشینگوئی حرف بحرف راست آئی تو ایسی حالت میں نہ وہ مقام اندیشہ تھا اور نہ وہاں احتمال ہلاک تھا۔ تو اس سے صاف واضح ہو گیا۔ کہ خوفناک اور مہتم بالشان امر کے لئے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوبکر صدیقؓ کو ہی انتخاب فرمایا اور تمام امور فخیمہ کے سرانجام کے قابل اور امور عظیم الشان کے انتظام و انصرام کے لائق ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو ہی سمجھا تو اس سے اہل عقل و دیانت کے نزدیک مثل آفتاب نیمروز روشن ہے کہ ابوبکر صدیقؓ علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہما سے مدارج رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک افضل تھے اور چونکہ یہ انتخاب بامر الٰہی واقع ہوا۔ چنانچہ امرك ان تبیت علیا فی موضعك او امرك ان تستصحب ابابکر سے واضح ہے تو یہ اصطفا من جانب اللہ تعالیٰ کے ہوا اور ابوبکر صدیقؓ جیسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک افضل ہوئے اللہ تعالیٰ شانہ کے نزدیک بھی اسی طرح حضرت علیؓ سے مدارج افضل ہوئے۔ یہ ہی وجہ ہے کہ جب قرآن شریف کلام الٰہی میں تتبع اور تلاش کی جاتی ہے تو بیتوتۃ المبیت جیسے عظیم الشان امر کا کہیں پتہ و نشان نہیں ملتا۔ خدا تعالیٰ نے کہیں صراحۃً اشارۃً کنایۃً دلالۃً کسی طرح بھی بیان نہ فرما دیا معلوم نہیں خدا تعالیٰ کو سہو و نسیان پیش آگیا یا حفاظ سے رہ گیا یا جیسے شیعہ کے نزدیک مہتم بالشان ہے غلط فہمی سے معاذ اللہ خدا تعالیٰ نے اس کو قابل اہتمام نہیں سمجھا۔ [illegible] تو یہ ہیں ہی نہیں۔ خدا تعالیٰ نے تو نازل فرما دیا تھا مگر اب وہ کیا کرے مخالفین نے

قرآن میں سے نکال ڈالا۔ دیکھ لو اس قرآن میں موجود ہوگا جو سر من رائے کے تہ خانہ میں امام زمان کے پاس دبکا ہوا مخفی رکھا ہے استغفر اللہ ولاحول قوۃ الا باللہ۔ اور ابو بکر صدیقؓ کی ذرا سی خدمت مصاحبت اور مرافقت کو اس شد و مد کے ساتھ بیان فرمایا کہ جس کا کوئی ٹھکانا ہی نہ رکھا اور اس کی نسبت اپنے احسان اور امتنان کو غایت درجہ پہ پہنچا دیا ارشاد فرمایا۔

الا تنصروہ فقد نصرہ اللہ اذ اخرجہ الذین کفروا
ثانی اثنین اذ ھما فی الغار اذ یقول لصاحبہ لاتحزن
ان اللہ معنا فانزل اللہ سکینتہ علیہ وایدہ بجنود
لم تروھا۔

حاصل یہ کہ اگر تم اس کی مدد نہ کروگے تو اللہ نے اسکی مدد کی ہے جبکہ اس کو کافروں نے ایسی طرح نکالا تھا کہ دوسرا تھا دو میں سے جبکہ وہ دونوں غار میں تھے جب وہ اپنے یار غار سے کہہ رہا تھا تو کر حسرت اللہ ہمارے ساتھ ہے
پھر اللہ نے اپنی تسلی اس پر نازل فرمائی اور ایسے لشکر کے ساتھ تائید کی جس کو تم نہیں دیکھتے تھے اس کلام پاک میں اخرجہ الذین کفروا میں بشرط ذوق اشارہ خادمیت و مخدومیت کی طرف ہے اور اذ ھما فی الغار جلیس و انیس ہونے کی طرف مشیر ہے اور اذ یقول لصاحبہ شفیق غمخوار اور مشیر محرم اسرار ہونے کی طرف مشیر ہے بالجملہ اس کا اخراج موجب منت اور نہایت احسان شمار فرمایا اور صحبت کے قصہ کو کسی شمار و قطار میں نہ سمجھا۔ خدا کے لئے کچھ تو فرمائیے کہ یہ کیا معاملہ ہے کیا خدا تعالےٰ صرف سنیوں ہی کا خدا ہے کہ جو ان کی موید اور مفید ذرا سی بھی بات ہوتی ہے جھٹ سے اس کو بیان فرما دیتا ہے آج تک جو دہ سو برس سے ان کے ہی دین کو تمام ادیان پر غالب کر رکھا ہے۔ ان کا ہی بول بالا کر رکھا ہے اور

کیا واقعی تمہارا خدا نہیں ہے کہ تمہارے کسی مفید مدعا کی تائید نہیں فرماتا بڑے بڑے اصول ملت کا کہیں تذکرہ نہیں کرتا۔ اگر کہیں کچھ فرمایا بھی ہے تو ایسی طرح کہ جیسے چیستان اور پہیلی جس کو کوئی سمجھ نہ سکے۔ بھلا خدا تعالیٰ کو تم سے کچھ عداوت ہے جو وصیت بھی کی تو یہ کی کہ ہمیشہ ذلت قبول کیجیو اور جوتیاں کھاتے رہیو پہ اُف نہ کیجیو۔ ہمیشہ اپنے دین کو بلّی کی طرح چھپاتے اور دبکاتے رہیو۔ غالباً اس لئے بلّی اہل بیت میں داخل ہوئی ہوگی اور جناب سیدہ اسی واسطے اہل بیت سے خارج ہوئیں۔ ہم کو یہ نکتہ اسی وقت حل ہوا۔ اہل انصاف کے غور کا مقام ہے کہ ایک شخص اپنے گھر میں اپنے شہر میں اپنے قبیلہ و اعزہ و اقارب کی حفاظت میں مقیم ہے اور سچی پیشینگوئی پر اطمینان کئے ہوئے ہے کہ کوئی مضرت اس کو دشمنوں سے نہیں ہوگی ایک شخص ہے کہ اپنا سر ہتھیلی پر لئے ہوئے اپنی جان آڑے ہوئے کوہ و بیابان میں اپنے حبیب کی رفاقت میں سرگردان ہے اپنے خویش و اقارب سے دور غربت سر پر لئے شریک رنج و راحت ہے۔ رات دن صحرا نوردی اور بادہ پیمائی سے سروکار ہے پھر اس تنہائی اور بے چارگی میں دشمنوں کا کھٹکا۔ اپنے حبیب جانی کے اذیت کے پہنچنے کا جدا اندیشہ وبال جان ہے اپنے مارے جانے کا جدا خلجان ہے پھر اس پر بھی اس کو کچھ پرواہ نہیں۔ ہر وقت سربازی اور جاں نثاری کے لئے تیار ہے اس کو اگر غم ہے تو اپنے محبوب کا ہے اور اندیشہ ہے تو اس کو تکلیف پہنچنے کا ہے، دل میں ہر وقت یہ آرزو لئے ہوئے ہے کہ میری جان بلا سے جاتی رہے پر محبوب کا بال بیکا نہ ہو۔ اس کے پسینہ پر اپنا لہو بہانے کے لئے مستعد ہے یہاں تک کہ حق تعالےٰ شانہ نے اس پر تسلی و سکینہ نازل فرما کر مطمئن فرما دیا۔ تو اب ایسی حالت میں خدا کے واسطے ذرا تو انصاف سے کہو کہ کون افضل ہوگا۔ یہ افضل ہوگا یا وہ افضل ہوگا کون بصیرت کا نابینا عقل کا اندھا اس کو بہ نسبت اس کے افضل کہہ سکتا ہے۔ چہ جائیکہ اس کو منافق اور بد دین تجویز کرے۔ سبحانک ھذا بھتان عظیم۔

تو اس سے عاقل مندین کیلئے واضح ہے کہ تمام صحابہ میں ابوبکرؓ کے برابر بھی کوئی نہیں چہ جائیکہ اُس سے کوئی افضل ہو تو حضرات شیعہ کا حضرت علیؓ کو ابوبکر صدیقؓ ہی سے بلکہ تمام انبیاء سابقین سے افضل کہنا محض غلط اور لغو ہے اور آپ کی اُس پیشینگوئی کے نیچے داخل ہے جو نہج البلاغت میں آپ کے کلمات وحکم کے ذیل میں مرقوم ہے۔ (ج ۳ ص ۱۸۱ طبع بیروت)

سیهلك فی صنفان محب غال ومبغض قال یہ بھی ایک شعبہ یہودیت و نصرانیت ہے جس سے احتراز واجب ہے۔ پس جناب امیرؓ خلیفہ بلافصل نہ ہوئے بلکہ ابوبکر صدیق خلیفہ بلافصل ہوئے۔ اب باقی رہی روایت میں حضرات شیعہ کی وُہ تراش وخراش جو اپنے حفظ وناموس مذہب کے لئے فرمائی اس کے متعلق بھی ذرا سی عرض میری سُن لیجئے اوّل تو جملہ امرك ان تستصحب ابابکر کے بعد یہ جملہ بڑھایا فانه ان انسك وساعدك و وازرك وثبت علیٰ تعاهدك وتعاقدك كان فی الجنة من رفقائك یعنی اللہ تعالےٰ نے تم کو یہ امر فرمایا ہے کہ ابوبکر کو اپنی مصاحبت میں رکھئے بیشک وہ اگر آپ کا انیس وجلیس اور خادم ومساعد اور وزیر ومشیر بنا رہا اور آپ کے عہد وعقد پر قائم رہا تو جنت میں آپ کے رفقاء میں سے ہوگا حضرات شیعہ کا تو مطلب اس جملہ شرطیہ کے بڑھانے سے صرف اس قدر ہے کہ اُن کو بوقت دارو گیر اہل حق یہ کہنے کی گنجائش رہے کہ یہ فضیلت مشروط بشرط تھی، اور شرط نہیں پائی گئی تو مشروط بھی فوت ہوگیا۔ مگر انشاء اللہ تعالیٰ بحول اللہ وقوتہ یہ اُن کی چالاکی کچھ کام نہ دے گی بلکہ یہ نتیجہ اُن کے ہی سر وبال پر واقع ہوگا۔ اوّل تو یہ فرمائیں کہ جب خدا تعالیٰ نے اُن کو مصاحبت میں رکھنے کا امر فرمایا تو وہ عاقبت الامر کو جانتا تھا کہ ابوبکر پابند عہد نہیں رہے گا۔ یا جاہل اور ناداں تھا۔ اگر خدا تعالےٰ کو اُس کا علم تھا کہ ابوبکر صدیقؓ کا ایمان ہی نفاق آمیز ہے اور یہ ہرگز معاہدے پر قائم نہیں رہے گا تو امر ہی کیوں فرمایا کہ ابوبکر کو اپنی مصاحبت میں رکھو۔ آخر دیکھو کہ کفار میں سے ابوجہل وغیرہ تھے کسی کی نسبت نہیں فرمایا نہ مسلمانوں میں سے کسی کی نسبت فرمایا نہ حمزہؓ و جعفر رضی اللہ عنہما

کی نسبت فرمایا نہ عمر بن الخطابؓ وغیرہ کی نسبت فرمایا تو ابوبکر صدیقؓ کی تخصیص کی کیا وجہ؟ تو ایسا حکم عبث اور فضول ہی نہیں بلکہ محض تلبیس اور ابطال حق ہے اور اگر علم نہیں تھا تو آپ خود ہی انصاف کر سکتے ہیں کہ جہل شایانِ خُداوند علیم وخبیر ہو سکتا ہے یا نہیں ہاں اگر حضرات شیعہ اس پر راضی ہوں کہ بداء کی کسی شق میں داخل کریں اور یہ فرمائیں کہ اوّل بوجہ ناعاقبت اندیشی حق تعالیٰ نے ابوبکر صدیقؓ کی مصاحبت کا حکم فرمایا تھا۔ اور اسی وجہ سے تمام زمانۂ حیات رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں وزیر ومشیر اور مقرب بنے رہے لیکن جب بعد وفات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خدا تعالیٰ نے اُن کی بدعنوانیاں دیکھیں اور بداعمالیوں پر اطلاع پائی تو حکم اوّل منسوخ اور باطل فرما دیا اور ان کا در منصب تقرب بوجہ اُن کی ناسزا افعالوں کے کہ خلافت غصب کی اور فدک غصب کیا وغیرہ وغیرہ چھین کر اُن کو بدترین امت بنا دیا مگر یہ یاد رہے کہ اس پر بھی کسی طرح پیچھا نہیں چھوٹے گا اور اس قدر دشواریوں کا سامنا ہوگا کہ رجعت کا مزا یاد آجائیگا لہذا مجبور ہو کر اس کا قائل ہونا پڑے گا کہ فی الواقع ابوبکر صدیقؓ خدا تعالیٰ کے نزدیک ازل سے اس فضل کے مستحق تھے اور ابد تک اس میں تغیر وتبدل ناممکن ہے وهو المدعا دوسرے یہ کہ وثبت علیٰ تعاهدك و تعاقدك اس پر دلالت کرتا ہے کہ باہم کوئی معاہدہ ہو چکا تھا جس پر قائم رہنا دخول جنت کے لئے لازمی قرار دیا گیا اور ظاہر ہے کہ وُہ معاہدہ خلافت وامامت کے تو متعلق نہیں تھا۔ اوّل تو ہم خود پہلے ثابت کر چکے ہیں کہ امامت اصُول دین میں سے نہیں ہے اور اس قسم کا سخت معاہدہ بدون کسی ایسے امر کے نہیں ہو سکتا جو اصُول دین میں سے ہو تو لامحالہ امر خلافت خارج ہوا۔ و ثانیاً اگر اسی کے متعلق ہے تو ثابت کیجئے کہ یہ معاہدہ ائمہ کی امامت کے تسلیم واعتراف کے متعلق تھا۔ بلکہ دراصل اگر ہم اس کو صحیح تسلیم کر لیں اور حضرات شیعہ کی گھڑت قرار نہ دیں تو یہ معاہدہ ایمان اور اتباع کے متعلق تھا جس کو ابوبکر صدیقؓ نے کامل طور پر جیسا کہ چاہیئے تھا ادا کر دیا جس کا حضرات شیعہ کو بھی باوجود بغض وعناد اعتراف

ہے ۔ چنانچہ علامہ کمال الدین ابن میثم بحرانی نے شرح نہج البلاغت میں جس جگہ درمیان امیر معاویہ اور خلفاء راشدین فرق بیان کیا ہے ۔ صاف طور پر

کیف سلم ھھنا ولم یسلم لمعٰویہ و لطلحۃ والزبیر مع قیام الفتنۃ فی حربھم قلت ان الفرق بین الخلفاء الثلثۃ وبین معٰویۃ فی اقامۃ حدود اللہ والعمل بمقتضی اوامرہ ونواھیہ ظاھرٌ۔

اور نیز اُسی شرح نہج البلاغۃ میں دوسری جگہ مرقوم ہے ۔

قولہ، واللہ لا سلمن ما سلّمت امور المسلمین ای لاترکن المنافسۃ فی ھذا الامر ماسلمت امور المسلمین من الفتن وفیہ اشارۃ الی ان غرضہ من المنافسۃ فی ھذا الامر ھو صلاح حال المسلمین واستقامۃ امورھم وسلامتھم عن الفتن وقدکان لھم ممن سلف من الخلفاء قبلہ الخ

تیسرے ، اچھا ہم نے تسلیم کر لیا کہ امامت و خلافت کا ہی معاہدہ تھا اور یہ بھی تسلیم کر لیا کہ ابوبکر صدیقؓ نے اُس کو پُورا نہیں کیا لیکن جب ہم مذہب شیعہ میں تتبع کی نظر دوڑاتے ہیں تو اُس سے ہم کو یہ ثابت ہوتا ہے کہ ابوبکر صدیقؓ کا یہ فعل عین اتباع جناب امیر ہے کہ آپ بھی اپنے معاہدہ پر قائم نہ رہے اور پُورا نہ فرمایا تو معلوم ہُوا کہ عہد شکنی ہی دین میں محمود ہے ۔ ایفاء عہد پسندیدہ نہیں اور آیت یَاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اَوْفُوْا بِالْعُقُوْدِ اور آیت وَاَوْفُوْا بِالْعَھْدِ اِنَّ الْعَھْدَ کَانَ مَسْئُوْلًا الحاق ہو یا فعل امام سے منسوخ ہوا اور جب فعل امام سے آیات منسوخ ہو گئیں تو اس جملہ شرعیہ کا منسوخ ہو جانا کیا بڑی بات ہے اور ظاہر ہے کہ جو فعل امام کے فعل کے مطابق ہوگا وہ ناجائز اور نامشروع نہیں ہو سکتا ورنہ لازم آتا ہے کہ امام مرتکب حرام ہو باقی رہی یہ بات کہ جناب امیرؓ نے اپنے

[illegible]اہدہ کو پورا نہیں کیا ۔ اس کا ثبوت روایات شیعہ پر ایسا واضح ہے کہ واقف ہرگز اس [illegible]ں چون وچرا نہیں کر سکتا بلکہ صرف جناب امیرؓ ہی نہیں بلکہ جناب حسنینؓ اور فاطمہ رضی اللہ [illegible]الیٰ عنہم کا بھی وہی معمول رہا ہے تفصیل اس اجمال کی طویل ہے لہٰذا مختصر بطور نمونہ [illegible]رض کرتا ہوں کہ امام جمیع امور میں نائب نبی ہوتا ہے اور نبی کو ارشاد ہے یَا اَیُّھَا النَّبِیُّ [illegible]جَاھِدِ الْکُفَّارَ وَالْمُنٰفِقِیْنَ وَاغْلُظْ عَلَیْھِمْ تو یہی معاہدہ امام سے بھی ہے تو حضرات [illegible]یعہ ذرا اپنے ایمان سے فرمادیں کہ امام نے اس معاہدے کو پُورا کیا یا اس کے بالکل [illegible]لاف کیا ۔ اللہ تعالیٰ نے مومنین سے معاہدہ کیا تھا کہ کفار سے موالات نہ کیجیو ۔ فرمایا [illegible]یَا اَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَوَلَّوْا قَوْمًا غَضِبَ اللہُ عَلَیْھِمْ امام نے اُس کو [illegible]را کیا یا نہیں بموجب آیت اِنَّ الَّذِیْنَ یَکْتُمُوْنَ مَا اَنْزَلْنَا اللہ تعالیٰ نے [illegible]یت کے چھپانے والے کو بھی ملعون قرار دیا اور حرام اور ممنوع ٹھہرایا مگر ائمہ نے [illegible]م قرآن کو ایسا چھپایا کہ اُس کا نام ونشان ہی باقی نہ رکھا اور یہ تاویل علیل کہ اس [illegible]فا سے مقصود حفظ ونگہداشت تھی بالکل لغو اور لاطائل ہے اول تو جب اُس کی حفظ و [illegible]یانت کا خود اللہ تعالیٰ کفیل ہو چکا تو آپ کے حفظ ونگہداشت کی کیا ضرورت [illegible]سرے اگر حفاظت ہی مدنظر ہوتی تو اغیار سے ہوتی نہ محارم اسرار سے ، اور جب [illegible]زداروں اور محرم اسراروں سے بھی حفاظت کی گئی تو معلوم ہُوا کہ یہاں کچھ دال میں ہی کالا [illegible]ہ اور مزید بموجب وَاِذْ اَخَذَ اللہُ مِیْثَاقَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْکِتٰبَ لَتُبَیِّنُنَّہٗ [illegible]نَّاسِ وَلَا تَکْتُمُوْنَہٗ فَنَبَذُوْہُ وَرَآءَ ظُھُوْرِھِمْ ۔ مثل اہل کتاب بدعہدی [illegible]ظر تھا علیٰ ہٰذا القیاس صدہا اوامر ونواہی کے معاہدے ہیں ، جن کا نکث کیا بعد وفات [illegible]ب رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صبر وسکوت کا حکم تھا اُس کے برخلاف کیا عدم منازعت [illegible]الخلافت کا معاہدہ تھا چنانچہ ابن میثم بحرانی لکھتا ہے ۔ وکان معھودا الیہ ان لاینازع فی امر الخلافۃ اور آپ نے منازعت بلکہ قتل وقتال فرمایا صفین کا

قصہ حضرات شیعہ کو غالباً محفوظ ہوگا ۔ بالجملہ صدہا معاہدے ہیں جن کو توڑ ڈالا۔ پھر اگر بفرض محال ابوبکر صدیق رضؓ نے بھی کوئی معاہدہ توڑ دیا تو کیا بیجا کیا جب صدہا معاہدوں کا توڑنا مخالف وصایت نہ ہوا تو ایک معاہدے کا توڑنا بھی کسی طرح منافی خلافت نہ ہوگا علی الخصوص اُن کے نزدیک جو خلافت کے لئے عصمت کو شرط نہیں قرار دیتے ، ہرگز خلافت کے خلاف نہیں ہوسکتا لہٰذا ہماری اس تقریر سے خوب واضح ہوگیا کہ جملہ وثبت علےٰ تعاهدك وتعاقدك کے اختراع نے حضرات شیعہ کو کچھ فائدہ نہ دیا بلکہ اور اُلٹی مضرت پہنچائی کہ جناب امیر رضؓ کی وصایت وخلافت بوجہ نکث عہد کے باطل ہوگئی ؎

شادم کہ از رقیباں دامن کشاں گزشتی
گو مشتِ خاک ما ہم برباد رفتہ باشد

اس کے بعد دوسرا جملہ یہ ہے جو رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابُوبکر رضؓ کے جواب میں فرمایا لاجرم ان اطلع اللہ علی قلبك ووجد ما فیه هوا فقالما جری علی لسانك جعلك منی بمنزلة السمع والبصر والراس من الجسد وبمنزلة الروح من البدن كعلی الذی هو منی كذلك وعلی فوق ذلك لزیادة فضله وشرف خصاله

اس جملہ میں جس قدر مدح وثنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان کی ہے کہ ابوبکر رضؓ میرے ایسے ہیں جیسے بدن میں کان اور آنکھ اور سر اور جیسے بدن میں رُوح اور جو کچھ اُن کے کمال ایمانی اور شوائب نفاق سے پاک وصاف ہونے کی شہادت دی ہے اور فرمایا ہے بالضرور اللہ تعالیٰ تیرے قلب پر مطلع ہوچکا ہے اور جو کچھ دل میں ہے اُس کو مطابق اُس کے پالیا ہے جو تیری زبان سے نکلا ہے اگر تدبر کی نظر سے اس کو دیکھا جائے تو رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی ابوبکر رضؓ کی فضیلت ثابت

ہوتی ہے ۔ گو حضرت علی رضؓ سے فضیلت ثابت نہ ہو۔ اور جس قدر مطاعن والزامات شیعہ کے ہیں سب کا استیصال ہوجاتا ہے مگر یہاں بھی حضرات شیعہ نے اپنے مذہب کی حفظ آبرو کے لئے لفظ ان شرطیہ کا لاجرم کے بعد بے جوڑ بڑھا دیا ہے اور یہ خیال کیا کہ چونکہ ان مشکوک ومحتمل پر داخل ہوتا ہے ۔ لہٰذا خصم کو اس عبارت سے گنجائش استدلال باقی نہ رہے گی اور یہ نہ سمجھے کہ اوّل تو لفظ لاجرم اس ایجاد کو باطل کر رہا ہے کہ وہ مشکوک ومحتمل پر داخل نہیں ہوتا بلکہ امر متیقن اور محقق پر داخل ہوتا ہے چنانچہ قرآن مجید میں ہے ۔ لاجرم ان اللہ یعلم ما یسرون وما یعلنون ۔

دُوسرے یہ کہ خدا تعالیٰ کے علم میں کوئی شک وتردد نہیں ہوسکتا ہے اُس کا علم ازلی ہے تمام امور مستقبلہ کو وہ ازل سے جانتا ہے ۔ اُس کو علم اجمالی کہتے ہیں ۔ وہ تو محل شک وتردد ہو ہی نہیں سکتا پس اگر مراد علم تفصیلی ہو جس کو علم ظہُور سے تعبیر کرتے ہیں ۔ اور یہ معنی ہوں کہ اللہ تعالیٰ مطلع ہوگا باطلاع ظہُور تو یہ بھی صحیح نہیں ہوسکتے ہیں کیونکہ ترتب جزا اُس صورت میں صحیح نہیں ہوسکتا ہے اس لئے کہ بمنزلہ سمع وبصر کے کرنا علم ازلی پر موقوف ہے نہ علم ظہور پر ۔ تیسرے یہ کہ ہم تسلیم کرتے ہیں کہ لفظ ان اسجگہ صحیح ہے اور یہ حکم مشروط بشرط تھا لیکن یہ دعویٰ کہ شرط نہیں پائی گئی سراسر غلط اور خلاف واقع کے ہے بلکہ شرط پائی گئی ۔ اور خدا تعالےٰ دل پر مطلع ہوگیا ۔ اور اُس لے زبان و دل کو موافق پالیا ۔ لہٰذا ابوبکر صدّیق رضؓ کو بمنزلہ سمع وبصر اور سر وروح کے بنا دیا یہ ہی وجہ ہُوئی کہ وُہ اشاعت دین میں اپنے رسُول کے اعلیٰ درجہ کے جارحہ ہوئے اور دین کی تائید وتقویت میں جو مرتبہ اُن کو نصیب ہُوا ۔ آج تک کسی خلیفہ کو نصیب نہ ہُوا اور نیز اس میں یہ جملہ بھی یاروں کی گھڑت ہے وعلی فوق ذلك لزیادة فضله وشرف خصاله کیونکہ پہلے عرض کرچکا ہوں کہ خداوند کریم نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت علی رضؓ کی نسبت تربیت کا امر فرمایا اور ابوبکر رضؓ کی نسبت

مصاحبت اور مرافقت کا حکم فرمایا اور ان دونوں میں بڑا فرق ہے تو ہر ایک کی فضیلت
باعتبار خدمت مفوضہ کے ہوگی اور حضرت ابوبکرؓ کو اعلیٰ درجہ کی خدمت تفویض ہوئی
تو اُن کا درجہ بھی بڑا ہوا اور نیز جواب حضرت علیؓ اور حضرت ابوبکرؓ صدیق میں بہت
فرق ہے اگرچہ دونوں میں انقیاد اعلیٰ درجہ کا ہے اور ظاہر ہے کہ یہ جواب حضرات کا اتفاق
آمیز نہیں تھا ورنہ اللہ تعالیٰ اُن کے مبیت و استصحاب کو منسوخ فرما دیتا تو معلوم ہوا کہ
یہ انقیاد صمیم قلب سے تھا تو فضیلت حسب انقیاد ہوگی۔

تیسرا یہ جملہ اضافہ فرمایا یا ابابکر من عمل اللہ ثم لم ینکثہ و لم یغیر ولم
یبدل ولم یحسد قد من ابانہ اللہ بالتفضیل فھو معی فی الرفیع الاعلیٰ اس جملہ میں
ثم لم ینکث ولم و لم یبدل تو جملہ اولیٰ وثبت علے تعاھدک وتعاقدک کے
ہم معنی ہے اور اُس کی نسبت ہم عرض کر ہی چکے ہیں۔ ہاں جہاں یہ جملہ زیادہ کیا ولم یحسد
من قد ابانہ اللہ بالتفضیل سو اس کے متعلق اس قدر عرض ہے کہ اجگہ عاقل منصف
کے غور کا مقام ہے کہ بقول شخصے " دروغ گو را حافظہ نباشد" حضرات شیعہ خود ہی
تو اپنی مذہبی روایات میں بیان فرماتے ہیں کہ انبیاء سابقین کو اللہ تعالیٰ کا حکم ہوا تھا
کہ جناب امیرؓ کے مرتبہ پر حسد نہ کیجیو۔ اُنہوں نے برخلاف حکم الٰہی جناب امیرؓ کے مرتبہ کا حسد
فرمایا مگر باایں ہمہ وہ نبوت کے مرتبہ سے ساقط نہیں ہوئے تو جناب امیرؓ کے مرتبہ کا حسد
کرنا تو سنت انبیاء ہوئی اگر بنا بر سنت انبیاء ابوبکرؓ حسد کریں گے تو کیا غضب ہوگا جب
انبیاء حسد کی وجہ سے اپنے مرتبے سے نہیں گرے باوجودیکہ عصمت اُن کے لئے شرط ہے
تو ابوبکر صدیقؓ کہ جن کے مرتبہ کے لئے عصمت بھی شرط نہیں اگر موافق سنت انبیاء حسد
کریں گے تو شایان تو یہ ہے کہ ماجور رہوں اور اگر ماجور بھی نہ ہوں تو اپنے مرتبہ سے گر جانے
کی بھی تو کوئی وجہ نہیں ہے اس مدعا کے اثبات کے لئے کسی حجت کی حاجت نہ تھی، پر
حضرات شیعہ کے اطمینان خاطر کے لئے صرف ایک روایت تفسیر صافی پر اکتفا کرتا ہوں

جن کو اُنہوں نے ولا تقربا ھٰذہ الشجرۃ کی تفسیر[1] میں بیان کی ہے اور صدوق نے
عیون اخبار الرضا میں نقل کی ہے۔

حدثنا عبد الواحد بن محمد بن عبد القدوس النیشابوری
العطار قال حدثنا علی بن محمد بن قتیبۃ عن حمدان بن
سلیمان عن عبد السلام بن صالح الھروی قال قلت للرضا یا ابن
رسول اللہ اخبرنی عن الشجرۃ التی اکل منھا آدم وحواء
ما کانت فقد اختلف الناس فیھا فمنھم من یروی انھا
الحنطۃ ومنھم من یروی انھا العنب ومنھم من یروی انھا
شجرۃ الحسد فقال کل ذلک حق قلت فما ھی ھذا الوجوہ
علی اختلافھا فقال یا ابا الصلت ان شجرۃ الجنۃ یحتمل
انواعا فکانت شجرۃ الحنطۃ وفیھا عنب ولیست کشجرۃ
الدنیا وان آدم علیہ السلام لما اکرمہ اللہ تعالیٰ ذکرہ
باسجادہ ملائکتہ وباد خالہ الجنۃ قال فی نفسہ ھل
خلق اللہ بشرا افضل منی فعلم اللہ عزوجل ما وقع فی
نفسہ فناداہ ارفع راسک فانظر الی ساق عرشی فرفع
آدم راسہ الی ساق العرش فوجد علیہ مکتوبا لا الہ
الا اللہ محمد رسول اللہ علی بن ابیطالب امیر المومنین
وزوجتہ فاطمۃ سیدۃ نساء العلمین والحسن والحسین سیدا
شباب اھل الجنۃ فقال آدم یارب من ھولاء فقال عزوجل
ھولاء من ذریتک وھم خیر منک ومن جمیع خلقی ولولا
ھم ما خلقتک وما خلقت الجنۃ والنار ولا السماء والارض

اياك ان تنظر اليهم بعين الحسد فاخرجك من جواری
فنظر اليهم بعين الحسد و تمنى منزلتهم فسلط الله عليه
الشيطان حتى اكل من الشجرة التى نهى عنها و تسلط على
حواء تنظر الى فاطمة بعين الحسد حتى اكلت من الشجرة
كما اكل ادم ما خرجهما الله تعالىٰ من جنته واهبطهما من
جواره الى الارض ۔

اس روایت سے اوّل الانبیاء کا حضرت علیؓ وغیرہ کے مرتبہ کی نسبت حسد کرنا بدلالت مطابقی ظاہر و باہر ہے اور نیز یہ بھی ظاہر ہے کہ گو جنت سے نکالے گئے اور جوار الٰہی سے دور کئے گئے پر نہ کافر ہوئے نہ مرتد ہوئے نہ مرتبہ نبوت سے گرائے گئے اور ظاہر ہے کہ جنت میں رہنا کوئی موجب فضیلت نہیں تھا کیونکہ اگر کچھ موجب فضل ہوتا تو جناب خاتم الانبیاء اور سید الاوصیا اور فاطمہ زہرا اور حسن المجتبیٰ اور شہید کربلا جنت میں ہی مقیم ہوتے اور نیز بعد قبول توبہ حضرت آدمؑ خود ہی جنت میں واپس بھیجے جاتے تو معلوم ہوا کہ حضرت آدم کے حسد کرنے پر بجز ظاہری خفیف عتاب کے کوئی امر عظیم مرتب نہیں ہوا تو اگر اسی طرح ابوبکر ان کے مراتب کا حسد کریں گے تو عدل خداوند عادل کیونکر مقتضی ہوگا ان کو اس اتباع فعل رسول پر اعلیٰ درجہ کی عقوبت فرمائے کہ استحقاق خلافت سے گذر کر ایمان بھی جاتا ہے کیا خدا تعالیٰ کے عدل کو یہی شایان ہے پس معلوم ہوا کہ یہ ہر طرح عقلاً اور نقلاً غلط ہے اور بے شک یہ حضرات شیعہ کی گھڑت ہے ۔

ایھا الناظرون اب ہم آپ کو ایک تماشا دکھاتے ہیں ۔ آپ یہ روایت جو تفسیر قمی سے ہم نے نقل کی ہے ملاحظہ فرما چکے تو اس کے متعلق ایک دوسری روایت بھی جس کو مفسر صافی نے کتاب کافیؒ سے روایت کی ہے خدا کے لئے ذرا ملاحظہ فرما لیجئے ۔

عن الباقر ان رسول الله اقبل يقول لابی بكر فی الغار اسكن

لہ روضہ کافی طبع جدید صـ ۲۶ جلد ۲ مع ترجمہ فارسی مطبوعہ ایران صفر ۱۳۹۱ھ ، نیز تفسیر صافی صـ ۲۳۲ تحت آیۃ الغار ۱۰

فان الله معنا وقد اخذته الرعدة وهو لا يسكن فلما
رای رسول الله حاله قال له تريد ان اريك اصحابی
من الانصار فی مجالسهم يتحدثون واريك جعفرا واصحابه
فی البحر يغوصون قال نعم فمسح رسول الله بيده على
وجهه فنظر الى الاصحاب يتحدثون والى جعفر واصحابه
فی البحر يغوصون فاضمر تلك الساعة انه ساحر انتہی

اے ناظرین با انصاف اس روایت کو روایت سابقہ سے مطابقت دیجئے پھر فرمائے کہ دونوں میں زمین و آسمان کے فرق سے کیا کچھ کم فرق ہے ۔ کہاں جعلك منی بمنزلة السمع والبصر والراس من الجسد وبمنزلة الروح من البدن اور کہاں یہ کہ فاضمر تلك الساعة انه ساحر کیا جو شخص ایسا بد دین منافق ہو کہ رسول اللہ کو دل میں ساحر اعتقاد کرتا ہو اور ایسا جبان ہو کہ دشمن کو دور سے دیکھ کر اس کو کپکپی ہو گئی ہو خداوند علام الغیوب اس کی نسبت اپنے رسول کو امر فرما دے کہ ایسے شخص کو اپنی مصاحبت میں ایسے وقت میں رکھو اور مقصود اس سے مساعدت اور معاونت رسول ہو کوئی عاقل ایسی تنگی کے وقت میں تجویز کر سکتا ہے پھر اس پر یہ شرط بھی کرے ان ساعدک دوازرک اور نیز اس کو بمنزلہ سمع اور بصر اور سر اور روح کے قرار دیوے اگر ایسا ہو تو خدا کی خدائی کیا ہوئی بعض بے عقل اور پاگل بادشاہوں کی بادشاہت ہوئی کہ حکم سے سروکار ہو عقل اور مصلحت سے کچھ علاقہ نہ ہو یہ امر کچھ ابوبکر کے ساتھ ہی مخصوص نہیں بلکہ موجب صحیح ارشاد ولو كان من عند غير الله لوجدوا فيه اختلافا كثيرا ۔ کے یہ اس مذہب تشیع کا ہی خاصہ ہے کہ ہر امر میں توسط کو چھوڑ کر افراط اور تفریط کو اختیار کیا ہے ۔ دیکھو خداوند تعالیٰ کی تنزیہہ کی تو یہاں تک کی کہ قدرت علی القبائح اور خلق قبائح کا انکار کر دیا اور اس کو عاجز کیا تو یہاں تک کہ محکوم عقل انسانی بنا دیا اور بدا تک جائز

کردیا تعالیٰ اللہ عن ذلک۔ انبیا علیہم السلام کی نسبت یا تو یہ نوبت پہنچائی کہ سہواً اور
عمداً قبل البعثت اور بعد البعثت صغائر و کبائر سے معصوم قرار دیا اور گھٹایا تو یہاں تک
گھٹایا کہ اصول کفران کے لئے ثابت کردیے۔ جناب امیر کو بڑھایا یہاں تک بڑھایا کہ
تمام انبیاء علیہم السلام کو ان کا زلہ ربا اور خوشہ چین بنادیا اور انبیاء و رسل سے افضل
ٹھہرادیا اور گھٹایا تو یہاں تک گھٹایا کہ کوئی دقیقہ بد دینی اور بے غیرتی کا اٹھا نہیں رکھا
چنانچہ ناظرین پر یہ مضمون ابحاث رسالہ ہذا میں منکشف اور عیاں ہے، اور اگر کسی کو
شک و تردد ہو تو خود اہل تشیع کی کتابوں میں ملاحظہ فرمالیں اور یہ روایت جو مفسر صافی
نے نقل کی ہے کچھ اسی روایت تفسیر امام کی ہی معارض نہیں بلکہ اور روایات جو نہج البلاغۃ
اور اس کی شرح اور دیگر کتب سے منقول ہوئی ہیں۔ ان کے بھی مضاد و منافی ہے دیکھو
شارح نہج البلاغت نے جناب امیر کے خطبہ میں یہ الفاظ نقل کئے ہیں ولعمری ان مکانھما
فی الاسلام لعظیم اب ان کلمات کو اس روایت کے مدلول سے مطابقت دیجئے اور پھر انصاف
سے فیصلہ فرمایئے اسی طرح خطبہ للہ بلاد فلان حسب تصریح شراح احد الشیخین کے حق میں
ہے اس کے مدلول کو روایت کافی کے مدلول سے مطابقت فرماکر دیکھ لیجئے اور مذہب
کے بطلان و حقیقت کا فتویٰ لگا دیجئے بالجملہ مذہب کے بھیدی پر خوب روشن
ہے کہ یہ روایت خلاف صحاح دجالین وکذابین کی گھڑی ہوئی ہے جس کو حضرات
علماء شیعہ نے بلا تحقیق و تفتیش بے کراپنی کتب دین و ایمان میں داخل کر لیا ہے اور اسی
طرح ہزار ہا جھوٹی اور غلط روایات ہیں جن پر مدار مذہب رکھ چھوڑا ہے۔ علاوہ ازیں
مجھ کو ایک روایت طویلہ کتاب الروضہ کافی کلینی کی اس موقع پر نقل کرنا ضروری معلوم
ہوتا ہے مگر چونکہ وہ روایت طویل ہے خلاصہ مطلب عرض کرتا ہوں۔ کتاب الروضہ
کلینی کے صفحہ ۱۶۲[1] اور ۱۶۳ پر موجود ہے خلاصہ اس کا یہ ہے کہ عبداللہ بن نافع
الازرق امام محمد باقر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں مناظرہ کے لئے حاضر ہوا اور وہ یہ

[1] جدید ص۱۹۳-۱۹۰ جلد ۲ مع ترجمہ فارسی طبع ایران صفر ۱۳۵ھ

کہتا تھا کہ حضرت علی نے اہل نہروان کو ظلماً قتل کیا ہے۔ جلسہ مناظرہ ترتیب دیا گیا اور
عبداللہ بن نافع مع اپنی جماعت کے آیا اور امام صاحب نے اولاد مہاجرین و انصار کو جلسہ
مناظرہ میں طلب فرمایا پھر آپ نے بعد حمد و ثنا کے ابناء مہاجرین و انصار سے فرمایا جس کے
پاس جناب امیر کی منقبت ہو اس کو روایت کرے انہوں نے روایات مناقب بیان کرنی
شروع کی۔ عبداللہ بن نافع نے کہا کہ یہ مناقب مجھ کو معلوم ہیں اور میں بھی ان کو روایت کرتا
ہوں مگر میں تو یہ کہتا ہوں کہ یہ مناقب اس وقت تھے جب تک وہ مومن تھے اور اعمال صالحہ
کرتے تھے اور جب انہوں نے امر الٰہی کو پس پشت ڈالدیا اور تحکیم حکمین کی، کافر ہوگئے اور
مستحق مناقب بھی نہ رہے۔ بالآخر رفتہ رفتہ حدیث خیبر لاعطین الرایہ غدا رجلا
یحب اللہ و رسولہ ویحبہ اللہ و رسولہ کا ذکر آیا امام ابو جعفر رضی اللہ عنہ نے
پوچھا کہ اس حدیث کے بارہ میں کیا کہتا ہے۔ عبداللہ نے کہا یہ حدیث بلاشک حق ہے
لیکن میں پہلے کہہ چکا ہوں کہ کفر بعد میں پیدا کیا ہے، تو یہ حدیث نافع نہیں ہوسکتی۔
حضرت نے فرمایا کہ یہ بتلا جس دن اللہ تعالیٰ نے علی کو محبوب بنایا تھا اس وقت جانتا
تھا کہ یہ اہل نہروان کو بھی قتل کرے گا یا نہیں جانتا تھا اگر تو یہ کہے گا کہ نہیں جانتا تھا
تو تو کافر ہوچکا کیونکہ حق تعالےٰ کو جاہل ٹھہرایا۔ عبداللہ نے کہا کہ بیشک خدا تعالےٰ
جانتا تھا کہ اہل نہروان کو قتل کرے گا۔ امام نے فرمایا کہ خدا تعالیٰ کی محبت طاعت پر ہوتی
ہے یا معصیت پر عبداللہ نے کہا کہ طاعت پر۔ فرمایا کہ پھر تو مغلوب ہوگیا اٹھ کھڑا ہو،
وہ اٹھ کر چلا تو وہ یہ کہتا تھا اللہ اعلم حیث یجعل رسالتہ انتھے چونکہ یہ مناظرہ
بعینہ مانحن فیہ میں جاری ہوا ہے، اس لئے ہم ابوبکر صدیق کو بجائے حضرت علیؓ کے قائم
کرتے ہیں اور تم حضرت امام کے قائم مقام ہوتے ہیں اور حضرات شیعہ کو عبداللہ بن نافع
بناتے ہیں اور ابوبکر صدیقؓ کے ان مناقب کو جو حضرات شیعہ کو تسلیم میں پیش کرتے
ہیں۔ حضرات شیعہ فرماتیں کہ حق تعالےٰ نے جب اپنے رسول کو ابوبکر صدیقؓ کے

سفرِ ہجرت میں ساتھ لینے کا حکم فرمایا تھا اس وقت جانتا تھا کہ ابوبکر مومن نہیں ہے بلکہ رسُول کا دشمن ہے اور اس کو ساحر اعتقاد کرتا ہے اور آئندہ خلافت و فدک غصب کرے گا اور اہلبیت کو اذیتیں پہنچاتے گا اور ہرگز معاہدہ پر قائم نہیں رہے گا وغیرہ وغیرہ یا نہیں جانتا تھا اگر یہ کہیں کہ نہیں جانتا تھا تو کافر ہوئے کیونکہ حق تعالےٰ کو جاہل ٹھہرایا اور اگر یہ فرمائیں کہ جانتا تھا تو پھر یہ فرمائیں کہ خدا تعالیٰ کا یہ لطف و انعام ایمان اور طاعت کے ساتھ والبتہ ہے یا کفر و نفاق و معصیت پر بھی ہو سکتا ہے اگر ایمان و طاعت کے ساتھ ہی والبتہ ہے تو آپ مغلوب ہو چکے ورنہ اگر کفر و عداوت پر بھی ہو سکتا ہے تو پھر وہاں بھی گنجائش ہے کہ عبداللہ بن نافع کہے کہ معصیت مستقبلہ محبت گذشتہ کو مزاحم نہیں ہو سکتے اور نیز پھر کیا وجہ کہ ابوجہل وغیرہ میں سے کسی کو ہمراہ رکھنے کا حکم نہ ہوا ابوبکرؓ کو ہی ہمراہی کا کیوں ارشاد ہوا حضرات شیعہ جو اعتراض یہاں کریں گے وُہ اعتراض وہاں بھی واقع ہوگا اور جو جواب وہاں دیں گے وہ جواب یہاں بھی جاری ہوگا اور اس تقریر سے روشن ہو گیا کہ اس روایت میں جملے شرطیہ فان ان انسك وساعدك ووازرك وثبت على تعاهدك وتعاقدك اور نیز واذا انت مضيت على طريقة تحبها منك ربك ولم تتبعها بما يسخطه یاروں کی گھڑت ہے کیونکہ جب اللہ تعالیٰ علام الغیوب ہے تو اس کو اس اگر مگر کی ضرورت وُہ تو حسب اعتقادِ شیعہ جانتا ہوگا کہ اس کے دل میں ذرہ برابر بھی ایمان نہیں ہے تو ایسے شخص کی نسبت حکم ہی کیوں فرمایا کہ اس کو اپنی ہمراہ رکھیو نہیں بلکہ خُداوند عالم کو معلوم تھا کہ ابوبکرؓ کے برابر صحابہ میں کوئی نہیں جو تحمل اعبار نبوت میں اپنے نبی کے قدم بقدم ہو اور ہجرت میں جو فی الحقیقت مبدا ظہور رسالت ہے اپنے رسُول کا شریک ہو کر ثابت کر دے کہ اگر سچا جانشین ہو سکتا ہے تو یہ ہو سکتا ہے اور نیز ... تھا کہ نہ کوئی ایسا یارِ غار ہے اور نہ مونس و غمگسار ہے لہٰذا اسی کو ادعیٰ ... سان خدمت کے لئے انتخاب فرمایا

چنانچہ ابوبکرؓ نے اس سفر میں پورا حق موانست و مساعدت بجا لا کر تمغہ کرامت و خوشنودی الاتنصروه فقد نصره الله اذ اخرجه الذين كفروا ثانى اثنين اذ هما فى الغار الخ حاصل کیا اور مرتبہ وزارت اور خلافت پا کر آیت وعد الله الذين امنوا منكم و عملوا الصلحت ليستخلفنهم کے مصداق ہوتے اور ثابت ہو گیا کہ ابوبکر صدیقؓ رضی اللہ عنہ امام حق اور خلیفہ راشد ہیں اور حضرت امیر المومنین علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت بلافصل باطل ہے وهو المطلوب والحمد لله على ذالك

ناظرینِ اوراق کی خدمت میں بصد ادب التماس ہے کہ ہر دو اصُول گزشتہ کی تردید و ابطال میں کسی قدر بسط و تفصیل واقع ہوئی ہے چونکہ یہی دو نو مبحث اصل اصول تشیع اور نہایت معرکۃ الارا ہیں اور باقی ماندہ اصول اکثر بمنزلہ توابع اور لواحق کے ہیں ان ہر دو کا ابطال ان کے ابطال کو مستلزم ہے لہٰذا زیادہ بسط و تفصیل کی طرف توجہ کی گئی اس سے نہ گھبرائیں اور بیدماغی نہ فرمائیں اور اوّل سے آخر تک بنظر تدبر اس کو دیکھ جائیں پس اس بحث کو اس جگہ ختم کرتے ہیں، گو اس بحث میں اور بھی بہت کچھ لکھنے کی گنجائش ہے مگر طوالت رسالہ اور ملالت ناظرین مانع ہے اور باقی ماندہ اصُول کی تردید اجمالاً شروع کرتے ہیں۔

تیسری اصل

امام حسنؓ کی خلافت نمبر دوم کا وما بقی ائمہ کی موافق ترتیب شیعہ امامت کا ابطال

تیسری اصل جناب امام حسن رضی اللہ عنہ کی امامت ہے کہ بعد جناب امیر آپ امام منصوص اور خلیفہ راشد ہیں اور آپ کی خلافت نمبر دوم پر واقع ہے۔ اگرچہ پہلی دو اصلوں کے ابطال کے بعد مجھ کو کچھ ضرورت باقی نہیں۔ ہی کہ باقیماندہ اصلوں کے ابطال کی طرف توجہ کی باگ پھیروں کیونکہ ابطال مذہب کے لئے دو اصلوں کا ابطال بلکہ ایک کا بھی ابطال کافی

ہے پر تکمیلاً للبحث منبرعاً مختصر طور پہ باقی ماندہ اصُول کی طرف بھی اشارہ کیا جاتا ہے پس
واضح ہو کہ مبطل خلافت دو قسم کے دلائل ہیں کلیہ کہ جو مخصوص کسی خاص خلیفہ کی خلافت کے
ساتھ نہیں ہیں بلکہ مطلق خلافت کے ابطال میں جاری ہیں دوازدہ ائمہ میں سے کسی کی خلافت
ہو اور دوسرے دلائل جزئیہ کہ خاص خاص خلیفہ کی خلافت کے ابطال پہ قائم ہوں اور
ما بہ النزاع بین الفریقین یہ ہے کہ امام حسن رضی اللہ عنہ اہل حق کے نزدیک بعد بیعت
اہل حل وعقد تا خلع امام حق اور خلیفہ راشد ہیں جس کی مدّت چھ ماہ ہے اور ما وراء اس
مدت کے آپ مستحق خلافت تو ہیں پہ بالفعل خلیفہ نہیں ہیں اور اہل تشیع کے نزدیک قبل البیعت
اور بعد الخلع بھی آپ امام منصوص من اللہ و مفترض الطاعۃ والایمان ہیں۔ اور یہ دعویٰ
بہر دو قسم دلائل کلیہ و جزئیہ باطل ہے۔

دلائل کلیّہ

پہلی دلیل، ائمہ شیعہ کی امامت نہ کتاب اللہ سے ثابت ہے نہ حدیث متواتر رسول اللہؐ سے

منجملہ دلائل کلیہ کے دلیل اوّل یہ ہے کہ خداوند عالم جل وعلا شانہ نے عباد کو
دو قسم کے احکام کے ساتھ مکلف فرمایا ہے۔ اوّل اصلیہ اعتقادیہ اور دوسرے فرعیہ عملیہ
قسم اوّل کے اثبات کے لئے دلائل قطعیہ کی ضرورت ہے اور قسم دوم میں دلائل ظنیہ سے
بھی کام چل جاتا ہے اور حضرات شیعہ کے نزدیک جیسی مطلق امامت اصلی اعتقادی ہے
اسی طرح بالخصوص ہر ایک امام کی امامت بھی اصلی اعتقادی ہے اور جس طرح مطلق امامت
کے ثابت ہونے کے لئے دلیل قطعی کی ضرورت ہے ایسے ہی بدون دلیل امامت ہر ایک
خاص امام کی بھی قطعی ثابت نہ ہوگی اور دلائل قطعیہ کا حال پیشتر شروع رسالہ میں عرض ہو
چکا ہے کہ عقل اس کے لئے کافی نہیں اور کتاب اللہ میں اس کا مذکور نہیں یا یوں کہئے
کہ کتاب اللہ اہل تشیع کے پاس موجود نہیں اور نیز سنّت متواترہ سے بھی ثابت نہیں اور
اجماع امت بھی اس پر نہیں نہ ہوا بلکہ اجماع شیعہ بھی حاصل نہیں کیونکہ فرق شیعہ بہ فرقہ

کاملیہ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی اور دیگر ائمہ تارکین حق کی بوجہ ترک حق تکفیر کرتے ہیں
تو جب بعض فرق شیعہ کے نزدیک ایمان ائمہ ہی مسلّم نہیں تو امامت کیونکر مسلّم ہو سکتی ہے
اور نیز فرقہ کیسانیہ کے نزدیک بھی جناب حسنین کی امامت مسلّم نہیں کیونکہ اس فرقہ کا
مقتدا کیسان نام جناب حسنین کی امامت کا منکر تھا اور محمد بن الحنفیہ کو بعد حضرت مرتضیٰ
کے امام اعتقاد کرتا تھا اور اس صلح کی وجہ سے کہ جناب حسن رضی اللہ عنہ نے امیر معاویہؓ
کے ساتھ کرلی تھی۔ استحقاق اور لیاقت امامت سے خارج کرتا تھا بلکہ امام حسینؓ کو بھی بوجہ متابعت
بڑے بھائی کے اگرچہ بکراہت اور ناخوشی تھی امامت کی لیاقت سے خارج سمجھتا اور اجماع شیعہ اثناعشریہ
محض ان ڈھکوسلہ ہے جس کو ہم مفصلاً پہلے عرض کر چکے ہیں کہ اوّل تو اس میں امام کا داخل ہونا محض بربنا
تخیلات شیعہ ہے دوسرے دور کو مستلزم ہے تیسرے ہر ایک امام لاحق کے لئے امام سابق کی امامت کے
ثبوت کی ضرورت ہوگی۔ یہاں تک کہ سلسلہ توقفات کا رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر منتہی ہوگا اور ثبوت امامت
امام اوّل کے لئے حدیث قطعی کی ضرورت ہوگی لہٰذا دلیل قطعی کتاب اللہ اور حدیث متواتر رسُول اللہ میں منحصر
ہوئی اور ابھی عرض کر چکا ہوں کہ نہ کتاب اللہ سے امر کا ثبوت ہے اور نہ حدیث متواتر سے کیونکہ
اوّل تو اتر محل کلام ہے پھر ثبوت امامت مطلقہ کا دشوار بعد ازاں ثبوت امامت خاصہ
کا غیر ممکن پس امامت متنازعہ فیہا جناب امام حسنؓ اور دیگر ائمہ کی باطل ہوئی وہو المطلوب

دوسری دلیل، وہی خلافتیں حق ہیں جن کا ذکر کتاب اللہ میں ہے

دلیل دوسری یہ ہے کہ خداوند علیم وخبیر نے برخلاف اس کے کہ اپنی کتاب میں ائمہ اثنا عشر کو نام بنام
ذکر فرماتا اور اپنے اور اپنے رسُول اور اپنی کتاب وغیرہ کے ایمان کے ساتھ ائمہ کے ایمان
کی بھی تکلیف دیتا اور ان کی اطاعت و اتباع کا امر فرماتا اور غاصبین خلافت کو نام
بنام ذکر کر کے ان کی پیروی اور ان کی اعانت پہ تہدید فرماتا آیات مثبتہ خلافت خلفاء
نازل فرمائی۔ ان کی خلافت کے کارناموں کی بطور پیشین گوئی کے مدح وثنا کی اور ان کی امامت
کے انکار کو کفر قرار دیا اور منکرین خلافت کو فاسق ٹھہرایا اگر باور نہ ہو تو آیت سورہ

نور قرآن کھول کر دیکھ لو ورنہ کسی سُنّی حافظ سے پڑھوا لو میری گزارش کی تصدیق ہو جائے گی تو اب اہل عقل و انصاف غور فرمائیں کہ وُہ خلافت جس کی خُدا تعالیٰ اپنی کتاب میں نہایت تعریف بلیغ کرے اور اس کو اپنی طرف نسبت فرما دے اور اس کے انکار کو کفر قرار دے اور اس کے منکر کو فاسق کہے تو وُہ خلافت حق ہو گی یا ناحق اگر بفرض محال وُہ خلافت ناحق ہو تو بھلا ایسا لغو گو خدا جو ناحق کی اس قدر مدح و ثنا اور تائید کرے خدائی کے قابل ہو سکتا ہے حضرات شیعہ کو ہی ایسا خُدا مبارک رہے جو حق کے اظہار سے بیزار اور ناحق کی تائید کے لئے کمربستہ و تیار ہو۔ اہل حق کے نزدیک تو ہرگز یہ باتیں شایان شان ربوبیت نہیں ہو سکتیں اور نہ ایسا لغو گو خدائی کے قابل ہو سکتا ہے تعالیٰ عن ذلك علوا كبيرا۔

پس ثابت ہُوا کہ وہی خلافتیں حق ہیں اور ماسوا ان کے سب لغو اور باطل۔

تیسری دلیل، شیعہ کی ترتیب کے موافق امامت اثنا عشر حق ماننے سے خُدا کی پیشین گوئی غلط ہو جاتی ہے

تیسری دلیل یہ کہ ظہور دین کی خداوند علیم و قدیر نے جو پیشین گوئی فرمائی ہے اور اس کا احسان جتلایا ہے اور غایت ارسال رسُول اس کو قرار دیا ہے اگر خلافت حقہ بترتیب ائمہ اثنا عشر حسب خاطرداری حضرات شیعہ تسلیم کی جائے تو ہرگز سچی نہیں ہو سکتی بلکہ برخلاف اس کے دین کی مغلوبی ہمیشہ کے لئے ظاہر ہوتی ہے تو اس سے صاف ظاہر ہے کہ خلافت ائمہ اثنا عشر باطل ہے۔

چوتھی دلیل، تمام ائمہ شیعہ نے خلفاء سے بیعت کی

چوتھی دلیل یہ کہ تمام ائمہ خلفاء کی بیعت و اطاعت کا ربقہ اپنی گردن میں ڈالتے رہے اور ان کا انقیاد و اتباع فرماتے اور ان کی مخالفت سے ڈرتے ڈراتے اور بچتے بچاتے رہے بجز امام حسین رضی اللہ عنہ کے کہ صرف بیعت یزید سے انکار فرمایا اور کسی امام نے چون و چرا نہیں کی جناب میر اور دونو صاحبزادوں کا حال مخفی نہیں کہ خلفا کے ساتھ باہم کسقدر ربط و ضبط اور الفت و محبت تھی یہاں تک کہ امام حسن رضی اللہ عنہ نے تو امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے جب

صلح کی اور صلح نامہ لکھا تو یہ شرط کی کہ ان يعمل بكتاب الله وسنة رسوله وسيرة الخلفاء الراشدين۔ اور دیگر ائمہ نے خلفاء بنی امیہ و بنی العباس کیساتھ بھی یہی معاملہ رکھا اس سے عاقل متدین کو اس میں تردد نہیں ہو سکتا کہ یہ بزرگوار خلعت خلافت کے ساتھ ممتاز نہیں ہوئے۔

پانچویں دلیل، ائمہ شیعہ نے اپنے آپ کو کبھی امام نہیں سمجھا اور نہ خلفاء سے لڑے

پانچویں دلیل یہ ہے کہ جناب امیر اور جناب امام حسن رضی اللہ عنہما کے حالات میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ان دونو حضرات نے بیعت اہل حل و عقد سے پیشتر کسی خلیفہ کے ساتھ قتل و قتال تو درکنار مخالفت اور چون و چرا بھی نہیں فرمائی اور بعد بیعت اہل حل و عقد مخالفت پر آمادہ کارزار ہوئے تو معلوم ہوا کہ ان حضرات کے نزدیک بھی خود خلافت منصوص نہ تھی اور انعقاد خلافت کا مدار بیعت اہل حل و عقد پر تھا ورنہ قبل البیعۃ اور بعد البیعۃ میں فرق نہ فرماتے یا دونو مواقع میں قتال فرماتے اور اگر تقیہ واجب ہوتا تو دونوں جگہ تقیہ کر کے دبک جاتے باقی رہا جناب امام حسین رضی اللہ عنہ کا یزید کے ساتھ قبل البیعت قتل و قتال کرنا قابل استدلال نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ جناب امام یزید کو بوجہ اس کے فسق یا کفر کے علی اختلاف القولین لائق امامت ہی نہیں سمجھتے تھے اور بوجہ دھوکے بازی شیعیان کوفہ کے اپنی قوت و شوکت کو اس قدر سمجھتے تھے کہ مقاومت شوکت یزید کر سکیں گے مگر جھوٹے مدعیان تشیع دولاکی بے ایمانی اور نفاق نے اہلبیت رسالت کو بذلت و خواری میدان کربلا میں ہلاک کیا جس پر آج تک خود ہی نوحہ خواں اور گریہ کناں ہیں چنانچہ شاعر کہتا ہے ؎

وکنت کذباح العصافیر دائبا   وعیناه من وجد علیهن تهمل

اور اسی وجہ سے دیگر ائمہ نے چونکہ ان کی بیعت خلافت واقع نہیں ہوئی اپنے آپ کو کبھی امام نہیں سمجھا اور کسی خلیفہ وقت کے ساتھ ہنگامہ کارزار گرم نہیں کیا بلکہ اپنے اقارب میں سے جس کو اس کا داعیہ پیدا ہوا اس کو منع فرمایا اور امام مہدی بھی بعد بیعت خلافت

ہی اپنے آپ کو خلیفہ سمجھیں گے اور ہنگامہ قتل و قتال بعد تحقیق خلافت ہی ہوگا۔ پس اس سے ہر ایک ذی ہوش سمجھ سکتا ہے کہ ان بزرگواروں کے نزدیک بھی تحقق انعقاد خلافت بیعت اہل حل وعقد کے ساتھ وابستہ ہے تو ثابت ہوا کہ یہ حضرات رضی اللہ عنہم قبل البیعت خلیفہ اور امام نہیں تھے۔ علاوہ ازیں جسقدر ماسبق میں روایات نہج البلاغت وغیرہ دربارہ ابطال امامت مزعومہ جناب امیر ہم نقل کر چکے ہیں وہ سب روایات جیسی جناب امیر کی امامت کو مبطل ہیں اسی طرح امامت جناب امام حسین اور دیگر ائمہ کو بھی مبطل ہیں حاجت اعادہ نہیں، اور کلام بھی منجر بتطویل ہوتی جاتی ہے۔ لہٰذا اب ہم صرف چند جزئیہ دلائل کے پیش کرنے پر اکتفا کرتے ہیں۔

دلائل جزئیہ

اوّل دلیل جزئی، امام حسنؓ کا امیر معاویہؓ سے صلح نامہ اور معاہدہ

اوّل تو یہ ہے کہ ابھی بضمن دلائل کلیہ عرض کر چکا ہوں کہ جناب امام حسنؓ نے اپنے صلح نامہ میں امیر معاویہؓ سے یہ معاہدہ لیا کہ ان یعمل بکتاب اللّٰہ وسُنّۃ رسولہ وسیرۃ الخلفاء الراشدین۔ لفظ خلفاء راشدین سے جناب امیر قطعاً مراد نہیں ہو سکتے کیونکہ اوّل تو جمع کا واحد پر اطلاق بلا قرینہ صحیح نہیں علاوہ ازیں ظاہر ہے کہ امیر معاویہؓ جناب امیرؓ کو امام حق اور خلیفہ راشد نہیں سمجھتے تھے۔ چنانچہ باہمی تحریرات گزشتہ سے یہ امر روشن ہے امیر معاویہؓ کی تحریر میں بھی۔

ولو کنت کابی بکر وعمر وعثمان ما قاتلتک ولا استحللت قتالک

"اور اگر تو ابوبکر و عمر و عثمان جیسا ہوتا تو میں تجھ سے نہ لڑتا اور تجھ سے لڑنا حلال نہ جانتا (ترجمہ مولٰنا میرٹھی)"

تو جب ان کو خلیفہ راشد ہی نہیں سمجھتے تھے تو معاہدہ میں ان کی تقلید کو اپنے اوپر کیونکر لازم تسلیم کر لیا تو اس سے ظاہر ہے کہ خلفاء راشدین سے مراد ابوبکر و عمر و عثمان

رضی اللہ عنہم ہیں کیونکہ بجز ان کے اور کوئی خلیفہ نہیں ہوا جس کی سیرت کی اتباع کا عہد لیتے اور جب خلفاء ثلٰثہ کو جناب امام حسنؓ نے خلیفہ راشد تسلیم کر لیا تو اپنی خلافت ہی نہیں بلکہ اپنے والد ماجد کی خلافت بلافصل کو بھی باطل کر دیا۔ دُوسرے یہ کہ یہ امر اجماعیات طائفہ سے ہے کہ امامت تالی نبوت ہے اور شہید ثالث وغیرہ فیصلہ فرما چکے ہیں کہ امام اور نبی میں بجز اطلاق اسم نبوت اور نزول وحی کے اور کوئی فرق نہیں ہے تو جو امور نبی کے لئے جائز نہ ہوں گے امام کے لئے بھی جائز نہ ہوں گے اور ظاہر ہے کہ رد نبوت نبی کو جائز نہیں اور نیز یہ ہرگز جائز نہیں کہ خلعت نبوت کسی کو عطا کر دیوے یہ ہم نے مانا کہ نبوّت ایسی چیز نہیں ہے کہ کسی کو دی جا سکے لیکن ظاہری اور لفظی طور پر بھی جس کو عرف عوام میں دینا یا بنانا سمجھیں جائز نہیں ہو سکتا یا ایسا معاملہ کرنا جس سے ثابت ہو کہ غیر کو نبی بنا دیا نہ تقیۃً نہ مصلحۃً کسی طرح جائز نہ ہوگا تو خلعت خلافت کسی غیر مستحق کو پہنا دینا اور امامت کا رد کرنا اور ایسا معاملہ کرنا جس سے یہ امر ثابت ہو کہ اس غیر کو امام بنا دیا جائز نہ ہوگا بلکہ جس قدر عدم استحقاق غیر زیادہ ہوگا عدم جواز بھی زیادہ ہوگا۔ اور جب جناب امام حسن رضی اللہ عنہ کے حالات میں غور کیا جاتا ہے تو باتفاق اہل تاریخ وسیر بلکہ باجماع فریقین ثابت ہے کہ جناب امام ثانی نے ایسے وقت میں جبکہ آپ کی قوت و شوکت اعلٰے درجہ پر تھی اور شیعیان جان نثار کا لشکر جرار آپ کے ہمرکاب تھا اور ضعف و مغلوبی کی کوئی علامت نمایاں نہ تھی بلکہ اس قوت و شوکت کو دیکھ کر دشمنوں کے دلوں میں ہیبت اور اضطراب تھا اور نوبت قتال کی بھی ابھی تک نہیں پہنچی تھی خلاف رضا جناب امام حسینؓ اور خلاف رائے اپنے امراء و سرداران لشکر کے خلعت خلافت و امامت امیر معاویہؓ کو دیکر صلح کر لی اور کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ اور سیرت خلفاء راشدینؓ پر عمل کرنے کا عہد لیا گویا تمام حقوق اسلام و اہل اسلام جن کے آپ ذمہ دار تھے امیر معاویہؓ کو تفویض فرما دئے جس پر مسوّد وجوہ المؤمنین کا اپنے شیعیان جان نثار کی طرف

شیخ کشی نے بسند معتبر امام محمد باقر سے روایت کی ہے ایک روز امام حسن اپنے گھر کے دروازہ پر بیٹھے تھے ناگاہ ایک سوار آیا اسے ابوسفیان ابن لیلٰی کہتے تھے اس نے کہا اے ذلیل کنندہ مومنان [illegible]

سے لقب پایا اور امام حسینؓ نے تو جو کچھ کلمات اس بارہ میں فرمائے ان کی شناعت کا تو کوئی ٹھکانہ ہی نہیں اور بعض مقتدلیاں فرق شیعہ نے اسی وجہ سے حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کی تکفیر کر دی بلکہ جناب امام حسین رضی اللہ عنہ کی بھی کیونکہ اُنہوں نے اپنے بھائی کے کفر میں متابعت فرمائی اگرچہ بنا خوشی ہی سہی ایسے وقت میں جبکہ امام حسن رضی اللہ عنہ صلح کر چکے تھے سرداران لشکر کو اپنی طرف متوجہ کر لیتے اور امیر معاویہؓ کو خلافت کے منع کرنے کے لئے مستعد ہو جاتے تو ہرگز خلافت خاندان سے نہ نکلتی اور بنی اُمیہ میں نہ پہنچتی اور اگرچہ اُس وقت جناب امام حسین بالفعل خلیفہ نہ تھے لیکن ظاہر ہے کہ خلافت کا بہ نسبت نااہل بلکہ بد دین کے منتظر الخلافت کے پاس پہنچ جانا کچھ بیجا اور نامناسب نہیں تھا بلکہ جب امام حسن بار خلافت سے سبکدوش ہو گئے تو اس وقت امام حسین بالفعل ان کے قائمقام ہو گئے اور خلیفہ بالفعل ہو گئے جیسا امام وقت کی وفات کے بعد امام لاحق امام اور خلیفہ خود بخود ہو جاتا ہے طرفہ تماشا ہے کہ شیعیان کوفہ کے تو دھوکے میں آ گئے اور ان کے جعلی خطوط[۱] ہی پہ آمادہ ہو گئے اور نہ دشمن کے فرط قوت اور شوکت کا لحاظ کیا اور نہ اپنے ضعف اور عجز کا خیال کیا اور نہ اپنے شیعان کوفہ کے دھوکے بازی اور حیلہ سازی سے کچھ اندیشہ کیا اور یہاں تک کہ ہر طرح اپنی قوت و شوکت علی وجہ الکمال تھی اور دشمنوں کے دلوں میں بھی خوف سے زلزلہ تھا خلعت خلافت بلا ضرورت مُلجئہ اور بدون اضطرار کے ایک دشمن دین کے حوالہ کر دیا اور ظاہر ہے کہ اگر بلا ضرورت و اضطرار نہ ہوتا تو کسی کی ناخوشی اور ناراضی کا کیا موقعہ تھا اور شکوہ و شکایت کی کہاں گنجائش تھی کیونکہ سب جانتے ہیں المجبور معذور اور اگر بالفرض تھوڑی دیر کے لئے تسلیم بھی کر لیا جائے کہ یہ امر مجبوری سے واقع ہوا اور ضرورت ملجئہ ہی داعی ہوئی اور وہ یہ کہ آپ کو قرائن خارجیہ سے یا باعلام اللہ تعالےٰ یقین ہو گیا تھا کہ آپ کے شیعان ابرار آپ کے جانی دشمن ہیں اور اگر موقع قتال کا ہوا تو

[۱] ان خطوط کی تعداد بارہ ہزار تھی ملاحظہ ہو جلاء العیون اردو صفحہ ۱۴۰ جلد ۲ مطبوعہ الانصاف پریس لاہور ۱۲ شیخ محمد حسن غفرلہ

فوراً پکڑ کر دشمن کے حوالہ کر دیں گے تو اب ہم اس کے لئے علمائے محققین اہل تشیع سے اس کی عقدہ کشائی کرتے ہیں اور اُنہیں سے دو حرفی استفتا کرتے ہیں۔

علمائے شیعہ سے ایک سوال

نیز یہ کہ امامت کے لئے عصمت کی شرط لغو اور غلط ہے

کیا فرماتے ہیں علمائے اثنا عشری اس مسئلہ میں کہ کسی ضرورت ملجئہ خوف جان وغیرہ کی وجہ سے کسی نبی کو خلعت نبوت یا کسی امام کو خلعت امامت و خلافت کسی کافر کو دیدینا اور اس کا ربقہ اطاعت اپنی گردن میں ڈال لینا جائز ہے یا نہیں اگر جائز نہیں تو امام ثانی نے کیوں ایسا کیا اور اگر جائز ہے امام ثالث نے کیوں ایسا نہ کیا۔ بینوا بالدلیل توجروا۔

آپ ذرا متوجہ ہو کر صلح نامہ کے الفاظ سُن لیجئے۔ مرزا غیاث الدین شیرازی شیعی نے اپنی تاریخ حبیب السیر میں صلح نامہ بایں الفاظ لکھا ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

هذا ما صالح عليه الحسن بن علي بن ابي طالب ومعاويه بن ابي سفيان صالحه على ان يسلم اليه ولاية امر المسلمين على ان يعمل فيهم بكتاب الله تعالىٰ وسنة رسوله وسيرة الخلفاء الصالحين وليس لمعوية بن ابي سفيان ان يعهد الى احد من بعده عهدا بل يكون الامر من بعده شورىٰ بين المسلمين وعلى ان الناس آمنون حيث كانوا من ارض الله في شامهم وعراقهم وحجازهم ويمنهم وعلى ان اصحاب علي وشيعته آمنون على انفسهم واموالهم ونسائهم واولادهم وعلى معاوية بن ابي سفيان بذلك عهد الله وميثاقه وما

اخذ اللہ علی احد من خلقہٖ بالوفا ء اعطی اللہ من نفسہ وعلی ان لا ینبغی للحسن بن علی بن ابی طالب ولا لاخیہ الحسین ولا لاحد من اھل بیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غائلۃ سراً وجھراً ولا یخیف احد منھم فی الافاق شھد علیہ بذلك وکفیٰ باللہ شھیدا فلان وفلان والسلام

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ یہ وہ صلح ہے جو حسن بن علی بن ابی طالب اور معاویہ بن ابی سفیان میں قرار پائی۔ مصالحت اس پر قرار پائی کہ حسن بن علی مسلمانوں کی سرداری معٰویہ کو سپرد کر دیں گے۔ بشرطیکہ اللہ کی کتاب اور رسول اللہ کی سنت اور خلفاء راشدین کے طریقوں پر ان میں عمل کرتا رہے اور معٰویہ بن ابی سفیان کو یہ اختیار نہ ہوگا کہ اپنے بعد وصیت کرے بلکہ اس کے بعد خلافت کا معاملہ مسلمانوں کے مشورے پر رہے گا۔ اور نیز یہ بھی شرط ہے کہ لوگ اللہ کی زمین میں جس جگہ رہیں گے بے خوف اور مامون رہیں گے اہل شام شام میں اور اہل عراق عراق میں اور اہل یمن یمن میں اور یہ بھی شرط ہے کہ اصحاب علی اور آپ کا گروہ اپنی جان اور مال اور عورتوں اور بچوں پر بے خوف رہیں گے۔ معاویہ بن ابی سفیان پر اس امر کی بابت اللہ کا عہد اور میثاق ہے اور اللہ نے جس کی پوری بجا آوری کا کسی سے مطالبہ کیا ہے اپنے آپ ہی اس کو ادا فرمایا ہے اور یہ بھی شرط کہ حسن بن علی کو نہ اس کے بھائی حسین کو اور نہ اہل بیت رسول میں سے کسی کو کوئی دھوکا اور فریب پوشیدہ اور ظاہر جائز نہ ہوگا اور نہ کوئی ان میں سے اطراف زمین میں کھڑوی کریگا اس پر فلاں و فلاں نے گواہی کی اور اللہ کی گواہی کافی ہے۔ (ترجمہ از مولانا میرٹھی ؒ)

یہ آپ کا صلح نامہ تھا اور آپ کے خطبہ کے الفاظ جو امیر معاویہؓ نے بصلاح عمرو بن العاصؓ خلع اور استعفاء کے لوگوں کو اطلاع کرانے کے لئے پڑھوایا تھا۔ بزبان فارسی اس

طرح نقل کرتے ہیں۔ ومجدّد آنکہ معٰویہ با من نزاع کرد در امری کہ حق من بود پس من برائے قطع فتنہ وصلاح امت این مہم را بوے بازگذاشتم و ترک محاربہ گفتہ و ریختن خون اہل شام روا نداشتم و ہر آئینہ شما ملامت کنید مرا کہ ایں امر را بغیر اہل آں دادم وایں حق را درغیر موضعش نہادم انا قصد من اصلاح امت بود وان ادری لعلہ فتنۃ لکم و متاع الی حین وبروایتیکہ در کشف الغمہ مرقوم گشتہ در اخیر خطبہ مذکورہ مسطور است کہ قد بایعتہ ورایت ان حقن الدماء خیر من سفکھا لم ارد بذلك الا صلاحکم وبقائکم وان ادری لعلہ فتنہ لکم ومتاع الی حین۔

اس مصالحت نامہ کا اوّل جملہ صالحہ علی ان یسلم الیہ ولایۃ امر المسلمین صاف اور صریح اس پر دال ہے کہ ولایت امر مسلمین جو معبر با مامت کبریٰ اور خلافت راشدہ ہے اور جس کا ثبوت حدیث غدیر من کنت مولاہ اور آیت انما ولیکم اللہ وغیرہ سے ہے امیر شام کو تسلیم فرمادی تو اب یہ عذر کہ نبوّت اور امامت چونکہ امر معنوی ہے کسی کو نہیں دیا جا سکتا لغو ہو گیا کیونکہ اوّل تو اگر وہ تسلیم نہیں کیا جا سکتا تو جناب امام کا تسلیم کرنا اور امیر شام کا قبول کرنا لغو ہوا۔ دوسرے ہم اس کو تسلیم کرتے ہیں کہ وہ امر معنوی ہے تسلیم نہیں ہو سکتا پر اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ انفکاک او انفصال ہی قبول نہ کرتا ہو بلکہ ہم یہ کہتے ہیں کہ تسلیم کی صورت میں تسلیم کرنے والے سے جدا ہو جائے گا گو جس کو تسلیم کیا ہو اس کو پہنچے یا نہیں۔ دیکھو اگر کوئی شخص اپنا ایمان اپنے سے جدا کرے اور کسی کافر بددین کو دیوے تو باوجودیکہ امر معنوی ہے دینے والے سے قطعاً جدا ہو جائے گا کہ وہ کافر مومن نہ ہو علیٰ ہذا چونکہ خلافت و امامت و نبوّت اعلیٰ درجہ ایمان کا ہے جب اپنے سے جدا کیا جدا ہو گیا۔ پھر ایمان کیونکر باقی رہ سکتا ہے پس اس مصالحت نامہ کی بدولت حضرات شیعہ امامیہ مثل کیسان شیعی کے جناب امام حسین رضی اللہ عنہ کے کفر کے قائل ہوں ورنہ امامت کے بارہ میں اپنا مذہب

ؔ اس کے قریب قریب مضمون جلد امیرن اُردو میں بھی ذکر ہے ص ۲۹۰ جلد ۲ مطبوعہ انصاف پریس لاہور۔ علوی غفرلہ

چھوڑیں۔ اور مذہب حق کی طرف رجوع کریں اور نیز یہ بھی عذر نہیں چل سکتا، کہ
حضرت نے ملک وسلطنت ظاہری عطا فرمائی تھی نہ خلافت نبوت کیونکہ ولایت
امیر المسلمین ظاہری سلطنت کا نام نہیں ہے، بلکہ وہ تو امر معنوی مدلول آیت
موالات وحدیث غدیر ہے وہ ہرگز ملک وسلطنت ظاہری پر محمول نہیں ہوسکتا اور
اگر بفرض محال ہو بھی سکے تو وہ بھی ذمہ داری حقوق مسلمین کو متضمن ہے اس کا
کسی جابر کو تسلیم کرنا تمام حقوق کا دانستہ ضائع کرنا ہے جو حرام اور استحقاق امامت سے
بمراحل بعید ہے پھر اس جملہ کے ساتھ ایک تو یہ شرط بڑھائی علی ان یعمل فیہم بکتاب
اللہ تعالیٰ وسنۃ رسولہ وسیرۃ الخلفاء الصالحین اول تو ہم یہ پوچھتے ہیں
کہ امیر معاویہ کا کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ پر عمل کرنا جس طرح حضرت چاہتے تھے
ممکن تھا یا نہیں اگر ممکن تھا تو امیر معاویہ کی فضیلت عصمت اور لیاقت امامت ثابت
ہوگئی اور اگر ممکن نہیں تھا اور غالباً بپابندی مذہب یہی شق اختیار کی جائے گی تو ثابت
ہوا کہ امامت کے واسطے عصمت کا شرط ہونا لغو اور غلط ہے ورنہ یہ اشتراط امر
لغو اور بیہودہ ہے اور اگر یہ ارشاد ہو کہ یہ از قبیل اتمام حجت ہے جیسا اکثر موقع بے
موقع آپ فرمادیتے ہیں تو اس سے پیشتر کہ امیر معاویہ پر اس بارہ میں حجت تمام ہو
خود نفس نفیس جناب امام پر حجت تمام ہوچکی تو اگر امیر معاویہ پر ہی اتمام حجت ہوجائیگا
تو کیا مضائقہ ہے دوسرے ہی سیرت خلفاء کو ملحق بکتاب اللہ تعالیٰ وسنت رسول اللہ صلی
اللہ علیہ وسلم واجب الاتباع قرار دیا اور ابھی کچھ پیشتر عرض کرچکا ہوں کہ خلفاء
صالحین سے ماسوا ابوبکر وعمر وعثمان کے کوئی دوسرا مراد نہیں ہوسکتا کیونکہ خلفاء مجہولین
تو مراد ہو ہی نہیں سکتے کیونکہ جب وہ خود مجہول ہیں تو ان کی سیرت بھی مجہول ہوگی وہ
کیونکر مشروط بوجوب الاتباع ہوسکتی ہے اور علیٰ ہذا سیرت خلفاء مخصوصہ انبیاء سابقین
بھی مراد نہیں ہوسکتی کیونکہ سیاق کلام سے واضح ہے کہ سیرت سے وہ مراد ہے جس کو

امیر معاویہ خوب دیکھ چکے اور تجربہ کرچکے اور جس کو جانتے اور پہچانتے ہیں کہ اس کا
اتباع کریں گے اور خلفاء انبیاء سابقین کی سیرت کا علم ان کو نہیں تھا
کہ اس کو واجب الاتباع قرار دیتے اور حضرت اسد اللہ یقیناً مراد نہیں
کیونکہ امیر معاویہ کے نزدیک ان میں لیاقت خلافت ہی نہیں تھی تو ان کی سیرت کو امیر
معاویہ کیونکر مشروط بوجوب الاتباع ہونا تسلیم کرلیتے اور اگر ہم تسلیم کرلیں کہ جناب
امیر بھی اس میں شامل ہیں تو چشم ما روشن دلِ ما شاد نہ اہل حق کو کچھ نقصان اور نہ اہل
تشیع کو اس سے کچھ نفع کیونکہ خلفاء ثلثہ بہرصورت اس میں داخل ہیں اور ان کی
سیرت کو جناب امام ثانی ملحق بکتاب وسنت اور واجب الاتباع قرار دے رہے ہیں اور ظاہر ہے
واجب الاتباع ہونا بروئے مذہب مستلزم عصمت ہے پس لامحالہ یا حسب قول امام
خلفاء ثلثہ کو معصوم تسلیم کیجئے اور تشیع مصطلح سے فارغ خطی دیجئے ورنہ اپنے امام کو دروغگو
کہئے اور مذہب سے دستبردار ہوجیئے۔ پھر ان کی سیرت کو ملحق بکتاب وسنت کرنے
پر ہی اکتفا نہیں فرمایا بلکہ ان کو متصف بصلاح ورشد فرمایا جس سے بنص صریح ان
کی خلافت کو خلافت راشدہ اور ان کو خلیفہ راشد ثابت کردیا فجزاہ اللہ
تعالیٰ عنا وعن جمیع المؤمنین جزاءً مرکیا فی احقاقہ الحق وابطال الباطل
اور دوسری شرط یہ قرار دی ولیس لمعٰویۃ ان یعہد الی احد من بعدہ بل
یکون الامر من بعدہ شوریٰ بین المسلمین۔

اس جملہ سے بے تامل واضح ہے کہ جناب امام کے نزدیک امامت کے لئے
نہ منصوصیت شرط ہے نہ معصومیت بلکہ انعقاد امامت کا بنص السابق للاحق کے بھی
ہو جاتا ہے اور بیعت اہل حل وعقد سے بھی مگر چونکہ استخلاف امیر شام پر حضرت کو
طمانیت نہیں تھی لہٰذا آپ نے اس کے نسبت شرط فرمائی کہ خلافت بطور نص استخلاف
کے نہ ہو بلکہ بطور شوریٰ کے ہو کیونکہ اگر حضرت کے نزدیک منصوصیت ومعصومیت

شرط ہوتی تو ہرگز امر خلافت کے بطور شوریٰ ہونے کی شرط نہ فرماتے بلکہ یہ فرماتے
و علی ان یلی امر المسلمین بعدہ اخی الحسین بن علی بن ابی طالب کیونکہ ظاہر
ہے کہ شوریٰ کا حال تو طبقہ اولیٰ ہی میں معلوم ہو چکا تھا حسب مثل مشہور ناؤ کس نے
ڈبوئی خواجہ خضر نے تو جب طبقہ اولیٰ میں اہل شوریٰ نے حق بحقدار نہ پہنچایا کہ جو
خیر امت کے ساتھ ملقب تھے تو اب اس فتنہ کے زمانہ میں جبکہ شر و فساد طبائع پر
مستولی ہے کیونکر توقع کی جا سکتی ہے کہ حق بحقدار پہنچائے گی تو یہ خیال کہ یہ شرط
اس لئے قرار دی ہے کہ شاید حق بحقدار پہنچ جائے محض خیال ہے جو ہیجان مادہ سوداوی
سے ناشی ہوا ہے۔ پس جناب امام علیہ وعلی آبائہ السلام کا خلافت کے لئے شوریٰ کا
مشروط کرنا اگر موافق امر الٰہی کہ امر الٰہی خلافت کے بارہ میں یہ ہے کہ خلافت منصوص
نہیں بلکہ اہل حل و عقد جس کو امام بنا دیں گے وہ امام ہو جائے گا تو اہل حق کو مژدہ ہو کہ
ان کا مذہب بر نئے مذہب خصم حق ثابت ہو گیا اور اگر مخالف امر الٰہی ہے چنانچہ بر نئے
مذہب تشیع یہی شق متعین ہے تو میں اپنی زبان و قلم سے کیا کہوں کہ جو نتیجہ اس کا امام
کے بارہ میں پیدا ہوتا ہے اور جو سخت اور نہایت شرمناک الزام حضرت امام کی جانب
عاید ہوتا ہے اگر قرآن شریف کبھی پڑھا ہو تو اخیر تک یہ آیت تلاوت فرما لیجئے۔ و
من لم یحکم بما انزل اللہ فاولئک ھم الخ افسوس کہ وہ ائمہ کرام کہ جن کی عصمت
و نعت انتہا سے بھی زیادہ کی جاتی ہے ان کی یہ نوبت پہنچائیں کہ کافر و بد دین بھی اس سے
شرمائیں۔ افسوس۔ افسوس۔ افسوس۔ شرم۔ شرم۔ شرم

مگر یہ تو اس مذہب کا خاصہ ہے بقول مشہور جس ہانڈی کھائے اسی ہانڈی
چھید کرے۔ انبیاء کرام کو کیا چھوڑ دیا ہے جو ائمہ کے حال پر افسوس کیا جائے ماھذہ
باول قارورۃ کسرت بالجملہ اس صلح نامہ کی عبارت نے امامت ائمہ اثنا عشر کا مع
اس کی شرائط کے بیخ و بن سے استیصال کر دیا اول خلع خلافت ثابت ہوا خواہ لفظ

تسلیم کو بمعنی تفویض کے لیجئے یا بمعنی تقبل قرار دیجئے دوسرے استخلاف امیر معویہؓ ثابت
ہوا تیسرے آئندہ استخلاف کے لئے شوریٰ بطور قاعدہ کلیہ کے قرار پایا اور یہ ہر سہ
امر جیسے امامت اثنا عشری کو مبطل ہیں اسی طرح شرائط نص و عصمت و افضلیت
کو مبطل ہیں اور اخیر میں اپنی اور اپنے بھائی اور تمام اہلبیت کی طرف سے یہ عہد کیا کہ
خلیفہ شام کے ساتھ قتل و قتال و دغا و فریب ظلم و جور ہماری طرف سے نہ ہوگا۔

امام حسنؓ و حسینؓ حضرت امیر معاویہؓ کو خلیفہ اور امام واجب الاتباع سمجھتے تھے

اس جملہ نے ثابت کر دیا کہ جناب امام حسنین علیہما و
علی آبائہما السلام نے امیر معویہؓ کو خلیفہ اور امام
واجب الاتباع تسلیم کر لیا اور عبارت خطبہ سے چند فوائد ثابت ہوتے ہیں اول یہ کہ
بحلف فرماتے ہیں کہ معویہؓ نے مجھ سے ایسے امر میں نزاع کی جو میرا حق تھا اس سے
بے تکلف ثابت ہوا کہ خلافت کا مدار ان کے نزدیک بیعت اہل حل و عقد پر ہے۔
کیونکہ آپ نے اس کو صرف اپنا حق قرار دیا حالانکہ بموجب مذہب تشیع دس ائمہ باقیہ
کا بھی حق تھا مگر چونکہ آپ کی خلافت بیعت اہل حل و عقد سے ثابت ہو چکی تھی آپ نے
اس کو اپنا ہی حق بیان فرمایا اور امام حسین کی خلافت بیعت اہل حل و عقد سے بالفعل نہیں ہو
چکی تھی لہٰذا ان کا حق نہیں قرار دیا اور اگر خلافت کو منصوص قرار دیا جائے تو بیعت واقع
ہو یا نہ ہو حق خلافت ثابت ہو گیا تو یہ کہنا کہ میں نے اپنا حق دیدیا غلط ہے بلکہ آپ نے
اگر اپنا ایک حق دیا تو دس حقوق ائمہ عشرہ کے دیدئے اور پیشتر ثابت ہو چکا ہے کہ
ایک اپنا حق خلافت کسی نا اہل کو دیدینا کفر ہے تو اور دس ائمہ کے حقوق خلافت دینا
بر وئے مذہب تشیع دس گونہ شدید کفر ہوگا پس یا تو معصومیت خلافت سے باز آیئے
ورنہ دس گونہ کفر کو اختیار کیجئے اور نیز یہ بھی ثابت ہوا کہ آپ نے اپنا حق خلافت و
امامت کبریٰ عطا فرمایا اور امیر معاویہؓ کا نزاع بھی اس میں تھا۔ دوسرے آپ فرماتے ہیں
کہ میں نے بغرض قطع فتنہ اور صلاح امت کے اس امر مہتم بالشان کو اس کو دیدیا اور

اس ارشاد سے اوّل تو یہ ثابت ہوا کہ آپ کا اپنے حق کو دیدینا اور مصالحت کرلینا صرف بوجہ قطع فتنہ اور صلاح امت تھا اور اس وجہ سے ہرگز نہیں تھا کہ آپ کو یہ خوف تھا کہ میرا لشکر مجھ کو پکڑ کر امیر معاویہؓ کے حوالہ کر دے گا یا بوقت قتال مجھ کو دشمن کے پنجہ میں تنہا چھوڑ کر راہ فرار اختیار کرے گا یا دشمن سے مل جائے گا غرض حاصل مطلب یہ ہے کہ آپ کو صرف یہ خیال صلح کی طرف محرک اور داعی ہوا کہ آپنے خیال کیا کہ اگر قتال ہوا تو طرفین سے ہزارہا مسلمان مقتول ہوں گے اور اگر خلافت چلی گئی تو بیش ازیں نیست کہ خلافت جس کا بالفعل استحقاق حاصل ہے ہاتھ سے جاتی رہے گی اور معلوم نہیں کہ امیر معاویہؓ بجا آوری حقوق خلافت کی کرسکیں گے یا نہیں اور نیز آپ کو معلوم ہو چکا تھا کہ زمانہ خلافت راشدہ اختتام کو پہنچ گیا بس اس وجہ سے آپ نے صلح کر لی اور مسند خلافت امیر معاویہؓ کو سپرد کر دی[1] چنانچہ اب آپ ارشاد فرماتے ہیں و رایت ان حقن الدماء خیر من سفکھا ولم ارد بذلك الاصلاحكم وبقائكم مگر ظاہر ہے کہ جناب امام حسن رضی اللہ عنہ سے پیشتر حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو حدوث بغاوت کا ابتلا پیش آچکا تھا اور آپنے اس میں خیریت اور بہبودی قتال ہی میں دیکھی تھی اور نہ خلافت چھوڑی نہ مصالحت کی تو پھر جناب امام کو کیا امر داعی ہوا کہ آپنے ترک قتال کرا ور تفویض خلافت بہ نسبت سفک دماء کے خیر سمجھا حالانکہ ارشاد ہے فقاتلوا التی تبغی حتے تفیٔ الی امر اللہ تو بموجب اصول تشیع لامحالہ یا تو جناب امیر سے خطا ہوئی کہ انہوں نے کیوں قتال کیا اور کیوں بتفویض خلافت مصالحت نہ کی یا جناب امام حسن سے خطا ہوئی کہ انہوں نے جناب امیر کا بلکہ حکم منصوص کا صریح خلاف فرمایا دوسرے یہ ثابت ہوا کہ جو امر آپ نے امیر معاویہؓ کو تفویض فرمایا ہے وہ مہم اور مہتم بالشان ہے اور وہ مجرد ولایت امر مسلمین جو معبر بامامت ہے اور کوئی امر نہیں۔ تیسرے آپ نے فرمایا کہ اس مصالحت کی وجہ یہی ہے کہ میں نے اہل شام کا قتل کرنا جائز اور حلال نہ سمجھا۔ یہ فقرہ زیادہ غور و تامل کے قابل ہے اور اصول

[1] بلکہ امام حسن و حسین رضی اللہ عنہما نے حضرت معاویہؓ کے ہاتھ پر بیعت بھی فرمائی۔ ملاحظہ ہو شیعہ کی معتبر کتاب رجال کشی ص [illegible] طبع جدید مطبوعہ کربلا معلیٰ ۱۲ [illegible] خادم اہل سنت [illegible]

تشیع پر اشکال شدید پیدا کرتا ہے کیونکہ اصول تشیع پر بقاعدہ محارب و کفرۃ اہل شام کافر ہوئے اور کم سے کم باغی ہونے میں تو شاید کوئی تردد و تامل ہی نہ ہوگا تو پھر عدم جواز قتل کی کیا وجہ اس سے صاف واضح ہے کہ جناب امام حسن کو اپنی امامت و خلافت ہی میں شک و تردد تھا اور عجب نہیں کہ اس کی یہ وجہ ہو کہ اگرچہ معاویہؓ کی خلافت جناب امیر کی خلافت سے متاخر تھی پر جناب امام حسن کی خلافت سے تو متقدم ہو چکی تھی تو آپ کو یہ خیال ہوا ہوگا کہ مبادا میں امام حق پر خروج کرنے والا اور بغاوت میں عند اللہ شمار ہوں اس لئے آپنے بوجہ تردد فرمایا ہو کہ ریختن خون اہل شام رواند اشتم اس سے بخوبی واضح ہے کہ اگر آپ امام منصوص ہوتے تو قتال اہل شام حرام نہ جانتے اور تخطیہ جناب امیر کا حلال نہ سمجھتے چوتھے آپ نے فرمایا کہ اے شیعان پاک تم بیشک مجھ کو ملامت کرتے ہو کہ میں نے خلافت نااہل کو دے دی اور حق کو بے موقع رکھدیا گویا یہ تمہاری ملامت بجا ہے میں نے خلافت نااہل کو دی ہے اور حق کو بے موقع رکھا ہے مگر میری غرض اس سے صرف امت کی اصلاح ہے۔

اوّل تو اس عبارت سے یہ ثابت ہوا کہ آپ کے شیعہ آپ کو جائز الخطا اور غیر معصوم اور قابل ملامت سمجھتے تھے اور الزام دیتے تھے اور الزام بھی وہ الزام جس کو آپ تسلیم فرماتے تھے کہ آپ نے تسلیم کر لیا کہ خلافت نااہل کو دیدی مگر اس معصیت سے میری غرض صرف تمہاری اصلاح ہے حاصل یہ کہ اس کا معصیت اور قابل الزام ہونا تو مسلم مگر میں نے یہ معصیت برے ارادہ سے نہیں کی میری نیت بخیر ہے چاہے آئندہ وہ ارادہ پورا ہو یا نہ ہو دوسرے آپ کا یہ تسلیم فرمانا کہ این امر را بغیر اہل آن دادم و این حق را در غیر موضعش نہادم، مثل آفتاب نیمروز ثابت کرتا ہے کہ اپنی خلافت راشدہ اور امامت حقہ جو مدلول نص قرآنی ہے امیر معاویہؓ کو تفویض فرمائی ہے محض سلطنت دنیاوی اور حکومت ظاہری ہی نہیں بخشی کیونکہ امر دنیاوی کے مستحق تو اہل دنیا ہی ہوتے ہیں۔ اس کے لئے کسی

طالب دنیا کو نااہل اور غیر موضع کہنا صحیح نہیں بلکہ اگر محض دنیاوی ہونے کی حیثیت سے نظر کیجاتی تو حضرت رضی اللہ عنہ اس کے لئے اہل اور موضع نہیں ہوسکتے پس اس سے عقلاً سمجھ سکتے ہیں کہ اگر آپ نے امیر معویہ رضؓ کو محض منصب دنیاوی بخشا تو اس کی لئے وہ نااہل اور غیر موضع نہیں ہوسکتے۔ یہ فرمانا آپ کا امر نااہل کو دیا غلط اور کذب ہوتا ہے اور اگر منصب دینی جو نیابت نبوت ہے عطا فرمایا جیسا کہ آپ کے صریح الفاظ سے ثابت ہوتا ہے تو پھر حضرات اہل تشیع ہی بنظرِ انصاف خیال فرمائیں کہ نوبت کہاں تک پہنچے گی یہاں تک تو جسقدر جملے نقل کئے وہ مورخ کے نزدیک مسلّمہ فریقین ہیں مگر آخر میں پانچواں جملہ جو وقد بایعتہ ورایت ان حقن الدما خیر من سفکھا الخ اس میں امر بیعت کا مورخ کے نزدیک باوجودیکہ علی بن عیسے اردبلی شیعی نے کشف الغمہ میں نقل کیا ہے مختلف فیہ ہے کہ علما امامیہ بیعت کو تسلیم نہیں کرتے اور کتب اہل سنت سے بیعت کا واقع ہونا ثابت ہوتا ہے۔ مجھ کو سخت حیرت ہے کہ وقوع اور عدم وقوع بیعت میں فی مابین کیوں نزاع و خلاف ہے اور اس خلاف کا منشا کیا ہے اور حضرات علما شیعہ کو بیعت کے انکار سے کیا نفع اور تسلیم کر لینے سے کیا نقصان اوّل تو جناب امیر کی ہی بیعت سے انکار نہیں کرسکتے بعد ازاں جناب امام حسین رضی اللہ عنہ نے بیعت یزید سے انکار فرمایا ہر زمانہ میں تمام ائمہ خلفاء بنی امیہ اور خلفاء بنی عباس سے بیعت کرتے چلے آئے علاوہ ازیں جب خلافت نبوّت برضا و تسلیم تسلیم فرمادی تو جو کچھ الزام و انعام عاید ہونا تھا ہو گیا بیعت کے واقع نہ ہونے سے وہ رفع نہیں ہوسکتا اور واقع ہونے سے اس میں کچھ زیادتی نہیں ہوسکتی حسب مثل مشہور رانڈ سے آگے کو رنا کیا ہے جب کفر کی نوبت پہنچ گئی پھر اور کونسا الزام باقی رہ گیا جس کا خوف ہے تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ پیشتر عنقریب عرض کرچکا ہوں کہ بعض پیشوایان حضرات شیعہ ریحانتے رسول الثقلین جناب امامین حسنین علیہما و علی آبائہما السلام کی نسبت حسب اصول تشیع کفر کے قائل ہوئے ہیں اور اکثر شیعہ علی الخصوص

اثنا عشریہ ان کی منصوصیت خلافت نبوت اور عصمت از صغائر و کبائر سہواً و عمداً اور افضلیت بہ نسبت جمیع انبیا قائل ہوئے ہیں۔ تو اب اصول مذہب تشیع اثنا عشری پر فیصلہ اس کا کرنا ضرور ہے کہ ان دونوں مذہبوں میں باعتبار اصول مذکورہ مقرون بصواب کونسا مذہب ہے اور غلط اور خطا کونسا کیونکہ ان دونوں اقوال میں فرق زمین و آسمان نور و ظلام کفر و اسلام سے بھی زیادہ فرق ہے تو جمع اور تاویل کی کوئی سبیل نہیں ہوسکتی۔

پس واضح ہو کہ مدعا سے پیشتر چند مقدمات سن لیجئے تاکہ بحث کے وقت خلجان واقع نہ ہو۔ مقدمہ اوّل یہ کہ باجماع حضرات شیعہ اثنا عشریہ ان کے نزدیک امامت تالی نبوّت ہے حسب تصریح شہید ثالث و دیگر محققین باہم کوئی فرق نہیں۔ الا صرف اطلاق اسم نبوّت اور نزول وحی میں فرق ہے بلکہ خلافت نبوت ختم النبیین سید الاولین و الآخرین صلوات اللہ علیہ و علی آلہ و اصحابہ اجمعین۔ نبوت انبیاء سابقین سے بھی بڑھ چڑھ کر ہے اس لئے خواص و احکام باہم متحد و متشارک ہیں یہی وجہ ہے کہ نص و عصمت و افضلیت دونوں جگہ مشروط ہے ابن بابویہ قمی نے اپنی کتاب الخصال میں روایت کی ہے۔

ن ابی عبد اللہ جعفر بن محمد علیہما السلام قال

عشر خصال من صفات الامام العصمۃ والنص وان

یکون اعلم الناس واتقہم للہ واعلمھم بکتاب اللہ و

ان یکون صاحب الوصیۃ الظاہرۃ ویکون لہ المعجزۃ

والدلیل وینام عینہ ولا ینام قلبہ ولا یکون لہ فئی

ویری من خلفہ کما یری من بین یدیہ۔

ابو عبد اللہ امام جعفر بن محمد علیہما السلام سے روایت ہے فرمایا کہ امام کی صفات میں سے دس خصلتیں ہیں عصمت نفس اور سب سے زیادہ علم والا ہوا اور پرہیزگار اور کتاب اللہ کا زیادہ جاننے والا ہونا اور یہ کہ اس کے لئے کھلی وصیت ہو اور معجزہ

اور دیل اس کو حاصل ہو اور چشم سخواب بیدار دل ہو اور اس کا سایہ نہ ہو اور
آگے پیچھے سے یکساں دیکھتا ہو۔۱۲

اور ظاہر ہے کہ مفہوم عدد معتبر نہیں ہوتا تو یہ عدد حصر کو اور نفی ما فوق العشر کو مستلزم نہ ہوگا چنانچہ اسی ابوجعفر نے جو روایات علامات امام میں امام رضا سے نقل کی ہے وہ نہایت طویل ہے اور اس میں علامات بھی بہت زیادہ ذکر کئے ہیں تو بشہادت کلیہ شہید ثالث اور روایت ابوجعفر ثابت ہوا کہ باہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے ائمہ اثنا عشر میں باعتبار خواص و احکام اتحاد و اشتراک ہے

مقدمہ دوم معصیت لاحقہ مکرمت سابقہ کو رافع ہے گو یہ مقدمہ بدیہی ہے پر بنظر تنبیہ عرض ہے کہ صحابہ کرامؓ جو ایمان لائے اور ہجرت و نصرت کی اور مشکلات میں اپنے رسول کے ہمرکاب رہے مہالک میں حق جان نثاری ادا کیا بعد وفات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب ائمہ اور اہلبیت کے حقوق چھین لئے تو ان کے تمام محاسن و مکارم زائل ہوگئے اور ان پر کفر و ارتداد کا حکم کیا گیا تو اس سے بخوبی ثابت ہوا کہ شیعہ کے نزدیک معصیت لاحقہ مکرمت سابقہ کو ہادم ہے۔ تیسرا مقدمہ خدا تعالیٰ جل و علا شانہ کو بدا واقع ہوتا ہے اس مقدمہ کے اثبات کے لئے مذہب کی تتبع کرنے والے کو صدہا دلائل اور ہزارہا روایات مل سکتی ہیں اور اگر کوئی مذہب کا ناواقف شیعہ اس کا انکار کرے تو کرے پر واقف تو اس کے انکار کی جرأت نہیں کر سکتا چونکہ ہم بھی اس کو ابتدا رسالہ میں مجملاً مختصراً ثابت کر چکے ہیں لہٰذا یہاں اس کے اثبات کی ضرورت نہیں جب یہ سہ مقدمات محفوظ خاطر ہو چکے تو اب سنئے ائمہ کے بارہ میں جس قدر روایات متضمن فضائل و مناقب اور روایات مظہر اوصاف و مدائح بیان ہوئے ہیں حسب اصول تشیع سب مسلم ہیں۔ فی الواقع وہ حضرات اس وقت ایسے ہی تھے مگر یہ فضائل و مناقب اور اوصاف و مدائح اس وقت کارآمد اور قابل اعتبار ہوں جب کوئی امر منافی ان کے واقع نہ ہو ورنہ بحسب مقدمہ ثانیہ اگر کوئی امر منافی پایا

جائے گا تو پھر یہ فضائل اور مناقب کارآمد نہ ہوں گے اور نہ وہ اُن کے مصداق رہیں گے اور جمیع ائمہ سے منافیات فضائل مرویہ کا پایا جانا متحقق ہے تو بقاعدہ تشیع ہدم اساس فضائل محقق ہوا ثبوت ملازمت تو بدیہات مذہب سے ہے اور مقدمہ ثانیہ میں ثابت بھی ہو چکی اور ثبوت ملزوم جناب امیر رضی اللہ عنہ کی نسبت حسب اصول تشیع عرض ہو چکا ہے۔ حاجت اعادہ نہیں ہے اور جناب امامین حسنین رضی اللہ عنہما کی نسبت مانحن فیہ میں تفویض خلافت ہی بس ہے کیونکہ خلع و تسلیم خلافت عند اللہ پسندیدہ تھا یا ناپسندیدہ۔ اگر پسندیدہ تھا تو جناب امام حسین نے کیوں ناپسند فرمایا اور کیوں مکروہ جانا اور شیعیانِ جان نثار نے کیوں ملامت کی اور قابل ملامت جانا اور جناب امام حسن نے ان کی ملامت کو تسلیم فرمایا اور کیوں ان کی غلطی کو واشگاف نہ کر دیا اور اگر ناپسندیدہ تھا تو برخلاف فضائل آپ نے اس کا کیوں ارتکاب فرمایا بالجملہ بہر دو صورت مدعائے مستدل حاصل ہے پہلی شق میں باعتبار ناپسندی امام ثالث اور دوسری شق میں حسب پسندیدگی امام ثانی اور تسلیم امام ثالث اگرچہ بکراہت ہی سہی کامیابی ہے۔

امام کی امامت پر ایمان لانا مثل نبوت نبی رکن ایمان ہے

علاوہ ازیں خلافت مثل نبوت احکام اصلیہ اعتقادیہ اور فرعیہ عملیہ کو متضمن ہے امام کی امامت پر ایمان لانا مثل نبوت نبی رکن ایمان ہے اور اس کی اطاعت بموجب ارشاد اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول والی الامر منکم واجب و لازم ہے تو جس کو امامت تفویض کی اور مسند خلافت پر بٹھلایا اگر وہ اہل ہے تو امامت دوازدہ باطل ہے اور اگر اہل نہیں ہے تو گویا نا اہل کی نسبت امت کو یہ کہا کہ اس کی امامت پر ایمان لانا اور اس کی اطاعت کرنا فرض واجب ہے اور یہ بھی حسب اصول تشیع اسلام کے دائرہ سے خروج ہے بلکہ صرف اس عظیم الشان منصب کا نااہل کو دینا ایسا ہے جیسا نبوت کسی کو دیدینا جیسا وہ مستلزم کفر ہے بیوقوف رد نبوت ہے و نیز غرض بعثت نبی سے جو ہدایت امت تھی برخلاف اس کے

اسی ہی اضلال امت ہے اور یہ منصب ابلیس و دجال ہے نہ منصب امام و نبی اسی طرح
تفویض خلافت بھی مستلزم رد کو ہے اور موجب اضلال امت پس تفویض امامت کرنے
والا محاط محیط دائرہ ایمان نہیں رہ سکتا اب باقی رہی یہ بات جب خدا تعالیٰ نے ان کے
فضائل و مناقب ظاہر فرمائے وہ ان کے اس ارتکاب کفر کو جانتا تھا یا نہیں ظاہر ہے
کہ وہ جانتا تھا اور جب وہ واقف تھا تو کیونکر ممکن ہے کہ ایسے لوگوں کے فضائل و مناقب
فرمائے جو آیندہ کفر کے یا فسق کے مرتکب ہونے والے تھے سو یہ شبہ اور خلجان اسی شخص
کو ہو سکتا ہے جو اصول تشیع سے ناواقف ہو اور واقف کو ہرگز یہ شبہ پیدا نہیں ہو سکتا
کیونکہ ہم مقدمہ ثالثہ میں اس مرحلہ کو طے کر چکے ہیں اس سے روشن ہے کہ بروئے مذہب
تشیع یہ کچھ ضرور نہیں ہے کہ خدا تعالیٰ ہر وقت ہر امر کو معلوم فرما دے بلکہ ممکن ہے کہ
بعض اوقات بعض امور حق تعالیٰ کو معلوم نہ ہوں کیونکہ بدا کے یہ ہی معنی ہیں کہ ظہور ایسے
امر کا ہو جو پیشتر سے ظاہر نہ ہوا ہو جزئیات میں اس کی مثال یہ ہے کہ شیعہ فرماتے ہیں
کہ اللہ تعالیٰ نے اوّل نص امامت بعد امام جعفر صادقؒ اسمٰعیل بن جعفر کے لئے فرمائی
تھی اور جب اس سے امور نالائق سرزد ہوئے تو بعد ازاں امام موسیٰ بن جعفر کے نام
فرمادی اور بدا کا عذر کر دیا کذافی ازالۃ الغین[1] لمولانا حید رالمتکلمین حیدر علی رحمہ اللہ تعالےٰ
تو اگر یہاں بھی اسی طرح اوّل فضائل و مناقب ائمہ فرمائے ہوں اور بعد ازاں جب
ان سے بروئے مذہب تشیع امور منافی عصمت و امامت بلکہ مضاد اسلام صادر ہوئے
تو ان فضائل و مناقب کو باطل اور بیکار کر دیا اور وہی بدا واقع ہو گیا ہو تو کیا عجب ہے
اور یہ معاملہ بعینہ وہی معاملہ ہے جو حضرات شیعہ صحابہ رضی اللہ عنہم کے بارہ میں فرماتے
ہیں اور مصداق مثل مشہور ہے من حفر بیر الاخیہ فقد وقع فیہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم
کے فضائل و مناقب بے شمار آیات قرآنیہ سے اس کثرت و قوت کیساتھ ثابت ہیں
کہ ائمہ عظام کے فضائل ہرگز اس درجہ ثبوت میں نہیں پہنچ سکتے جس کا دل چاہے

[1] اور اسی کے ہم معنی روایۃ اصول کافی ص۳۲۶ ج۱ مطبع جدید ایران میں بھی مذکور ہے ۱۲ علوی غفرلہٗ

قرآن شریف کو تتبع کرکے دیکھ لے مگر با ایں ہمہ حضرات شیعہ تمام فضائل کو لغو اور باطل کہتے ہیں
کہ تمام فضائل مسلّم ہیں مگر اس شرط کے ساتھ مشروط ہیں کہ آخر عمر تک تغییر و تبدیل نہ ہو
اور جب بعد وفات جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تغییر و تبدل آگیا حق خلافت غصب
کیا فدک چھینا قرآن کو تحریف کر ڈالا دین کو درہم و برہم کیا اہل بیت رسول کی توہین و
تذلیل بدرجہ غایت کی طرح طرح کی بدعات نکالیں پھر کیونکر وہ مستحق فضائل اور مصداق
مناقب باقی رہ سکتے ہیں اب اس پر اگر یہ اعتراض پیش کیا جاوے کہ جب خداوند علیم و خبیر
نے ان کے اوصاف و مناقب نازل فرمائے تھے اس وقت بھی اس کو علم تھا کہ یہ لوگ
آئندہ چند ہی روز میں مصدر افعال ناشائستہ ہوں گے اور دین پر قائم نہیں رہیں گے یا
نہیں تھا ۔ کوئی شق اس کی اشکال سے خالی نہیں مگر ہمارے مقابلہ میں حضرات شیعہ بدا
کا نام نہیں لے سکتے علاوہ بدا کے اور کوئی مخلصی کی صورت نکالیں گے لیکن جو صورت تجویز
کریں گے وہ ائمہ میں بھی جاری ہوگی کیونکہ فضائل و مناقب میں متشارک اور تغیر و تبدل میں
بھی بروئے مذہب شیعہ متساوی و متشارک تو الزام اور رفع الزام میں بھی متساوی اور
متشارک ہوں گے بلکہ بحول اللہ تعالیٰ وقوتہ رجوع الزامات میں حضرات ائمہ کا ہی مرتبہ
بڑھا رہے گا کیونکہ اوّل بڑا الزام غصب حق خلافت ہے اور ہم ابھی عرض کر چکے ہیں کہ
وہ ذوجہتین ہے ، ایک جہت دین اور ایک جہت دنیا اوّل جہت کا تو غصب ممکن ہی نہیں
اور اگر حضرات شیعہ ممکن فرما دیں تو خود ہی اس کا انجام سوچ لیں کہ یا عجز خداوند قدیر لازم
آئے گا اور یا غاصبین خلافت کا خلیفہ راشد اور امام حق ہونا ثابت ہوگا کیونکہ دو حال
سے خالی نہیں کہ غصب خلافت بتمکین اللہ واقع ہوئی یا بلا رضا و تمکین ، اگر بتمکین و رضا
واقع ہوئی تو خلافت کے راشدہ اور حقہ ہونے میں کیا تردد ہو سکتا ہے اور اگر بلا رضا و
تمکین ہوئی تو علاوہ اس کے کہ منافی عدل و لطف ہے لزوم عجز و مغلوبی خود ظاہر و باہر ہے
اور بمقابلہ اس کے غصب امور دنیا کا معارضہ پیش کرنا اسی کا کام ہے جس کو عقل خداداد

سے بہرہ نہ ہوا ور جنون یا مالیخولیا میں مبتلا ہو ہاں جہت دنیا کا غصب ممکن ہے مگر جو الزام کہ غاصب جہت دنیا پر لازم آتا ہے اس کی بہ نسبت وہ الزام جو اس امام حق پر لازم آتا ہے جس نے برضا ورغبت تاج خلافت وامامت کسی نا اہل بد دین بلکہ کافر کے سر پر رکھ دیا ہو بدرجہا زائد ہے اس لئے کہ یہ کسی طرح کفر کے درجہ سے اس طرف نہیں ٹھہرتا خواہ جہت دینی کا لحاظ کیا جاوے یا جہت دنیاوی کو ہی ملحوظ خاطر رکھا جاوے اور محض غصب امر دنیا کسی طرح حد کفر تک نہیں پہنچتا۔

تذلیل اہل بیت وغیرہ کے الزام خود شیعوں پر ہیں

دوسرا الزام توہین اور تذلیل اہل بیت رسالت کا ہے سو یہ جو کچھ واقع ہوا وہ بروئے روایات شیعہ حضرت اسد اللہ کے سکوت کی بدولت واقع ہوا اور جو کچھ کرایا آپ نے کرایا علاوہ ازیں دیکھو نر گدھے[1] پر سوار کس نے کیا جناب مطہرہ کو مہاجرین وانصار کے در بدر کون لئے پھرا، کلمات ناسزا مانند جنین[2] پردہ نشین الخ کس کی نسبت حضرت معصومہ نے بیلا کر فرمائے پھر اب بھی اگر کسی کی نسبت تذلیل اہل بیت کا نام زبان سے نکالیں تو اس حیا کو آفریں ہے تیسرا الزام تحریف قرآن کا ہے اول تو خود بہت سے محققین شیعہ نے اس کا انکار کر دیا ہے۔ وکفی اللہ المؤمنین القتال، علاوہ ازیں اگر کوئی بنظر انصاف ملاحظہ فرمائے تو یہ بھی شیعہ کی گردن پر احسان ہے کہ قرآن محرف ہی سہی صلوات اور اوراد وظائف میں قرآن کسی قدر پڑھنے کو نصیب تو ہو گیا یہ بھی خلفاء کا طفیل ہے ورنہ حضرات ائمہ نے تو وہ کام کیا تھا کہ حضرات شیعہ کو ایک لفظ قرآن کا خواب میں بھی دیکھنے کو نصیب نہ ہوتا تو اب فرمائیے کہ تحریف بڑھ کر ہے یا اعدام بڑھ کر اور تحریف بھی وہ تحریف کہ جس کی وجہ سے حرام و حلال میں کہیں تغیر و تبدل واقع نہیں ہوا زیادتی کہیں نہیں کی صرف بعض کلمات ساقط ہی کر دیئے اور نیز اس محرف کے پڑھنے سے حضرات شیعہ کے ثواب تلاوت میں کمی نہیں آئی نماز وں میں فساد نہیں ہوا غرض شیعہ کو تحریف سے کوئی نقصان نہیں پہنچا مگر اگر نقصان پہنچا تو

[1] ملاحظہ ہو شیعہ کی کتاب احتجاج طبرسی ص۵۱ ج۱ طبع جدید مطبوعہ نجف اشرف ۱۳۸۶ھ [2] کتاب مذکور ص۱۰۷ ج۱

امت کو اس کے اخفاء و اعدام سے نقصان پہنچا تو اب فرمائیے کہ الزام کس کے ذمہ زیادہ رہا[1] اور چوتھا الزام دین کی درہمی و برہمی ہے اس میں بھی ائمہ کا ہی مرتبہ بڑھا ہوا ہے خلفاء کی نسبت تو جو کچھ کلمات اتباع اوامر و نواہی کے بارہ حضرات شیعہ فرماتے ہیں وہ اگرچہ شیعہ کے نزدیک بغرض استجلاب قلوب ہی سہی لیکن ان سے واضح ہے کہ اتباع اوامر و نواہی کے بارہ میں سرمو فرق نہیں واقع ہوتا تھا مگر بقول شیعہ دین کو درہم و برہم تو حضرات ائمہ نے کیا کہ ان کے کسی فعل پہ طمانیت و اعتماد ہی نہیں ہو سکتا کیونکہ احتمال تقیہ اور عدم تقیہ گلوگیر رہتا ہے اور نیز جس نے کوئی بدعت نکالی ائمہ نے اسی وقت تقیہ کے پردہ میں اس کا اتباع کر لیا اور تشریع ہو گئی اور یہی وجہ یہی ہے کہ کسی فعل بد کا دین میں داخل ہونا جس قدر شنیع و قبیح ہے محض ارتکاب اس کا ہرگز اس درجہ قبیح نہیں ہو سکتا۔ اور کسی فعل کا دین میں داخل اور اس کی مشروعیت بدون مباشرت امام کے اگرچہ بطور تقیہ ہی ہو نہیں ہو سکتی۔ غرض جس قدر الزامات حضرات شیعہ خلفاء کی نسبت عاید کریں گے ان سے بدرجہا زیادہ ائمہ کی طرف رجوع ہوں گے جس کا دل چاہے میدان میں آئے اور امتحان کر کے دیکھ لے پس یہ معاملہ بالکل ائمہ و صحابہ کا باہم مطابق موافق ہوا والحمد للہ علیٰ ذلک بالجملہ اصول مذہب تشیع سے ثابت ہوا کہ جن اکابر شیعہ نے ائمہ کی تکفیر کی تھی بموجب اصول مذہب تشیع کے وہی حق پر تھے اور جو حضرات ان کو بھلائی سے یاد کرتے ہیں اور ادب اور تعظیم سے نام لیتے ہیں اور ان کو انبیاء سے بھی بہتر اور افضل فرماتے ہیں یہ قول حسب اصول مذہب تشیع غلط ہے یا مأول بمجاز کیونکہ اطلاق باعتبار ما کان کے مجاز ہوتا ہے اور خوارج کا بھی یہی مذہب تھا تو بس مذہب اہل تشیع اور خوارج ائمہ کے بارہ میں بموجب مثل طابق النعل بالنعل بالکل متحد ہو گیا اور تعظیم و تکریم محض سرسری بات رہی جو خلاف مذہب شیعہ خوارج کے چڑانے کے لئے اختیار کر رکھی ہے سبحان اللہ شاعر کا شعر کیا حسب حال شیعہ ہوا گویا

[1] تحریف قرآن کے لئے ملاحظہ ہو اصول کافی ص۲۱۲ ج۱ ص۲۱۴ طبع جدید نیز حواشی ترجمہ مقبول طبع قدیم اور جلاء العیون فارسی ص۲۳ ص۲۴۳ ج۱ طبع لاہور ۱۲۔ علوی غفرلہ

ان کے لئے ہی یہ شعر زبان سے نکلا تھا و لنعم ما قیل

تو بدشمنان چہ کردی کہ بدوستان نکردی

نجدا گر واجب آمد ز تو احتراز کردن

اب یہاں سے اہل عقل و انصاف ذرا اہل حق کے مذہب کی حقانیت کو ملاحظہ فرمائیں اور اس کی حقیقت کی قدر کریں کہ اس کے بموجب صحابہؓ کو ان کا حق دیا گیا اور اہل بیت کو ان کا حق دیا گیا پھر ان میں سے بھی سابقین اوّلین کو ان کے مرتبہ میں رکھا اور دوسرون کو ان کے مرتبہ میں رکھا ازواج رسُول امہات المومنینؓ کی خدمت میں حق امویت جیسے فرزندان رشید بجا لاتے ہیں بجا لاتے نہ کسی کو اس کے مرتبہ سے گرایا اور نہ کسی کو اُس کے مرتبہ سے بڑھایا بموجب ارشاد اعط کل ذی حق حقہ ہر ایک ذی حق کو اس کا حق پہنچا دیا اور مصداق ارشاد جناب امیرؓ سیہلک فی صنفان محب غال و مبغض قالٍ نہ بنے والحمد للہ علیٰ ذٰلک الغرض اس خلع خلافت اور معاملہ مصالحت اور بیعت نے تو اصول تشیع پر بحکم کارد باستخوان امامت سے گزر کر ائمہ کے ایمان تک نوبت پہنچا دی چنانچہ بعض ان فرق شیعہ کو جو اپنے اصول موضوعہ کے پابند ہیں مجبور ہو کر بعض ائمہ کے کفر کا قائل ہونا پڑا گو بعض فرق دیگر بوجہ حفظ ناموس تشیع ظاہراً ان کی بزرگی کے مدعی ہیں اور زبانی طور پر مدائح و مناقب بیان فرماتے ہیں مگر بمقتضاء اصل مذہب در پردہ وہ بھی فرق اول کے ہمزبان ہیں۔ اور ظاہر ہے کہ تمام ائمہ بجز امام قائم بالامر کے خلفاء زمانہ کی بیعت اطاعت کرتے رہے اور مطیع و منقاد رہے تو بوجہ اتحاد و اشتراک علت ایک حکم کے سلسلہ کے ساتھ وابستہ ہوں گے اور جب ایمان کو ہی اصول تشیع پر خیرباد ہوئی تو امامت و خلافت کا خیال کرنا محض خیال خام ہوگا۔ معہذا جب سلسلہ ائمہ میں سے ایک کے بارہ میں بھی نقیض امامت بلکہ نقیض ایمان ثابت ہو گئی تو تمام ائمہ کی امامت باطل ہوئی۔

ـــــــــــــ

[1] نہج البلاغۃ ص ۲۷ ج ۳ طبع مصر مطبعہ مطبوعہ بیروت ۱۳۸۷ھ

دیگر ائمہ کی امامت میں خود فرق شیعہ ہی باہم مختلف ہیں

علاوہ ازیں بعد امام حسین رضی اللہ کے دیگر ائمہ کی امامت میں خود فرق شیعہ ہی بلکہ امامیہ باہم مختلف ہیں جیسا کہ امامت حسنین رضی اللہ عنہما میں فرق شیعہ میں سے علاوہ فرقہ مختاریہ کے تمام فرق کیسانیہ نے جو کر بیہ اسحاقیہ، حربیہ، عباشیہ، طیاریہ ہیں خلاف کیا تھا اور قائل امامت محمد بن الحنفیہ کے بعد جناب امیرؓ ہوئے تھے اور امامت حسنینؓ کا انکار کیا تھا۔ اب سنئے کہ فرق شیعہ زیدیہ کے نزدیک امامت کے لئے علاوہ علم و شجاعت کے خروج بالسیف کرنا شرط لازمی ہے اسی وجہ سے زید بن علی بن الحسین اور یحییٰ بن زید کو امام تسلیم کرتے ہیں تو ان کے نزدیک امامت تمام ائمہ کی بعد امام حسینؓ کے باطل ہوئی بلکہ امام حسنؓ کی بھی۔ چنانچہ واضح ہے اور گفتگو باہمی حضرت زید اور امام ابوجعفر کی اصول کلینی[1] کے صفحہ ۱۷۸ پر مذکور ہے۔ فغضب زید عند ذلک ثم قال لیس الامام منا من جلس فی بیتہ وارخی سترہ وثبط عن الجہاد ولکن الامام منا من منع حوزتہ وجاہد فی سبیل اللہ حق جہادہ ودفع عن رعیتہ وذب عن حریمہ

پھر بعد شہادت حضرت زید شہید فرق محدثہ امامیہ میں سے فرق حسنیہ و نفسیہ نے امام حسینؓ اور ان کی اولاد کو امامت سے خارج کر دیا اور بعد وفات امام حسنؓ کے ان کے نزدیک امامت ان کی اولاد میں ہے چنانچہ بعد امام حسنؓ کے ان کے فرزند حسن مثنیٰ اور ان کے بعد ان کے فرزند عبداللہ اور بعد ان کے ان کے فرزند نفس زکیہ کو امام اعتقاد کرتے ہیں چنانچہ منافسہ فیما بین عبداللہ و امام جعفر صادق درباب امامت معروف مشہور ہے بعد ازاں جنہوں نے امام محمد باقر کو امام تسلیم کیا تھا ان کی وفات کے بعد باہم مختلف ہوئے، باقریہ جو امام محمد باقر کو حی لایموت اور منتظر کہتے ہیں اور حاضریہ جو بعد امام محمد باقر کے ان کے فرزند زکریا کو امام قرار دیتے ہیں اور کوہ حاضر میں اس کو مخفی کہتے ہیں امامت امام جعفر صادق اور ائمہ مابعد کے منکر ہوئے بعد ازاں جو لوگ امام

ـــــــــــــ

[1] اصول کافی ص ۲۵۷ ج ۱ کتاب الحجۃ باب ما یفصل بہ بین دعوی المحق و المبطل فی امر الامامۃ

جعفر صادق کی امامت کے قائل ہوئے ان میں سے ناؤسیہ جو امام جعفر صادق کو حی لایموت اور مہدی اور قائم بالامر قرار دیتے ہیں اور نیز عماریہ جو امام جعفر کی وفات کے بعد محمد فرزند امام کو امام قرار دیتے ہیں اور نیز تمام فرق اسمٰعیلیہ جو بعد امام جعفر کے ان کے بڑے فرزند اسمٰعیل کو نجیب الطرفین ہے کیونکہ اُن والدہ کی فاطمہ حضرت امام حسنؓ کی پوتی ہے ، امام مانتے ہیں اور نیز فطحیہ کہ جو امامت عبداللہ بن جعفر کے معتقد ہیں اور نیز اسحاقیہ کہ جو بعد موت امام جعفر کے امامت اسحٰق بن جعفر کے معتقد ہیں یہ تمام فرق شیعہ و امامیہ امامت ائمہ مابعد امام جعفر صادق کے امام ہونے سے کاظم سے لے کر آخر تک منکر ہوئے بعد ازاں فرق ثلثہ واقفیہ جو امامت کو امام موسیٰ کاظم تک ہی موقوف مانتے ہیں اور فرقہ احمدیہ جو بعد وفات امام موسیٰ کاظم کے اُن کے فرزند احمد کو امام تسلیم کرتے ہیں ائمہ ثلثہ مابعد یعنی محمد تقی اور حسن عسکری اور مہدی کی امامت کے منکر ہوئے بعد ازاں فرقہ جعفریہ جو بعد وفات امام حسن عسکری کے ان کے بھائی جعفر بن علی کی امامت کے قائل ہیں اور کہتے ہیں کہ امام حسن عسکری نے اولاد نہیں چھوڑی امام مہدی کی امامت بلکہ ان کی ولادت کے بھی منکر ہیں بالجملہ باجماع و اتفاق اکثر شیعہ و امامیہ کے مذہب اثنا عشریہ اور امامت ائمہ اثنا عشر باطل و مردود ہے کیونکہ اکثر فرق شیعہ و امامیہ کے نزدیک بعض ائمہ کی امامت جن کو فرقہ اثنا عشریہ نے امام مان رکھا ہے اور ان کی امامت کو رکن مذہب اسلام قرار دے رکھا ہے اور اسلام کا مدار اس کے قبول پر اعتقاد کر رکھا ہے تسلیم نہیں حالانکہ خود اثنا عشریہ برخلاف اصول خود ان منکرین امامت کو دائرہ اسلام میں داخل اور ناجی بلکہ اپنے مذہب کے مقتدا و پیشوا سمجھتے ہیں پس جب ان کے پیشوایان مذہب بعض ائمہ کی امامت سے منکر ہو کر بھی کافر نہ ہوئے تو خوارج و نواصب منکرین امامت ائمہ مذہب کی بدلیل ابطال کی کیا ضرورت باقی رہی ۔ لہٰذا ہم کو بھی ضرورت نہیں کہ بالتفصیل ہر ایک امام کی امامت کا ابطال کریں اور کلام بھی اس بارہ میں منجر بتطویل ہو چکی ہے اور ہم کو اپنے

ناظرین ذوی الفہم کی ملامت کا اندیشہ ہے لہٰذا اس بحث میں اسی قدر قلیل پر اکتفا کرتے ہیں مگر چونکہ امام مہدی کی امامت پر شیعہ اثنا عشریہ کا زیادہ زور شور ہے اور ان کو قائم بامر آلِ محمد تجویز کر رکھا ہے اور ان کے ظہور کو تمام وعدہائے خداوند تعالیٰ کے پورا ہونے کا زمانہ اور دشمنوں سے انتقام کا وقت فرض کرتے پھولے نہیں سماتے جامہ سے باہر ہوتے جاتے ہیں یہ وہی زمانہ ہے کہ جلباب تقیہ تشیع کے چہرہ سے اٹھے گا اور تشیع زنانہ کو دو ہزار سال کے بعد لباس مردانہ پہنایا جائے گا گویا ائمہ میں فرد کامل بلکہ حقیقی امام ان کو ہی قرار دے رکھا ہے اور اسی پر ادھار کھائے بیٹھے ہیں لہٰذا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ بطور تذئیل و تکمیل اس کے متعلق کچھ مختصراً عرض کیا جاوے اس لئے کہ اس وقت بالخصوص روئے خطاب اثنا عشریہ کی جانب ہی ہے اور نیز ان کی امامت کی دلیل میں ان کے دیگر اصول جو اصول اعتقادیات میں داخل کئے گئے ہیں ان سے بحث ہو کر فیصلہ ہو جائے گا ۔

تمت بالخیر

ردِّ رفض

ماتمی دُنیا میں دھماکہ

بشارۃُ الدارین بالصبر علٰی شہادۃِ الحسینؓ

از قلم ترجمان اہل السنۃ

حضرت مولانا قاضی مظہر حسین صاحب مدظلہ

امیر تحریک خدام اہل سنت پاکستان

مروجہ ماتم کی حرمت اور فضائل صحابہؓ و اہل بیتؓ

از کتب شیعہ

سائز ۲۰×۳۰/۸ صفحات - ۴۲۶

پہلا ایڈیشن قریباً ختم، دوسرا زیر طبع

ناشر:

تحریک خدام اہل سنت چکوال ضلع جہلم

ردِّ رفض پر ہر قسم کی کتب ملنے کا پتہ:

سنی دارالاشاعت - جامع مسجد نواب دین، کرم آباد، وحدت روڈ لاہور

خدّامِ اہلسنّت کی دُعا

از حضرت مولانا قاضی مظہر حسین صاحب بانی تحریک خدام اہلسنّت پاکستان

خدایا اہل سنّت کو جہاں میں کامرانی دے
خلوص و صبر و ہمت اور دین کی حکمرانی دے

تیرے قرآن کی عظمت سے پھر سینوں کو گرمائیں
رسول اللہ کی سنّت سے ہر سو نور پھیلائیں

وہ منوائیں نبیؐ کے چار یاروں کی صداقت کو
ابوبکرؓ و عمرؓ عثمانؓ و حیدرؓ کی خلافت کو

صحابہؓ اور اہل بیتؓ سب کی شان سمجھائیں
وہ ازواج نبی پاک کی ہر شان منوائیں

حسنؓ کی اور حسینؓ کی پیروی بھی کر عطا ہم کو
تو اپنے اولیاء کی بھی محبت دے خدا ہم کو

صحابہؓ نے کیا تھا پرچم اسلام کو بالا
انہوں نے کر دیا تھا روم و ایران کو تہ و بالا

تیری نصرت سے ہم پھر پرچم اسلام لہرائیں
کسی میدان میں بھی دشمنوں سے ہم نہ گھبرائیں

تیرے کُن کے اشارے سے ہو پاکستان کو حاصل
عروج و فتح و شوکت اور دین کا غلبۂ کامل

ہو آئینی تحفظ ملک میں ختم نبوت کو
مٹا دیں ہم تیری نصرت سے انگریزی نبوت کو

تو سب خدام کو توفیق دے اپنی عبادت کی
رسول پاک کی عظمت محبت اور اطاعت کی

ہماری زندگی تیری رضا میں صرف ہو جائے
تیری راہ میں ہر اک سُنی مسلمان وقف ہو جائے

تیری توفیق سے ہم سنت کے رہیں خادم
ہمیشہ دین حق پر تیری رحمت سے رہیں قائم

نہیں مایوس تیری رحمتوں سے مظہر ناداں
تیری نصرت ہو دُنیا میں قیامت میں تیری غفران